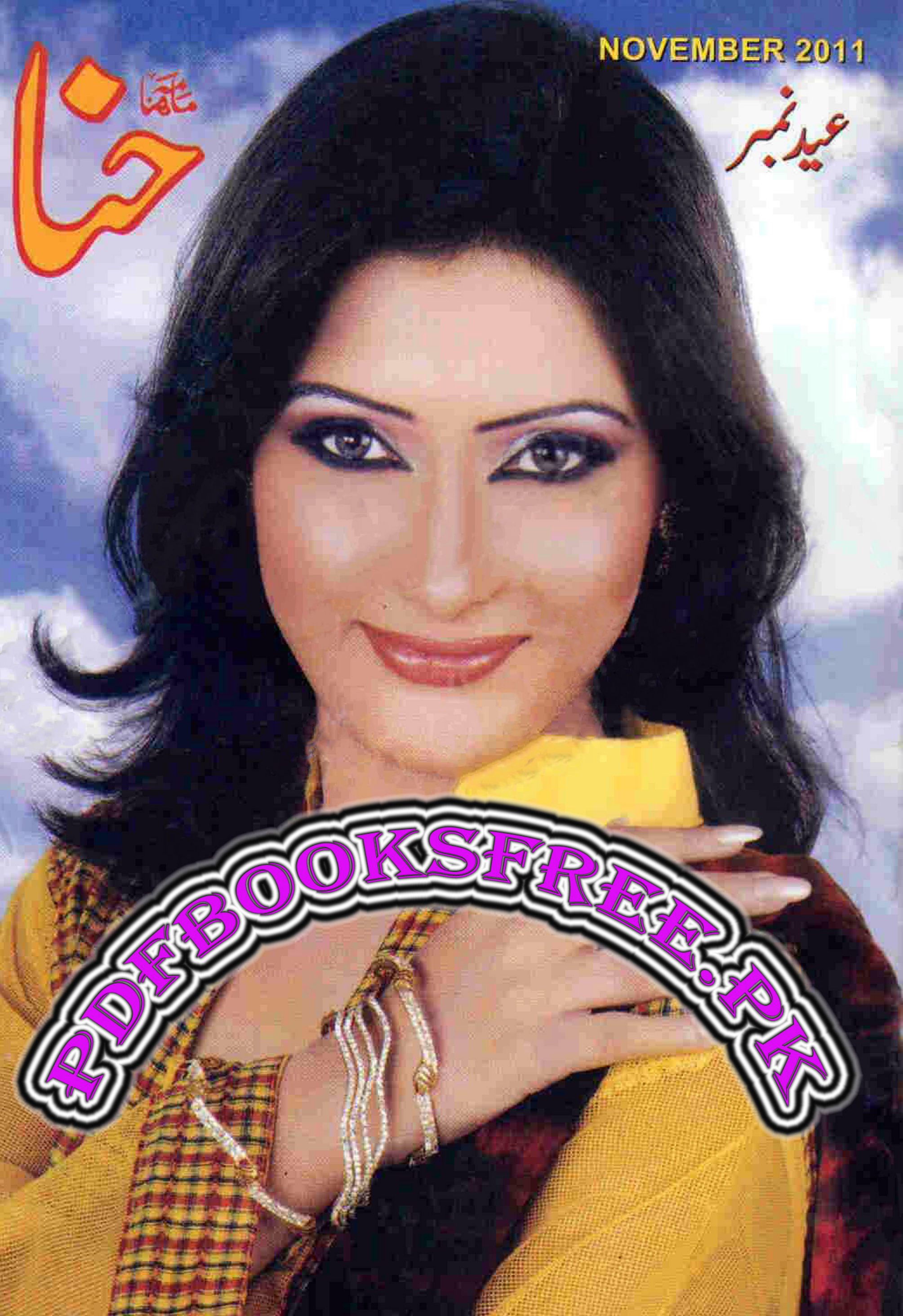
ماہنامہ
حنا
NOVEMBER 2011
عید نمبر
PDFBOOKSFREE.PK

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

حمد — صدیق فتح پوری — 7
نعت — ناصر کاظمی — 7
پیارے نبی کی پیاری باتیں — سید اختر ناز — 8

افسانے

بارش وار برس ڈھولا — تحسین اختر — 89
رنگ عید ساعتوں کا — ہمارائے — 210
زیست ہے موج صبا — اسماء بدر — 223

انشانامہ

ہم رات بہت روئے — ابن انشاء — 13

ناول

وہ ستارہ صبح امید کا — فوزیہ غزل — 24
تم آخری جزیرہ ہو — اُم مریم — 186

ناولٹ

محبتوں میں حساب کیسا؟ — مدیحہ تبسم — 106
خوشیاں اترئی آنگن میں — شازیہ مصطفیٰ — 128

مکمل ناول

راہ اُلفت میں — صبا جاوید — 50
تیرے حصار میں رہوں — ساجدہ تاج — 154

☆ ☆ ☆

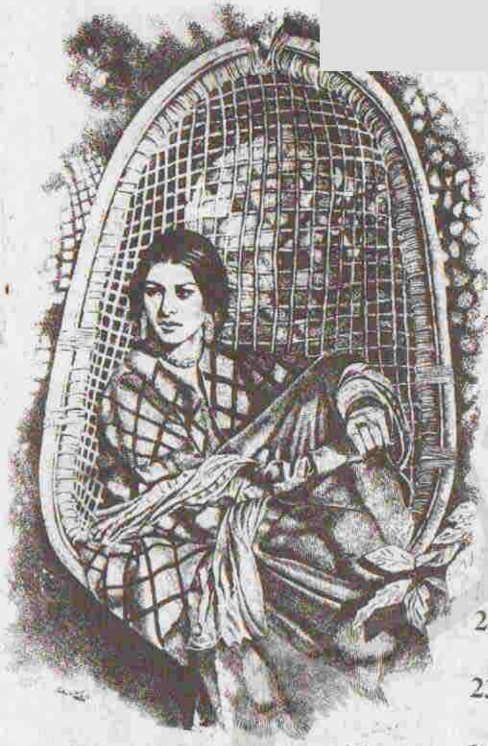

انٹرویو

عاطف اسلم سے ملاقات — عبداللہ — 14

مستقل سلسلے

حاصل مطالعہ — فرزانہ سلیم — 232
بیاض — تسنیم طاہر — 236
رنگ حنا — بلقیس بھٹی — 240
میری ڈائری سے — صائمہ محمود — 244
حنا کی محفل — عین غین — 248
خبر نامہ — عبداللہ — 250
حنا کا دستر خوان — ثمینہ احتشام — 252
کس قیامت کے یہ نامے — فوزیہ شفیق — 255

نہ بھول سکیں گے ہم — فوزیہ شفیق — 17

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، ماہنامہ حنا پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور، فون نمبر 042-37310797,37321690 ای میل ایڈریس
monthly hina @ hotmail.com
monthly hina @ yahoo.mail.

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

حمد — صدیق فتح پوری 7

نعت — ناصر کاظمی 7

پیارے نبی کی پیاری باتیں — سید اختر ناز 8

افسانے

بارش وار برس ڈھولا — تحسین اختر 89

رنگ عید ساعتوں کا — ہمارائے 210

زیست ہے موج صبا — اسماء بدر 223

انشانامہ

ہم رات بہت روئے — ابن انشاء 13

ناول

وہ ستارہ صبح امید کا — فوزیہ غزل 24

تم آخری جزیرہ ہو — اُم مریم 186

ناولٹ

محبتوں میں حساب کیسا؟ — مدیحہ تبسم 106

خوشیاں اتری آنگن میں — شازیہ مصطفٰے 128

مکمل ناول

راہ اُلفت میں — صبا جاوید 50

تیرے حصار میں رہوں — ساجدہ تاج 154

☆ ☆ ☆

انٹرویو

عاطف اسلم سے ملاقات — عبداللہ 14

مستقل سلسلے

حاصل مطالعہ — فرزانہ سلیم 232

بیاض — تسنیم طاہر 236

رنگ حنا — بلقیس بھٹی 240

میری ڈائری سے — صائمہ محمود 244

حنا کی محفل — عین غین 248

خبرنامہ — عبداللہ 250

حنا کا دسترخوان — ثمینہ احتشام 252

کس قیامت کے یہ نامے — فوزیہ شفیق 255

نہ بھول سکیں گے ہم — فوزیہ شفیق 17

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، ماہنامہ حنا پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ چوک

اردو بازار لاہور، فون نمبر 042-37310797,37321690 ای میل ایڈریس

monthly hina @ hotmail.com

monthly hina @ yahoo.mail.

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! حنا کا نومبر 2011ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

جب یہ شمارہ آپ تک پہنچے گا عیدالاضحیٰ کی آمد آمد ہوگی، دنیا میں جتنی بھی اقوام ہیں، ان کے اجتماعی تہوار ہوتے ہیں جنہیں اس قوم کے سب افراد مل جل کر مناتے ہیں، اسلام میں بھی مسلمانوں کے دو خاص تہوار عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ ہیں جنہیں تمام عالم اسلام میں ایک خاص جوش و جذبہ کے ساتھ منایا جاتا ہے، ان میں سے عیدالاضحیٰ ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا درس دیتی ہے، یہ تہوار قربانی کے اس عظیم الشان واقعہ کی یاد میں منایا جاتا ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کی رضا کے لئے اپنے جوان بیٹے کو قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بھی کمال اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے خود کو قربانی کے لئے پیش کر دیا تھا، اللہ تعالیٰ کو دونوں باپ بیٹے کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ رہتی دنیا تک آنے والی نسلوں کو اس قربانی کی یاد منانے کا حکم دیا، یہ قربانی ہمیں بتاتی ہے کہ اپنی ذات کو بھول کر خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا گیا عمل ہی بارگاہ الٰہی میں مقبول ٹھہرتا ہے اور ایثار و قربانی کا یہ جذبہ اگر انسان اپنی زندگی میں پیدا کر لے تو اس کی زندگی سنور جاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو خلوص نیت کے ساتھ عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اظہار تشکر:۔ گذشتہ ماہ میری اہلیہ کی وفات پر ہمارے مصنفین اور قارئین نے جس طرح خطوط اور فون کے ذریعے تعزیت کی اور مرحومہ کی مغفرت کے لئے دعا کی، اس پر میں ان کا بے حد مشکور ہوں، آپ کی غم گساری نے ہم سب کا حوصلہ بندھایا ہے اور ہمیں یہ صدمہ جانکاہ برداشت کرنے میں مدد دی ہے، گزارش ہے کہ آپ آئندہ بھی مرحومہ کی مغفرت اور ان کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کرتے رہیں اللہ آپ کو جزا دے۔

اس شمارے میں:۔ گلوکار عاطف اسلم سے ملاقات، صبا جاوید اور ساجدہ تاج کے مکمل ناول، مدیحہ تبسم اور شازیہ مصطفےٰ کے ناولٹ، تحسین اختر، ہما راؤ اور اسماء بدر کے افسانے، فوزیہ غزل اور اُم مریم کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

رستے میں مسافر کو تری یاد اگر ہے
پرلطف سفر ہے وہی پرلطف سفر ہے

تیرے بنا بنتا نہیں ہے کام کسی کا
محتاج ترا دہر میں ہر فرد و بشر ہے

سوکھے ہوئے اشجار کو کرتا ہے ثمر وز
رحمت سے تری سبز ہر اک شاخ شجر ہے

تیرے ہی کرم سے ہیں شب و روز منور
ہے شام اگر تیری تو تیری ہی سحر ہے

کوئی نہیں در ایسا جہاں ملتا سکوں ہو
عالم کے لئے جائے اماں تیرا وہی در ہے

بن مانگے عطا کرتا ہے وہ شان ہے تیری
کیا کس کو ضرورت ہے تجھے سب کو خبر ہے

پاتا ہے سکوں آ کے ترے گھر میں ہر انساں
محفوظ ہر اک رنج و بلا سے ترا گھر ہے

صدیق فتح پوری

نعت رسول مقبول ﷺ

تزئین کائنات برنگ دگر ہے آج
جشن ولادت شہ جن و بشر ہے آج

صدیوں سے فرش راہ تھے جس کے لئے نجوم
آغوش آمنہ میں وہ رشک قمر ہے آج

صبح ازل کو جس نے دیا حسن لازوال
وہ موج نور زینت دیوار و در ہے آج

کس کے قدم سے چمکی ہے بطحا کی سرزمیں
ظلمت کدوں میں شور نوید سحر ہے آج

اے چشم شوق شوکت نظارہ دیکھنا
ماہ فلک چراغ سر رہ گزر ہے آج

شوق نظارہ نے وہ تراشا ہے آئینہ
جس آئینے میں جلوہ آئینہ گر ہے آج

ناصر در حضورؐ سے جو چاہو مانگ لو
وا خاص و عام کے لئے باب اثر ہے آج

ناصر کاظمی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سید اختر ناز

ہمارے نبیؐ کی پیاری باتیں

زیادہ مال رکھنے والوں کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''زیادہ مال رکھنے والوں کے لئے ہلاکت ہے مگر جس نے مال کو اس طرح، اس طرح، اس طرح اور اس طرح سے (خرچ) کیا۔'' یہ فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دائیں، بائیں آگے اور پیچھے چاروں طرف (ہر طرف ایک بار) اشارہ فرمایا۔

فوائد ومسائل:۔

مال حرص اور بخل کے ذریعے سے جمع ہوتا ہے اور یہ دونوں مذموم خصلتیں ہیں۔

جائز طریقے سے کمایا ہوا مال بھی اللہ کی راہ میں اور نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا ضروری ہے، اپنی ذاتی آسائشات اور تعیشات پر مال کرنا درست نہیں۔

سخاوت کرنے والا ہلاکت سے محفوظ ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا مال اس کے لئے نیکیوں میں اضافے کا باعث بنتا ہے، جس قدر زیادہ خرچ کرے گا، اتنا ہی جنت میں بلند درجات کا مستحق ہوگا۔

حلال کمائی

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''زیادہ مال والے قیامت کے دن (دوسروں سے درجات میں) نیچے ہوں گے مگر جس نے مال کو اس طرح اور اس طرح خرچ کیا اور اس کی کمائی پاک (اور حلال ذرائع) سے ہوئی۔''

فائدومسائل:۔

سخاوت سے اس شخص کو فائدہ ہوسکتا ہے جس کی کمائی حلال ہو، لہٰذا حرام کمائی سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔۔

''زیادہ مال والے زیادہ نیچے ہوں گے، مگر جس نے اس طرح، اس طرح اور اس طرح خرچ کیا۔''

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تین بار اشارہ فرمایا۔

سخاوت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو تو میں نہیں چاہوں گا کہ مجھ پر تیسری رات آئے اور (اس وقت بھی) اس میں سے کچھ میرے پاس (بچا ہوا) موجود ہو، مگر اتنی چیز جسے میں قرض کی ادائیگی کے لئے سنبھال رکھوں۔''

فوائد ومسائل:۔

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت کا بیان اور امت کے لئے ترغیب ہے۔

احد ایک بڑا پہاڑ ہے، اتنا سونا دو تین دن میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش یہی تھی کہ اگر اتنا مال بھی ہو تو وہ بھی دو تین دن میں مکمل طور پر تقسیم کر دیا جائے۔

قرض کی ادائیگی قرض خواہ کا حق ہے، اس کی ادائیگی سخاوت سے اہم ہے۔

قرض لینا دینا جائزہ ہے لیکن قرض لیتے وقت یہ نیت ہونی چاہیے کہ جلد از جلد ادا کر دیا جائے۔

سنبھال رکھنے کی ضرورت تب پیش آسکتی ہے جب ادائیگی کا مقررہ وقت آنے میں کچھ وقفہ باقی ہو، تاکہ جب قرض خواہ مطالبہ کرے تو ادائیگی کا اہتمام کرتے ہوئے ادائیگی میں تاخیر نہ ہو جائے۔

اگر قرض خواہ قریب موجود ہو تو مقررہ وقت سے پہلے خود جا کر ادائیگی کر دینا افضل ہے لیکن اگر اس سے رابطہ مشکل ہو تو رقم سنبھال کر رکھنا مناسب ہے تاکہ ادائیگی جلد از جلد کی جا سکے۔

دعا

حضرت عمرو بن خیلان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''یا اللہ! جو شخص مجھ پر ایمان لایا، میری تصدیق کی اور اس نے (دل سے) جان لیا کہ میں جو (شریعت) لے کر آیا ہوں وہ تیری طرف سے حق ہے تو اسے کم مال اور اولاد دے اور اسے اپنی ملاقات کی محبت نصیب فرما اور اسے جلدی موت عطا فرما اور جو مجھ پر ایمان نہ لایا، میری تصدیق نہ کی اور یہ یقین نہ کیا کہ میں جو (شریعت) لے کر آیا ہوں وہ تیری طرف سے حق ہے، اس کو بہت مال اور اولاد دے اور اس کی عمر طویل فرما دے۔''

دعا

حضرت نقادہ (بن عبد اللہ) اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک آدمی کی طرف بھیج کر اس سے ایک اونٹنی طلب فرمائی، اس شخص نے اونٹنی دینے سے) انکار کر دیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک اور آدمی کی طرف بھیجا ہے، اس نے ایک اونٹنی بھجوا دی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹنی کو دیکھا تو فرمایا۔

''یا اللہ! اس میں برکت عطا فرما اور اسے بھیجنے والے کو بھی۔'' حضرت نقادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، میں نے کہا۔

''جو اسے لے کر آیا اس کے لئے بھی برکت کی دعا فرمائیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اور جو اسے لے کر آیا۔'' (اللہ اسے بھی برکت دے۔)

پھر آپ کے حکم سے اسے دوہا گیا، اس نے بہت دودھ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پہلے شخص کے بارے میں، جس نے انکار کر دیا تھا فرمایا۔

''یا اللہ! فلاں کا مال زیادہ فرما۔'' اور جس نے اونٹنی بھیجی تھی اس کے حق میں فرمایا۔

''یا اللہ! اس کو روز کا رزق دے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ہلاک ہو جائے (تباہ ہو جائے) دینار کا بندہ، درہم کا بندہ، کمبل کا بندہ اور چادر کا بندہ، اگر اسے دیا جائے تو خوش رہتا ہے، اگر نہ دیا جائے تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

(بیعت والا) وعدہ پورا نہیں کرتا۔"

ہلاکت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"ہلاک ہو جائے دینار کا بندہ، درہم کا بندہ اور چادر کا بندہ، ہلاک ہو جائے، اوندھا ہو جائے، اسے کانٹا لگے تو نکالا نہ جائے۔"

فوائد ومسائل:۔

دنیا کا لالچ مذموم ہے۔

جب محبت ونفرت کی بنیاد محض دنیوی مفاد پر ہو جائے تو خلوص باقی نہیں رہتا، اس صورت میں خلیفۃ المسلمین یا اس کے نائب سے بیعت بھی اللہ کی رضا کے لئے اور اسلامی سلطنت کی حفاظت اور خدمت کے لئے نہیں ہوتی، اس طرح یہ عظیم نیکی بھی تمام برکات سے محروم ہو کر برائی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

دینی جماعتوں اور تنظیموں سے تعلق اللہ کی رضا اور ثواب کے لئے ہونا چاہیے، اسی نیت سے عہدہ اور ذمہ داری قبول کی جائے، اگر محسوس ہو کہ محنت کرنے کے باوجود جماعت میں اہمیت تسلیم نہیں کی جا رہی تو اکابر سے ناراض ہو کر جماعت سے الگ نہ ہو جائے، ہاں اگر یہ محسوس کیا جائے کہ جماعت یا تنظیم کے عہدیدار صحیح انداز سے کام نہیں کر رہے اور توجہ دلانے کے باوجود اصلاح پر آمادہ نہیں تو خاموشی کے ساتھ تنظیم سے الگ ہو جائے۔

درہم و دینار کے بندے سے مراد وہ شخص ہے جو دنیا کے مال و دولت کی اتنی خواہش رکھتا ہے کہ اس کی تمام سرگرمیوں کا محور حصول دولت بن کر رہ جاتا ہے، اس طرح وہ دولت سے خدمت لینے کے بجائے دولت جمع کرنے اور سنبھالنے میں مصروف رہتا ہے، گویا دولت اس کا آقا یا معبود ہے اور وہ غلام یا پجاری۔

دولت کے پجاری کے لئے بد دعا کی گئی ہے کہ وہ تباہ ہو جائے، منہ کے بل گرنے اور سر کے بل اوندھا ہو جانے سے یہی مراد ہے، کانٹا نکالے جانے سے مراد یہ ہے کہ وہ مشکلات میں پھنسا رہے اور اس کی مدد اور نجات کی کوئی صورت پیدا نہ ہو، واللہ اعلم۔

قناعت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"امارت سامان کی کثرت سے نہیں ہوتی بلکہ امیری تو دل کی امیری ہے۔"

فوائد ومسائل:۔

انسان دولت اس لئے حاصل کرتا ہے کہ اس کے کام چلتے رہیں لیکن جب دولت خود مقصود بن جائے تو پھر مال دولت کی کثرت کے باوجود وہ سکون واطمینان حاصل نہیں ہوتا جس کے لئے کوشش کی جاتی ہے۔

قناعت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے پاس موجود رزق کا کافی سمجھے اور اپنی ضروریات کو اس حد تک محدود کر لے کہ حلال روزی میں گزارا ہو جائے۔

دولت مند وہ ہے جس کا دل دولت مند ہے اور دل دولت مند تب ہوتا ہے جب اس میں حرص اور بخل نہ ہو، ایسا آدمی تھوڑے سے مال سے اتنی خوشی حاصل کر لیتا ہے جو حریص آدمی کو بہت زیادہ مال سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔

کامیاب

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"کامیاب وہ ہے جسے اسلام کی ہدایت مل گئی، ضرورت کے مطابق رزق مل گیا اور وہ اس قانع ہو گیا۔"

فوائد ومسائل:۔

اسلام سب سے بڑی دولت ہے کیونکہ اس سے آخرت میں جنت ملتی ہے جس سے بڑی کوئی نعمت نہیں۔

"رزق کفاف" کا مطلب اتنی روزی ہے جس سے بنیادی ضروریات، بغیر فضول خرچی کے، پوری ہوتی رہیں اور قرض اٹھانے کی ضرورت نہ پڑے۔

کامیابی دولت کے ڈھیر جمع کرنے کا نام نہیں، بلکہ موجود رزق پر قناعت اور شکر اصل دولت اور بڑی کامیابی ہے۔

ضروری حاجات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"یا اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھر والوں کو ضروری حاجات کے مطابق رزق عطا فرما۔"

فوائد ومسائل:۔

انسان کو چاہیے کہ اپنے گھر والوں کے لئے بھی اچھی عادات وخصائل کی خواہش رکھے۔

ضرورت کے مطابق رزق کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ نہ ملے جسے جمع کر کے رکھا جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زہد و قناعت امت کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

خواہش

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"قیامت کے دن ہر دولت مند اور نادار کی خواہش یہی ہو گی کہ اسے دنیا میں صرف (زندہ رکھنے کے قابل) تھوڑی سی روزی ملی ہوتی۔"

پوری دنیا

حضرت عبیداللہ بن محصن انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جس کی صبح اس حال میں ہوئی کہ اسے بدن میں عافیت، اپنے بارے میں امن اور دن بھر کی خوراک حاصل ہو، اسے گویا پوری دنیا جمع کر کے دے دی گئی۔"

فوائد ومسائل:۔

جسے کوئی بیماری اور خوف نہ ہو اور دن بھر کی ضرورت کا سامان موجود ہو تو یہ بہت بڑی نعمت ہے۔

ہم زیادہ کی خواہش میں ان نعمتوں کی طرف توجہ نہیں کرتے جو ہمارے پاس موجود ہوتی ہیں جس کی وجہ سے دل میں شکر کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔

جس شخص کے پاس ایک دن کی ضروریات موجود ہیں، اسے اس دن کا شکر ادا کرنا چاہیے اور یہ امید رکھنی چاہیے کہ جب کل کا دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات بھی مہیا فرما دے گا۔

کم تر کو دیکھو

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

(دنیا میں) "اپنے سے نیچے والے (کم مال) کو دیکھو، اپنے سے اوپر والے کو نہ دیکھو، اس سے یہ ہو گا کہ تم اللہ کی نعمت کو حقیر نہ سمجھو گے۔"

فوائد ومسائل:۔

نیچے والے سے مراد وہ شخص ہے جو کسی نعمت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ہم سے کم ہے اور اوپر والے سے مراد وہ شخص ہے جو کسی نعمت میں ہم سے بڑھ کر ہے۔

اپنے سے زیادہ نعمت والے کو دیکھنے سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ مجھے یہ نعمت کم حاصل ہے، اس کمی کو شیطان اس انداز سے پیش کرتا ہے گویا یہ نعمت حاصل ہی نہیں، اس طرح محرومی کا احساس پیدا ہوتا ہے، جس سے شکر کے بجائے اللہ سے شکوہ کرنے کو جی چاہتا ہے جو ناشکری کی ایک بڑی صورت ہے۔

اپنے سے کم تر پر نظر ڈالنے سے حاصل شدہ نعمت کی قدر معلوم ہوتی ہے، جس سے شکر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

ہر نعمت کے بارے میں یہ کیفیت ہے کہ ایک فرد کو وہ نعمت کسی سے کم ملی ہے تو وہی نعمت اسے کسی دوسرے سے زیادہ بھی ملی ہے، اس معاملے کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ اگر ایک فرد کو ایک نعمت کسی سے کم ملی ہے تو کوئی دوسری نعمت اسے زیادہ بھی ملی ہے، جس طرح ایک شخص کسی سے کم دولت رکھتا ہے اور کسی سے زیادہ دولت مند بھی ہے، اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر وہ اس سے دولت میں کم ہے تو صحت یا قوت میں اس سے بڑھ کر ہے، اگر حسن صورت میں کم ہے تو علم و فضل یا حسن سیرت میں اس سے بھی زیادہ ہے، لہٰذا احساس کمتری میں مبتلا ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور اللہ سے شکوہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اعمال اور دل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے عملوں اور دلوں کو دیکھتا ہے۔''

فوائد و مسائل:۔

خوب صورت یا بد صورت ہونے بندے کے ہاتھ میں نہیں بلکہ یہ اللہ کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے، کوشش کرنی چاہیے کہ عمل اچھے ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جا سکے۔

اللہ کے ہاں مال اور بے زر برابر ہیں، مال دار کو محض دولت مند ہونے کی وجہ سے معافی نہیں مل سکتی اور نادار کو محض اس کی مفلسی کی بنا پر مجرم نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

مال دار ہونا بھی اللہ کی آزمائش ہے اور مفلس ہونا دوسری طرح کی آزمائش، اگر مال دار شکر کرے تو اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے اور ناشکری کرے تو ناپسندیدہ ہے، اسی طرح نادار آدمی صبر کرے تو اللہ کا پیارا ہے اور بے صبری کرے اور حرام کمائی کی کوشش کرے تو اللہ کے قرب سے محروم ہے۔

انسان اگر نیکی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کی نیت اور خواہش ضرور رکھنی چاہیے، ایسی نیت پر بھی ثواب ملتا ہے۔

بھوک

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

''میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھوک کی وجہ سے کروٹیں بدلتے دیکھا آپ کو معمولی سی کھجوریں بھی میسر نہ تھیں جن سے پیٹ بھر لیتے۔''

فائدہ:۔

اس میں امت کے لئے سبق ہے کہ وہ تنگ دستی کی حالت میں بھی صبر اختیار کریں، حرام کمائی کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔

☆☆☆

ہم رات بہت روئے

ابن انشا

ہم رات بہت روئے بہت آہ و فغاں کی
دل درد سے بوجھل ہو تو پھر نیند کہاں کی

پڑھتے ہیں شب و روز اسی شخص کی غزلیں
غزلیں کہ حکایات ہیں ہم دل زدگاں کی

سر زانو پہ رکھے ہوئے کیا سوچ رہی ہو
کچھ بات سمجھتی ہو محبت زدگان کی؟

تم چرخ چہارم کے ستارے ہوئے لوگو!
تاراج کرو زندگیاں اہل جہاں کی

تم میری طرف دیکھ کے چپ ہو سی گئی تھیں
وہ ساعت خوش وقت نشاط گزراں کی

اچھا ہمیں بنتے ہوئے مٹتے ہوئے دیکھو
ہم موج گریزاں ہی سہی آب رواں کی

اک دن یہ سمجھتے تھے کہ پایان تمنا
اک رات ہے مہتاب کے ایام جواں کی

انشا سے ملو اس سے نہ روکیں گے ولیکن
اس سے یہ ملاقات نکالی ہے کہاں کی؟

اب اور ہی اوقات ہے اے جان تمنا
ہم نالہ کشاں بے گنہاں غم زدگاں کی

مشہور ہے ہر بزم میں اس شخص کا سودا
باتیں ہیں بہت شہر میں بدنام میاں کی

اس گھر کی کھلی چھت پہ چمکتے ہوئے تارو
کہتے ہو کبھی بات وہاں جاکے یہاں کی؟

اے دوستو اے دوستو اے درد نصیبو
گلیوں میں چلو سیر کریں شہر بتاں کی

برگشتہ ہوا ہم سے یہ مہتاب تو پیارو!
بس بات سنی راہ چلا کاہکشاں کی

ہم جائیں کسی سمت کسی چوک پہ ٹھہریں
کہیو نہ کوئی بات کسی سود و زیاں کی

اللہ کرے میر کا جنت میں مکاں ہو
مرحوم نے ہر بات ہماری ہی بیاں کی

انشا کی غزل سن لو پہ رنجور نہ ہونا
دیوانہ ہے دیوانے نے اک بات بیاں کی

ہوتا ہے یہی عشق میں ہنجار سبھی کا
باتیں یہی دیکھی ہیں محبت زدگاں کی

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گلوکار "عاطف اسلم" سے ملاقات

عبداللہ

"عاطف اسلم" ایک نام...... ایک سنگر...... پرائیڈ آف فارمنس جس نے آج کل بالی ووڈ کی فلموں میں اپنی آواز سے وطن عزیز کا نام کافی مشہور کیا ہے۔ آج کوئی فلم عاطف اسلم کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ "ریس، عجب پریم کی غضب کہانی، قسمت کنکشن، مائی نیم از خان" وغیرہ جیسی فلموں میں عاطف اسلم نے اپنی آواز سے بھارتی فلموں کو دنیا بھر میں ایک نئی پہچان دی ہے آج عاطف پاکستان کا موسٹ پاپولر آرٹسٹ بلکہ ان کا شمار مصروف ترین سنگر میں ہوتا ہے لک وائیز (شکل وصورت) کے کم نہیں انہیں حال ہی میں بھارت کے متعدد فلم میکرز نے بطور ہیرو فلموں میں اداکاری کی آفر کی ہے جس کا فی الحال عاطف نے منع کیا ہے۔ اس کی تمام تر توجہ فی الحال گائیکی کی طرف ہے۔ ہم آج "حنا" کے قارئین کی خصوصی فرمائش پر "عاطف اسلم" کا ایک مختصر انٹرویو پیش کر رہے ہیں جو یقیناً بضرور انجوائے کریں گے۔

☆ عاطف اسلم یہ کسی بینڈ کا نام ہے دو شخصیات ہیں یا ایک نام ہے؟

O عاطف میرا اور مائی فادر نیم اسلم...... اور یہ کسی بینڈ کا نام نہیں ہے۔

☆ آپ آج کل بھارتی فلموں کی ضرورت بن گئے۔ آج بھارت کا کوئی فلمی موسیقار آپ کے بغیر فلم بنانے کا سوچ نہیں سکتا ہے کیا آپ اس بات سے خوش ہیں؟

O بالکل خوش ہوں...... مجھے یقین نہیں تھا کہ میں محض ایک "ریس" فلم کے گانے سے پاپولر سنگر بن جاؤں گا۔

☆ کیا اس سے قبل آپ پاکستان میں پاپولر سنگر نہیں تھے؟

O آف کورس۔ میں یہ نہیں کہتا...... میں پاپولر نہیں تھا...... میں بالکل ایک اسٹیج کونسیٹ آرٹسٹ تھا اور پاکستان کے علاوہ امریکہ، یو اے ای، یوکے، کینیڈا میں میری پہچان پاکستانی تھی۔ مگر بھارتی فلموں کی گائیکی کے بعد میری شہرت میں مزید اضافہ کیا ہے۔

☆ آپ کے دوست، فیملیز میں بھارتی فلموں میں گانوں سے خوش ہیں جبکہ وہ ہمارا حریف ملک ہے جو ہر معاملے میں ہم سے حسد کرتا ہے؟

O جی نہیں! میرے حلقہ احباب سے میری بھارتی فلموں کی مقبولیت سے کافی خوش ہیں اور بات رہی دونوں ملکوں کی دشمنی اور حسد کی ہم فنکار اس دشمنی کو امن دوستی میں تبدیل کرنے میں اپنا پارٹ پلے کر رہے ہیں اور مجھے خوشی ہے کہ اب برف پگھل رہی ہے اب بھاتی فلمیں پاکستانی سینما گھروں میں ہر ہفتے نمائش کے لئے پیش کی جا رہی ہیں۔

☆ آپ جب بھارتی فلموں میں گائیکی کر رہے ہیں...... آپ سے بھارتی سنگرز جیلس تو نہیں ہیں؟

O جی نہیں ایسی بات نہیں ہے سب مجھ سے پیار کرتے ہیں۔

☆ مگر سنا ہے آپ نے سونو نگم جیسے سنگرز کی چھٹی کر دی۔

O ایسی بات نہیں ہے سونو مجھ سے اچھا گاتا ہے وہ آج بھی گا رہا ہے میں نے کسی کی چھٹی نہیں کی

ہے...... دراصل بھارت کی فلم انڈسٹری بہت بڑی ہے سنگرز کے لئے کام بہت ہے۔

☆ مگر ہمارے عاطف نے اس بڑی انڈسٹری میں اپنا نام روشن ملک پاکستان کا وقار بلند کیا ہے؟

O مجھے خوشی ہے کہ حکومت پاکستان نے سرکاری سطح پر میری جو پذیرائی کی ہے مجھے پرائیڈ آف پرفارمنس سے نوازا میں نے اس کا حق ادا کر دیا آج عاطف اسلم کو نہیں میرے ملک کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔

☆ بھارت میں پاکستانی ایکٹر کے علاوہ جو پاکستانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آرٹسٹوں کی حمایت کرتا ہے ان کو دھمکی دی جاتی ہے جس طرح شکیل صدیقی کے ساتھ انہوں نے کیا۔ اس کے بعد شاہ رخ خان، مہیش بھٹ کو محض اس لئے دھمکی دی گئی کہ انہوں نے پاکستان آرٹسٹوں، سنگرز کی حمایت کی تھی۔ آپ کے ساتھ کسی نے اس طرح کی دھمکی یا ناروا سلوک تو نہیں کیا؟

O دیکھئے...... اچھے اور برے لوگ ہر جگہ موجود ہیں اور شکیل بھائی کے ساتھ ایک تعصب پسند تنظیم نے جو کیا اس کی معافی بالی ووڈ اور ٹی وی والوں نے مانگی اور شاہ رخ خان کو بال ٹھاکرے نے دھمکی دی اس کے باوجود سب نے "مائی نیم از خان" کی کامیابی دیکھ کر اندازہ لگایا کہ عوام شاہ رخ خان کے ساتھ ہیں۔

☆ آپ کو کرکٹ سے دلچسپی ہے؟

O لیس کھیلنے کے لیے اب ٹائم نہیں ملتا...... مگر ٹائم ملتا تو دیکھتا ضرور رہوں۔

☆ جس طرح آج کل IPL کرکٹ ہو رہی ہے اور پاکستان کے کھلاڑی محض ایک سازش کے تحت موجود نہیں ہے کیا آپ کو دُکھ ہوا؟

O سچ بتاؤں...... مجھے بار IPL اس لئے پسند نہیں کہ اس میں ہمارے پاکستانی اسٹارز شامل نہیں ہیں اور شاہ رخ خان، پریتی زنٹا بھارتی فلم اسٹار، کرکٹر، ٹی وی، ماڈل اس بار IPL سے مایوس ہیں اور انویسٹمنٹ کرنے والے ادارے کو کافی نقصان ہوا اس کی وجہ پاکستان کرکٹر کو شامل نہیں کیا گیا جس کا مجھے دل سے دُکھ ہوا ہے۔

☆ آپ کو کسی پاکستانی فلم پروڈیوسرز نے اپنی فلم میں چانس کیوں نہیں دیا؟

O یہ آپ پاکستانی فلم میکرز سے سوال کریں...... میں خود جاننے سے رہا۔

☆ اب آپ بھارتی فلموں میں بے پناہ مقبولیت حاصل کر چکے ہیں کیا آپ کو پاکستانی فلمیں آفرز ہوئیں؟

O پاکستان میں اب فلمیں نہیں بن رہیں ہیں مگر سنا ہے کہ کچھ لوگ جن میں شان، ہمایوں سعید اور شعیب منصور شامل ہیں وہ فلمیں بنانے کی تیاریوں میں مصروف عمل ہیں اور مجھے انہوں نے گائیکی کی آفر کی ہے اگر میوزک اور فلم پروڈکشن بین الاقوامی انداز کا لگا ضرور کروں گا۔

☆ آپ کے حوالے سے مشہور ہے کہ شعیب منصور نے "خدا کے لیے" کے بعد اپنی سیکنڈ مووی شروع کی ہے اور آپ کو ہیرو کے لیے منتخب کیا گیا ہے کیا آپ کو اب اداکاری کا شوق ہے۔

O جی ہاں! اداکاری کا شوق ہے مجھے ہیرو شعیب بھائی نے فلم آفر کی ہے اس کے بارے میں فی الحال سوچ رہا ہوں کیونکہ میں اچھا سنگرز ضرور ہوں مگر اداکار نہیں...... اس لئے بھارت مجھے بے شمار فلم میکرز نے آفرز دی مگر میں نے وہ آفر قبول نہیں کی کہ دو کشتیوں کا مسافر ڈوب جاتا ہے جس کی مثال سونو نگم اور ریمیش ہیں جو فلموں میں چل نہیں سکے۔

☆ آپ کے پاس اس وقت کتنی بھارتی فلمیں ہیں جن میں آپ کے گانے آپ کے فین ز کو عاطف نئے گائیکی کے انداز میں نظر آئیں گے۔

O آپ کو تقریباً ہر اچھی کاسٹ کریڈٹ کی فلم میں میری آواز سننے کو ملے گی۔

اس کے ساتھ ہم نے عاطف سے اجازت چاہی اس وعدے کے ساتھ کہ اُن کو جیسے ہی وقت ملا وہ حنا کے لیے ایک تفصیلی انٹرویو دیں گے۔

☆☆☆

ہم بھول سکیں ہیں نہ تجھے بھول سکیں گے

فوزیہ شفیق

جانے والے اب کہاں ملو گے

ان کے جانے سے یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت نہ در کی صورت

لوگ دنیا میں آتے ہیں اور ایک مخصوص مدت گزار کر اس عارضی قیام گاہ کو چھوڑ جاتے ہیں یہاں کون ہے جو آ کر واپس نہیں گیا، انسان بہر حال فانی ہے، اسے موت سے، اندھیرے میں گم ہو جانے سے، کوئی طاقت نہیں روک سکتی، لیکن انسان کا کردار، اس کا اخلاق لافانی ہے اور انسان کی یہی خوبی ہے جس کے سامنے موت بھی عاجز ہو کر سرنگوں ہو جاتی ہے اور جانے والا ہمیشہ کے لئے زندہ رہ جاتا ہے، اپنے پیاروں کی یادوں، ان کی باتوں میں، ان کے دلوں میں۔

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
وہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

سردار محمود صاحب کی اہلیہ بیگم سردار محمود کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا تھا، انہیں اس دنیا کو چھوڑے ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے لیکن کوئی پل کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جوان کے ذکر سے خالی ہو کسی نہ کسی حوالے سے ان کا نام بے ساختہ زبان پہ آ ہی جاتا ہے، وہ چاہے ان کے شریک حیات سردار محمود ہوں یا ان کے لخت جگر سردار طاہر محمود، میں نے دونوں کو ہی ان کی یادوں میں کھوئے ہوئے دیکھا ہے وہ ہی کیا، ان کی دونوں بہوئیں (جن کی وہ ساس نہیں ماں تما دوست تھیں) آج بھی بڑی چاہت اور لگن سے ان کا کمرہ سنوارتی ہیں کہ جیسے وہ کہیں باہر گئی ہوں اور کسی بھی لمحے لوٹ آئیں گی، ان کے چھوٹے بیٹے سردار طارق محمود کا سب سے چھوٹا بیٹا وہ کیوٹ سا محمد احمد جس کی عمر سوا دو سال ہے وہ اپنے تایا ابو کی انگلی پکڑ کر یہ کہہ کر چل پڑتا ہے کہ امی جانی کو سلام کرنے جا رہا ہوں، کون ہے جو انہیں بھلا سکا ہے کوئی بھی تو نہیں، وہ ان کی چاروں بیٹیاں، جن کو صبح سویرے وہ بلا ناغہ فون کرتی تھیں آج بھی جب فون کی بیل ہوتی ہو گی بے ساختہ لپکتی ہوں گی، امی جان کا فون ہو گا یہ سوچ بنا کہ وہ جہاں گئیں ہیں وہ ایسا دیس ہے جہاں سے نہ کوئی چٹھی آتی ہے اور نہ کوئی سندیس، جو جاتا ہے لوٹنا بھول جاتا ہے واپس نہیں آتا، ان کی وہ لاڈلی پوتیاں تحریم طاہر، افراح طارق اور حمیرا طارق جن کی صبح ہی اپنی امی جانی کی مسکراتی صورت کو دیکھتے ہوئے ہوتی تھی کہ آنکھ کھلتے ہی وہ ان کے کمرے میں آتیں اور السلام علیکم کہتے ان کے کندھے پر سر رکھ دیتی تھیں اور جواباً وہ مسکرا کر ان کو لپٹا لیتی تھیں، مگر آج وہ پیاری ہستی کہیں نہیں، صبح آج بھی ہوتی ہے لیکن نہ جانے کیوں اس میں تازگی نظر نہیں آتی، سورج آج بھی اپنی اسی آب و تاب سے نکلتا ہے مگر اس کی روشنی ایک روشنی اس شفیق ہستی کے چلے جانے سے ماند نظر آتی ہے۔

"حضرت علیؓ کا ایک قول ہے کہ تم دنیا میں اس طرح رہو کہ جب تک زندہ رہو لوگ تم سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملنے کی آرزو کریں اور جب چلے جاؤ تو تمہارے لئے دعائے مغفرت کریں۔''

آج میں بڑے فخر سے کہتی ہوں کہ بیگم سردار محمود کا شمار ان ہی لوگوں میں تھا کہ زندہ رہیں تو اپنے پرائے سب پر اپنی محبتیں نچھاور کرتی رہیں اور جب چلی گئیں تو کیا چھوٹا کیا بڑا اپنا یا غیر سب کے لبوں پر ان کے اخلاق کی تعریف اور زبان پر ان کے لئے مغفرت کی دعا تھی۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے!
سبزہ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے!

اکتوبر کے شمارے میں ان کی رحلت کی خبر شائع ہوئی تو ہمیں اظہار تعزیت کے لئے لاتعداد قارئین کے فون موصول ہوئے، بے شمار خطوط اور ای میل کے ذریعے اظہار ہمدردی کیا گیا، جس کے لئے ادارہ حنا ان سب چاہنے والوں کا تہہ دل سے شکر گزار ہے جنہوں نے دکھ کی اس گھڑی میں ہمارا غم بٹایا۔

سب لوگوں کے خطوط شائع کرنا تو ہمارے لئے ممکن نہیں لیکن ان میں سے چند مصنفین کے تعزیت نامے ہم یہاں شائع کر رہے ہیں۔

زندگی کا بھروسہ ہی کیا ہے

مبشرہ ناز

زندگی کا سب سے بڑا راز جس پر ہمارے جینے کی خواہش اور اس کے لوازمات کا پردہ پڑا ہے وہ موت ہے، کیونکہ یہ زندگی جس کے لئے لوازات زندگی سجائے جاتے ہیں انہی لوازمات زندگی کو موت ایک جھٹکے سے نگل لیتی ہے، زندگی خدا نے بہت خوبصورت چیز بنائی ہے اور عورت کے لئے یہ حسین ترین اس وقت بن جاتی ہے جب محبت کرنے والا شوہر اور فرماں بردار اولاد اسے نصیب ہو، مگر یہ بھی حقیقت ہے زندگی کتنی ہی حسین کیوں نہ ہو اس فانی زندگی کو موت کی آغوش میں جانا ہی پڑتا ہے۔

زندگی انسان دو طرح سے جیتا ہے، ویسے تو ہر انسان زندگی دوسروں کے لئے جیتا ہے لیکن اگر زندگی عورت کی ہو تو اس کی زندگی دوسروں کے لئے صرف ہوتی ہے اپنی زندگی دوسروں کے نام کرنے کے لئے بھی ہوتی ہیں پہلی کیٹیگری میں صرف شوہر اور اولاد ہوتی ہے جس پہ وہ اپنا تن من دھن سب کچھ وار دیتی ہے صبر محبت ماںتا اور وفا شعاری کے ہاتھوں، دوسری کیٹیگری خاندان و دوست احباب و ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کی ہے جن کے ساتھ اسے ان کے دکھوں، خوشیوں میں سنگی ساتھی بننا پڑتا ہے۔

سترہ ستمبر بیگم سردار محمود کے سفر کا آخری دن تھا جسے انہوں نے اپنی محبت و خدمت گزاری و وفا شعاری کے ساتھ کیے گئے تمام وعدوں کی بجا آوری کر کے ان سے آخری سفر کی اجازت مانگ لی مگر یہی سترہ ستمبر جہاں ایک انسان کو محبت بھرے شریک سفر سے محروم کر گیا وہیں سردار طاہر محمود اور صائمہ محمود جیسی ہستیوں سے محبت کرنے والی ماں اور دعاؤں سے بھرا چھتنار درخت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لے گیا۔

سترہ ستمبر محض سردار محمود کی شریک حیات اور سردار طاہر صاحب کی والدہ کی وفات کا دن نہیں ہے بلکہ یہ ایک عظیم عورت کی وفات ہے جس کی محبت اپنے پرائے سب کے لئے یکساں تھی میں بیگم سردار محمود سے کبھی نہیں ملی مگر قلم سے جڑے رشتے نے ہمیں اس گھرانے سے محبت کی ایسی ڈور سے باندھ دیا ہے جو شاید اب صرف سانسوں کے ساتھ ہی ٹوٹ سکے، دعا ہے کہ اللہ پاک محترمہ کے درجات بلند کرے آمین اور سردار انکل و سردار طاہر محمود صاحب، صائمہ محمود صاحبہ

کے ساتھ ان کے دیگر اہل خانہ کو بھی صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

زندگی کی حقیقت تو ازل سے چھپی ہے موت کی آغوش میں
اے خدا اس کی آگاہی کے صلہ میں صبر ایوب بھی عطا کر

رت ہی بدل گئی ہے

تحسین اختر

موسم بدلنے کو ہے، ماحول کی تپش خنکی میں ڈھلنے لگی ہے، دن چھوٹے اور راتیں بڑی ہونے لگی ہیں، ایسے میں اگر کوئی اپنا اچانک بچھڑ جائے، بیٹھے بیٹھے یوں کھو جائے جیسے ہاتھ سے کوئی قیمتی چیز نکل گئی ہو تو کچھ دکھائی نہیں دیتا، اس زیاں پر لگتا ہے موسم ہی نہیں بدلا زندگی ہی بدل گئی ہے، پچھلے ماہ کے شمارے میں آپی فوزیہ کے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ نے دکھی کر دیا، محترم جناب سردار محمود صاحب کی اہلیہ کی وفات کی خبر پڑھی تو دل انجانے دکھ سے بھر گیا، سوچا تعزیت کن الفاظ میں کی جائے، دنیا میں بے شمار زبانیں ہیں، لاتعداد الفاظ ہیں مگر ایسے ہر موقع پر سب الفاظ، سب زبانیں ساتھ چھوڑ جاتے ہیں، جو بھی الفاظ ادا کیے جائیں یا لکھے جائیں وہ غم کو ماپنے کے لئے کم پڑ جاتے ہیں، وہ الفاظ کبھی بھی اس دکھ کا اظہار اور اندازہ نہیں کر سکتے جو کسی پیارے سے بچھڑنے کا ہوتا ہے۔

میں نے صرف چودہ سال کی عمر میں اپنے باپ کے بچھڑنے کا غم سہا تھا اور یہ غم اتنا بڑا تھا کہ آج تک اس کی شدت کم نہیں ہوئی، بہت سے لوگ ہمارے ساتھ روئے تھے، ہمارے دکھ میں شریک تھے، ہمیں غم کے ان دنوں میں ساتھ لے کر چلے تھے مگر اس سب کے باوجود ہمیں لگتا تھا کہ جو نقصان ہو گیا وہ کوئی بھی پورا نہیں کر سکتا اور حقیقت بھی یہی ہے، آج سردار محمود صاحب سے دکھ کا اظہار کرتے وقت مجھے اپنا وقت یاد آنے لگا ہے، کیا میں ان کا غم الفاظ میں بانٹ سکوں گی، ان کی ہم سفر بچھڑ گئی بچوں کی ماں جدا ہو گئی، محبت و الفت کا اک باب زندگی سے ختم ہو گیا، نرم مزاجی اور حلیمی اس گھر سے رخصت ہو گئی در و دیوار کی رونق چلی گئی کیا اس پر میرا قلم کچھ لکھ سکے گا یا نہیں۔

غم یقیناً بہت بڑا ہے مگر موت برحق ہے، جو اس دنیا میں آیا ہے اسے واپس بھی جانا ہے، ہاں جانے والے بلاشبہ پیچھے رہ جانے والوں کا سب کچھ ساتھ لے جاتے ہیں، وہ خالی ہاتھ جاتے ہیں مگر پیچھے کچھ چھوڑ کر بھی نہیں جاتے، پیچھے رہ جاتے ہیں تو آنسو، سسکیاں اور یادیں۔

غم و الم کے ان دنوں میں جب تسلی تسلی نہیں لگتی اور دکھ کسی بھی طرح کم ہونے کو نہیں آتا، میری خدائے بزرگ و برتر سے دعا ہے کہ وہ آپ سب کو صبر و جمیل اور مرحومہ کو اپنی جوار رحمت میں کروٹ کروٹ جگہ نصیب فرمائے (آمین)۔

دنیا کے کام یونہی چلتے رہیں گے، کہیں کچھ تبدیلی نہ آئے گی، مگر یہ کہنے کی بات ہے، جو اپنے ہیں، جو پیارے ہیں جن سے دلی، قلبی، جسمانی و خونی رشتے ہیں ان کے لئے اس کمی کے بعد بہت کچھ تبدیل ہو جائے گا وقت کا مرہم آہستہ آہستہ اس گھاؤ کو مندمل کر دے گا مگر ابھی تو۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

کہنے کو الفاظ نہیں

ساجدہ تاج

اکتوبر کا شمارہ حسب توقع سات تاریخ کو ملا، بہت بے صبری سے رسالہ کھولا تو ''کچھ باتیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہماریاں'' میں جناب سردار محمود کی اہلیہ کی وفات کی خبر سن کر بے حد افسوس ہوا، اگرچہ کہ یہ صدمہ ان کے لئے بہت بڑا ہے اور میرے پاس اظہار افسوس کے لئے جو الفاظ ہیں وہ اس صدمے اور اس دکھ کے سامنے بہت کم اور بہت چھوٹے ہیں، ان کی زندگی کی ساتھی ان کی رفیقہ حیات اس دنیا سے چل بسیں جنہوں نے نجانے قدم قدم پر ان کا کتنا ساتھ دیا ہوگا، وہ مہربان اور بے دریغ محبتیں، بے لوث چاہتیں لٹانے والی ہستی اب اس دنیا میں نہیں رہی یہ سوچ ہی ان کے اہل و عیال اور عزیز واقارب کے لئے دکھ اور تکلیف کا باعث ہوگی میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جناب سردار محمود صاحب اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور روز قیامت ان کی اہلیہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے (آمین)۔

وہ خواب تھا

فوزیہ غزل

وہ خواب تھا بکھر گیا خیال تھا ملا نہیں
دل کو میرے کیا ہوا یہ کیوں بجھا پتا نہیں
تمام دن اداس دن تمام شب اداسیاں
بچھڑا کسی سے کیا محسن کہ جیسے کچھ بچا نہیں

زندگی میں بہت سے لمحے ایسے آتے ہیں جب دل کا بوجھ ایک دم سے بڑھ جاتا ہے وہ شاید بیس ستمبر کا دن تھا جب فوزیہ شفیق سے بات ہوئی سلام و دعا کے بعد حسب معمول میں نے سردار محمود صاحب کی خیریت دریافت کی تو فوزیہ نے بہت بوجھل لہجے میں بھابھی صاحبہ کے انتقال کی خبر دی اور میں کچھ دیر کو تو بالکل ساکت چپ رہ گئی، فوزیہ نم لہجے میں مرحومہ کی خوبیاں، ان کی باتیں اور بہت کچھ بتا رہی تھیں اور میں، مجھے سمجھ نہ آ رہی تھی میں کن الفاظ میں انہیں تسلی دوں، حوصلہ دوں کیسے تعزیتی الفاظ ادا کروں مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرا اپنا بہت اچھا لگنے والا مجھ سے بچھڑ گیا ہو، وہی دکھ جو کسی بیٹی کو ہو سکتا ہے، مجھے بھی تھا ویسے بھی حنا کے سارے ادارے کے اراکین، رائٹرز، قارئین سے ایک خاص انسیت ہے ہر ایک کی خوشی کامیابی اپنی لگتی ہے تو ہر ایک کا دکھ بھی آنکھیں بھر دیتا ہے، میری بھی نگاہیں نمکین پانیوں سے پر تھیں اور فوزیہ کہہ رہی تھی۔

میرے لئے وہ ایک شفیق ماں، بہترین رہنما اور اچھے دوست کی طرح تھی، مجھے بہت سے رشتے ملے تھے ایک ان کی ذات سے اور اب یوں ان کا اچانک چلے جانا، بالکل بھی برداشت نہیں ہو رہا، ان کا نرم انداز گفتگو، اچھے خیالات اور بلاتفریق سب سے اچھا سبھاؤ برتنا، یہ سب فوزیہ کی زبانی جانتے ہوئے مجھے تاسف ہو رہا تھا کہ کاش ایسی ہمہ صفت شخصیت سے میں ملی ہوتی، وہ گھر جو ان کی پرنور شخصیت سے چمکتا تھا جس کے در و دیوار نے مکینوں سے ان کی بے دریغ محبتیں بے لوث چاہتیں دیکھی ہوں گی، وہ گھر اب کیسا سنسان ہوگا وہاں کے مکین کتنے اداس ہوں گے۔

سردار صاحب کے لئے اتنی بہترین شریک سفر، بچوں کے لئے مہربان ماں اور بہوؤں کے لئے شفیق ساس کتنے انداز تھے جو انہیں میسر تھے اور اب یہ سب نہ ہوگا تو یہ سب لوگ کتنے افسردہ ہیں۔

الفاظ نہ تو دکھ کا مداوا کر سکتے ہیں نہ تسلی غم کم کر سکتی ہے مگر یہ احساس کہ کوئی ہے جو ہمارے غم کو غم سمجھتا ہے ہماری خوشیوں کے لئے دعا گو ہے یقیناً جینے کا حوصلہ بڑھتا جاتا ہے۔

سردار صاحب ان کی فیملی حنا کے سارے سٹاف سے یہی کہنا ہے کہ دکھ کی اس کیفیت میں

ہم آپ کے ساتھ ہیں اور دعا ہے کہ اللہ آپ کو صبر و حوصلہ دے ہر آزمائش سے بچائے (آمین)۔

سنسان دل کی بستی

نبیلہ ابر راجہ

امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے، پچھلے دنوں حد سے زیادہ مصروفیت رہی، میں نے آج حنا دیکھا تو سردار محمود صاحب کی اہلیہ کی وفات کا پتہ چلا، پھر فوزیہ آپ کا لکھا ہوا مضمون پڑھا، جس میں آپ نے مرحومہ کے ساتھ اپنے دلی لگاؤ کا اظہار کیا۔

سردار محمود صاحب ان کے اہل خانہ اور دیگر احباب کے ساتھ میں بھی آپ کے دکھ درد میں برابر کی شریک ہوں اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند فرمائے اور سب اہل خانہ کو صبر و جمیل عطا کرے (آمین)۔

مجھے پتہ ہے اپنے پیاروں کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنا کافی مشکل ہوتا ہے اور جانے والے کبھی لوٹ کر نہیں آتے۔

دل کی بستیاں سنسان کی سنسان ہی رہتی ہیں، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سردار صاحب اور تمام اہل خانہ کو صبر دے (آمین)۔

تجھ کو کس پھول کا کفن، ہم دیں؟

اُم مریم

وہ سترہ ستمبر کی صبح تھی جب میں نے آپی کو ایک ٹیکسٹ بھیجا تھا، اس میں، میں نے کیا سوال کیا اب مجھے یہ بالکل یاد نہیں لیکن آپی کا جواب مجھے یاد رہ گیا، انہوں نے لکھا تھا۔

''مریم میں سر کے گھر جا رہی ہوں، ان کی وائف کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔''

بیشک ہم اللہ کے لئے ہیں اور بیشک اسی کی طرف لوٹائے جانے والے ہیں۔

مجھے یہ سن کر بے حد شاک لگا تھا، اگلے دن میں نے پھر آپی کو ایک میسج کیا تھا، میں نے ان سے پوچھا تھا آپی جی آنٹی (سردار انکل کی مسز) کو کیا ہوا تھا، کیا وہ بیمار تھیں؟

جواب میں انہوں نے کہا نہیں کچھ بھی نہیں ہوا بس ایکدم وہ چلی گئیں، اس کے بعد ہماری اس موضوع پر بات نہیں ہوئی، دن گزرے اور جب مدیحہ سے میری فون پر بات ہوئی تو میں نے یہ خبر انہیں بھی سنائی تھی، اس نے بھی اظہار افسوس کیا تھا، بلکہ چند دن بعد جب میری دوبارہ ان سے بات ہوئی تو اس نے مجھے بتایا تھا، کہ میں طاہر بھائی سے فون پہ تعزیت کروں گی، میں نے جواب میں کہا ہاں میں بھی کروں گی، مگر سچی بات ہے میں چاہنے کے باوجود ایسا نہیں کر پائی، حوصلہ ہی نہیں تھا، مجھے یہ دنیا کا سب سے دشوار کام لگتا ہے، کسی پیاری ہستی کی جدائی کے موقع پر تسلی دلاسہ دینا، الفاظ جیسے ساتھ چھوڑ جاتے ہیں، یہی وجہ تھی کہ میں حنا کے آفس کال نہیں کر سکی، چھ تاریخ کو جب حنا ہمیں ملا تو آپی کا ان کے بارے میں لکھا گیا عقیدت نامہ پڑھا تو وہ کیفیت پھر سے اپنے اوپر طاری ہوتی محسوس ہوئی جو اس خبر کو سن کر ہوئی تھی۔

مجھے کسی کو خراج تحسین پیش کرنا نہیں آتا مگر میں نے اس عظیم ماں کے لئے چند الفاظ لکھنے کی کوشش کی ہے جس کے قدموں تلے رب تعالیٰ نے جنت کو بچھایا ہے، خدائے ازل سے التجا ہے ان کی آخرت کے سفر کو آسان بنائے انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ وارفع مقام عطا فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے آمین ثم آمین۔

تجھ کو کس پھول کا کفن ہم دیں
تو جدا ایسے موسموں میں ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آئینے جس کو ڈھونڈتے تھے
ایسا بے مثل عکس گر تھا وہ
سارے کانٹے سمیٹ لیتا تھا
ایسا انمول ہم سفر تھا وہ
اپنے دل میں سنبھال کر اس کو
آج ہاتھوں میں کھو رہے ہیں اسے
ہچکیاں بندھ گئی ہیں لفظوں کی
آئینے خانے رو رہے ہیں اسے
اس کو کس روشنی میں دفنائیں
اس کو کس خواب کا بدن ہم دیں
وہ جو خوشبو میں ڈھل گیا یارو
اس کو کس پھول کا کفن ہم دیں

واقعی کچھ لوگ اتنے ہی خاص ہوتے ہیں، میں انہیں جانتی نہیں تھی مگر جو تعارف آپی کے ذریعے ہم تک پہنچا وہ اتنا مکمل تھا کہ ایک مقدس خاکہ آپوں آپ ذہن تراش لیتا ہے، خدا ان کی مغفرت فرمائے آمین۔

اب کہاں وہ مہرباں

مدیحہ تبسم

کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جنہیں ہم نے کبھی دیکھا نہیں، برتا نہیں لیکن ان رشتوں کی محسوس کی جانے والی چھایا ہمیشہ ہمیں ایک خوبصورت احساس سے باندھے رکھتی ہے، کچھ ایسا ہی رشتہ ہے میرا سردار انکل سے، حنا میں لکھتے ہوئے ایک عرصہ ہو گیا، لیکن کبھی ان سے بات کرنے کی ہمت نہیں کی، ”کچھ باتیں ہماریاں“ کے ذریعے ان سے ایک تعلق بندھ گیا تھا گویا ہر مہینے ہی ہم ان سے ہم کلام ہو جاتے ہیں۔

جو رشتے صرف دلوں کے ذریعے خلوص کی نیت پہ قائم کیے گئے ہوں وہ رشتے خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ بہت نازک بھی ہوا کرتے ہیں ان کا غم اپنا غم اور ان کی خوشی اپنی خوشی محسوس ہوتی ہے، گویا ایک ان دیکھی ڈور ہے جس میں ایک دوسرے سے یہ رشتہ پرویا جاتا ہے۔

اس ماہ جب حنا کھولا تو اس کے ابتدائی صفحات پہ ہی یہ اندوہناک خبر پڑھنے کو ملی کہ سردار انکل کی اہلیہ وفات پا گئی ہیں، چند لمحات تک تو یقین ہی نہیں آیا کہ یہ شجر سایہ دار اب ہم میں نہیں رہا، ذہن بھٹک کر بار بار سردار انکل اور ان کے صاحبزادوں کی طرف منتقل ہو رہا تھا کہ خدا جانے انہوں نے اس سانحے میں کیسے صبر کیا ہو گا؟ کرب کی یہ گھڑیاں ان کے لئے کس قدر طویل ہوں گی؟

مجھے تو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی بہت عزیز بہت پیاری اور بہت بابرکت ہستی ہم سے جدا ہو گئی ہو، جو ہستی اتنی پاکیزہ اور اتنی نیک صفات کی حامل تھی یقیناً ان کی ذات کی برکات صرف گھر والوں تک محدود نہیں تھیں، وہ سب کے لئے باعث برکت تھیں۔

فوزیہ آپی سے ایک دفعہ باتوں کے دوران ان کا تذکرہ چھڑ گیا تو آپی نے ان کی بہت تعریفیں کی تھیں، آپی کے لہجے میں ان کے لئے جو عقیدت واحترام تھا اسے سن کر مجھے یوں لگا تھا گویا میرے تصور نے اب سردار انکل کے ساتھ ساتھ ایک خاکہ ان کی اہلیہ کا بھی تشکیل دے لیا ہے اور اب جب باقاعدہ طور پر فوزیہ آپی کے قلم سے ان کی عادات ان کے اخلاق اور ان کی شخصیت کے بارے میں پڑھا تو دل کے ساتھ ساتھ بے ساختہ آنکھیں بھی بھر آئیں کہ اب یہ ہستی ہمارے درمیان نہیں رہی۔

ایک انجانا سا دکھ تھا جس نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ اے کاش اس آخری دن بھی آپی کی ان سے الوداعی ملاقات ہو جاتی۔

لیکن بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں ناں جن سے اگرچہ ہم برس ہا برس نہ ملیں، ان کے خیال کی خوشبو، محبت کی مہک اور پاکیزہ دعاؤں کا حصار ہمیشہ ہمارے گرد تانا بانا باندھے رکھتا ہے کچھ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں جب وہ اس دنیا سے چلے جاتے ہیں تو اگرچہ کہ ان کی کمی کو کوئی بھی پورا نہیں کر سکتا، لیکن پھر بھی ان کی یاد ایک خوبصورت خیال بن کے ہمیشہ ہمارے اردگرد منڈلاتی رہتی ہے اور یہ احساس دل کو تقویت بخشتا ہے کہ یہ ہستی ہمیں عزیز ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے رب کو بھی بہت عزیز تھی، یقیناً وہ اس کے پاس ”عیشۃ راضیۃ“ کے مصداق خوش وخرم ہوں گی۔

کیونکہ یہ تو ہر انسان کا ابدی سفر ہے جو اس نے ہر حال میں طے کرنا ہے، کامیاب انسان وہی ہے جس کا یہ سفر خوش اسلوبی کے ساتھ کٹ جائے اور اس کے اس دار فانی سے چلے جانے کے بعد بھی لوگ ان کی تعریفوں میں رطب للسان ہوں اور مرحومہ یقیناً ان تمام صفات کا پیکر تھیں۔

آخر میں، میں دعا کروں گی کہ اللہ پاک انہیں اپنی خصوصی رحمت سے نوازے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان کے درجات کو بلند کرے اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

وہ گھنی چھاؤں

سہاس گل

اکتوبر کے حنا میں انکل سردار محمود کی اہلیہ کے انتقال کی غمناک خبر پڑھی تو بہت دکھ ہوا۔

حنا سے فوزیہ آپی اور انکل سردار محمود صاحب سے ہمارا دس برس کا تعلق ہے اور یہ تعلق محض قلبی تعلق نہیں رہا، اس تعلق اور رشتے میں خلوص اور اپنائیت ومحبت کا احساس واعتبار بھی شامل ہے اور جن سے اتنا طویل تعلق ہو اور اپنائیت کا احساس ہو ان کے دکھ بھی اپنے سے لگتے ہیں اسی طرح انکل سردار محمود کی اہلیہ کی وفات کا پڑھ کر دلی دکھ ہوا، فوزیہ آپی نے جس طرح بیگم سردار محمود کے ساتھ اپنے تعلق کی بابت لکھا پڑھ کر آنکھیں نم ہو گئیں، بے شک موت برحق ہے اور ہم سب کو جانا ہے، مگر کچھ لوگ جا کر بھی نہیں جاتے، بظاہر قبر میں سو جاتے ہیں لیکن ہمیشہ کے لئے اپنے پیاروں کے دلوں میں گھر کر جاتے ہیں ایسے انسان بہت خوش نصیب ہوتے ہیں، جو دنیا سے چلے جاتے ہیں اور پیچھے رہ جانے والوں کے دلوں میں مقیم ہو جاتے ہیں ایسے ہی خوش نصیب افراد میں بیگم سردار محمود بھی شامل ہیں، ان کی زندگی جن رشتوں، ناطوں سے جڑی تھی وہ آج بھی ان کو اپنے آس پاس محسوس کرتے ہیں ان کے جانے کا کسی کو یقین ہی نہیں آ رہا، جیسا کہ فوزیہ آپی نے بھی کہا ہے، دراصل یہ محبتیں، ہی بیگم سردار محمود کی عمر بھر کی کمائی ہیں اور رشتے تعلق اور ناطے وہ پودے ہیں جنہیں اگر خلوص اور پیار کا پانی ملتا رہے تو وہ تناور درخت بن جاتے ہیں، سایہ دار پیڑ بن جاتے ہیں اور اپنے ہی نہیں پرائے بھی اس پیڑ کی چھاؤں میں آ کر بیٹھنے لگتے ہیں، ہم انکل سردار محمود سے ان کے اہل خانہ سے فوزیہ آپی سے ان کی وفات پر دلی تعزیت کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی قبر کا کونہ کونہ منور فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں اور سردار محمود انکل اور ان کے دیگر اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین)۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ستارہ صبح امید کا

فوزیہ غزل

دسویں قسط کا خلاصہ

سعیہ اپنی بوتیک میں مصروف اور شہریار اس کے کترائے رویہ سے بے حد ڈپریس ہے زندگی کی دوڑ میں پھر سے شامل ہونے کے لئے اور خود کو ہر مشکل کا حل تلاشنے پہ مجبور پاتی اریبہ شدید ذہنی تناؤ میں ہے۔

ماریا کا ذہن گزرے واقعات سے متاثر ہو کر وسوسوں کا شکار ہے، شہریار ہر صورت سعیہ کو شریک سفر رکھنا چاہتا ہے سعیہ کا گریز برقرار ہے۔

شہریار کے التفات اور اپنے تحفظات کو سوچ کر سعیہ مسلسل ڈپریشن کا شکار ہے وہ اس سلسلے میں صبا سے بات کرتی ہے تو وہ اسے کسی انتہائی اقدام سے منع کرتی ہے، ماریا کو لیڈی ایلون پھر سے زندگی کی طرف واپس لانے کی کوشش کرتی ہے، مگر وہ اسی نیم دیوانگی میں گھر کا تمام قیمتی سامان توڑ پھوڑ دیتی ہے۔

اریبہ اپنے گھریلو مصائب سے نپٹنے کو اک فیصلہ کن موڑ پر آ پہنچتی ہے۔

سعیہ، شہریار کو اک ناپسندیدہ فیصلہ قرار دیتے ہوئے اپنی زندگی سے دور ہونے کا عندیہ دیتی ہے جو شہریار کو یکسر شاکڈ کر دیتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

گیارہویں قسط

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیسی دھند تھی اس کی سمندر ہوتی نگاہوں کے سامنے کہ جس کے غبار میں کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا، خود پہ حتیٰ الامکان قابو پانے کی کوشش میں اس کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو رہا تھا اس کی روح جیسے گہرے سکوت میں گھر گئی تھی اس کے دل پہ ابھی بھی سعدیہ خان کے سیسہ پگھلاتے الفاظ کی تپش نے قیامت برپا کر رکھی تھی۔

اسے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب خود سعدیہ نے کہا ہے اور یقین کرنے کے سوا چارہ بھی نہ تھا اگرچہ سعدیہ جیسی موڈی لڑکی سے کچھ بھی بعید نہ تھا مگر الفاظ و رویے کی ایسی درشتی، وہ کس قدر آسانی سے اور کس بری طرح سے اس کے جذبات کو ٹھکرا کے جا چکی تھی۔

اس نے یہ بھی نہ سوچا تھا کہ شہریار کے دل پہ اس کے تلخ الفاظ کیا قیامت ڈھائیں گے، وہ کس عذاب سے گزر رہا تھا یہ اسی کا دل جانتا تھا، بہت سے روپہلے خواب جو آنکھوں میں چمک رہے تھے وہ محبت کی تعبیر پانے سے قبل ٹوٹ گئے تھے، اپنی طرف سے محبت کی شدت سے تو وہ واقف تھا مگر اتنا نہ جانتا تھا کہ یہ شدت یکطرفہ ہی ہے، سعدیہ کے گریز کو اس نے ہمیشہ لڑکیوں کی مخصوص مغروریت یا حیا کا نام دیا تھا، لیکن آج وہ بہت کھلے اور صاف الفاظ و انداز میں جتا گئی تھی کہ یہ بے نیازی یا حیا کا خول نہ تھا، بلکہ شدت کی بیزاری تھی جو وہ شہریار کی شخصیت سے محسوس کرتی تھی اور اس بیزاری کو مسلسل اپنے اوپر اوڑھے رکھنے کا اسے کوئی شوق نہ تھا اور محبت تو ایسی چیز ہے جو زبردستی کسی سے کروائی جا سکتی ہے نہ چھینی، یہ تو اپنے آپ دل کی گہرائیوں سے نرم کونپلوں کی مانند پھوٹ پڑنے والا جذبہ ہے، محبت خواب بن کر جب آنکھوں سے ناتا جوڑتی ہے تو اگلا بندہ خود بخود اس کی شدت و خوبصورتی سے متاثر ہو کر اپنا آپ دوسروں کو سونپ دینے پہ راضی بہ رضا ہو جاتا ہے، جبکہ یہاں تو سرے سے ایسا کوئی سلسلہ ہی نہ تھا، جو تعلق اور ربط ان کے درمیان میں تھا وہاں دکھ سکھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی انسان اس تعلق کی خوبصورتی و نزاکت اور احساسات تلے کھویا سب خود بخود سمجھ جاتا ہے، مگر سعدیہ علی خان جب تعلقات و رشتہ ریفوز کر چکی تھی تو سمجھ کا ریزن آپ ہی آپ ختم ہو گیا تھا۔

اور یہ معمولی بات نہ تھی جو شہریار پریشان نہ ہوتا اس کی تو پوری زندگی کا مسئلہ تھا اس کو سعدیہ علی خان جتنی پیاری اور عزیز تھی، یہ وہ جانتا یا محبت میں سانسیں گنتا بے چین دل کا مالک، کبھی سعدیہ کے وجود و محبت سے ہٹ کر اس نے کسی لڑکی کے لئے سوچا تک نہ تھا وہ ہمیشہ اسی کے ساتھ جینے اور خوبصورتی سے زندگی کو بسر کرنے کے ڈھنگ سوچتا تھا، اسے اپنے محسوسات میں وہی کیفیت اچھی لگتی تھی، جو سعدیہ کو دیکھتے، سوچتے ہوئے اس کی دھڑکنوں میں ابھرتی تھی اور اس کیفیت میں پورے دل سے جیتے ہوئے اس کے وہم و گمان تک بھی نہ تھا کہ کہیں چاہت سے سرشار لمحوں میں انکار، نفرت اور بیزاری کا فریزنگ پوائنٹ بھی آ جائے گا، اب جو انکشاف اس کی خوش فہمی میں جیتی ذات پہ منکشف ہوا تھا تو پورا وجود ایکدم سے زلزلوں میں گھر گیا تھا۔

''اور سعدیہ کو اس رویے کی وجہ......؟'' بہت سوچنے پر بھی سمجھ نہ آ رہی تھی یہ تو وہ جانتا تھا کہ اس کی زندگی میں کوئی اور شخص موجود نہیں ہے اور واقعی وہ کہیں اور انوالو نہ تھی تو اس قدر کرختگی کیوں، اتنا صاف انکار کیوں؟

''کیا وہ اپنے اور شہریار کے مابین قائم تعلق، موجودہ رشتے کی نوعیت سے باخبر نہ تھی، پھر اتنا

بڑا فیصلہ یونہی تو نہیں ہو گیا اور اس کا اصل سبب کیا ہو سکتا تھا، شہریار کو یہی کھوجنا تھا اس معاملے میں سب سے زیادہ قابل بھروسہ سعدیہ کی واحد دوست صبا ہی ہو سکتی تھی جس سے وہ بڑے آرام سے ہر بات کر سکتا تھا اور صبا معاملے کی تہہ تک پہنچنے میں اس کی مدد بھی کر سکتی تھی، ورنہ اس بوجھ کو خود پہ لادے پھرنے سے اسے اپنا آپ پاگل ہوتا محسوس ہوتا تھا، اپنے جذبات و احساسات کو یکسر رد ہوتے دیکھ کر اس نے اپنے آپ کو پوری طرح نفی ہوتے محسوس کیا تھا، اس کے وجیہہ چہرے پر دکھ کا گہرا احساس جیسے ثبت ہو گیا تھا۔''

دولت، شاندار لگژری لائف اسٹائل، ایک متاثر کن شخصیت اور بہت ہائی کوالیفیکیشن سب کچھ تو تھا اس کے پاس، وہ سب جس کی کوئی بھی لڑکی خواہش کرتی ہے۔

''اور کیا الگ چاہیے تھا سعدیہ تمہیں، جو تم نے اس شاندار لائف سٹائل رکھنے والے مکمل شخص میں نہ دیکھا کیا کمی ہے جو تم متاثر نہ ہو پائیں اور تم نے دل کے آئینوں میں خود کو سنورنے دیا نہ بکھرنے، آنکھ کی بستی میں ہلکورے لیتے خوابوں کی تعبیر کا نیا موسم جو آیا ہی چاہتا تھا، اسے اترنے یہ نہ دیا اور طلب کے سوکھے پتوں پہ سانس لیتے خواب توڑ دیے تم تو بہت حساس تھیں کسی غیر کی تکلیف پہ بھی تڑپ اٹھنے والی پھر میرے لئے یہ سرد مہری کیوں ابھری، تمہیں فیصلہ سناتے ہوئے مجھ پہ ترس کیوں نہ آیا، تم میری تکلیف کے احساس سے کیوں نہ تڑپ پائیں؟ کیوں، سعدیہ آخر کیوں، یہ سب تم نے میرے ساتھ ہی کیوں کیا میں جو تمہیں اپنا سب کچھ مان بیٹھا تھا تم نے میرا مان توڑنے، مجھے کرچی کرچی کرنے میں لمحہ ہی لگایا کیوں؟''

بہت سے ان گنت سوالات اس کے سامنے سر اٹھائے کھڑے تھے اور وہ تفکرات کی چکی میں پستا یوں متاسف کھڑا تھا جیسے اپنا کل اثاثہ ہار چکا ہو۔

نہ جانے کیسے ہیں شب و روز
نہ جانے کیسے ہیں نقیب شہر
نہ جانے ہنستا بستا سا دل
ہو گیا کیوں پل میں آسیب درد کا در
نہ بھاتی ہیں کتابیں نہ سنتے ہیں گانے
نہ دوستوں سے ہوتی ہے گپ شپ
نہ اپنوں سے ملن کا موقع ملتا ہے
اب تو موسم ہی ہے ایسا
کہ جتنا چھپاؤ زخم کو، یہ اتنا ہی کھلتا ہے
حسین چاندنی راتیں بھی آرزو کوئی
جگاتی نہیں من میں
عجب بے کار سا دور ہے ہم پہ
پڑے ہیں عجب سی الجھن میں
پرندے چہکتے ہوئے گزرتے ہیں
نہ کوئل کوکتی ہے آنگن میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب وہ بھی نہیں جو کہ
بے نام سی آس کا دیا تھا پہلے
پہنے ہوئے کنگن دکھ کا
کھڑے رہتے ہیں درپن میں
اندر ہی اندر دکھ سہتے ہیں
کوئی پوچھے تو چپ رہتے ہیں
گلوں میں ہوں کہ گلزاروں میں
حسین وادی سے گزریں
یار ہیں مرغزاروں میں
کوئی داستاں چھیڑ نے فریب حسن یاراں کی
کوئی کرے باتیں جشن بہاراں کی
بھلا کے تجھ کو روش پہ شبنم کی ٹہلنا نہیں آتا
اب کسی بھی طرح سے دل کو بہلنا نہیں آتا

☆☆☆

لاؤنج میں ہوئی توڑ پھوڑ نے جیسے لیڈن ایلیون کے دماغ میں خطرے کا سائرن بجا دیا، ٹوٹی کھڑکیاں، اکھڑے پردے قیمتی کاسمیٹکس، امپورٹڈ شوپیس، شیشے کے کیبنٹ سے جھانکتا رہنے والا جدید ماڈل کا خوبصورت ٹی وی سیٹ سب چورا ہوا پڑا تھا، وہ اندر جاتے جیسے ٹھٹھک کر مڑی تھی اسے ماریا کے انتہائی اسٹریس زدہ موڈ کا اندازہ ہو چکا تھا اس نے ہینڈل سے ہاتھ ہٹا کر لاک پھر سے لگایا اور بڑے پریشان کن انداز میں اپنی پیشانی کو مسلا تھا۔

''انسان جب کسی بھی چیز سے مایوس ہو جاتا ہے تو یہ غیر توجہی اسے آہستہ آہستہ ذہنی طور پر بیمار کرنے لگتی ہے بہت سے معاشرتی مسائل اور اپنوں کی بے حسی سے مایوس ہوتے ہوتے وہ زندگی کو ناکام تصور کرتا ہے تنہائی، بے چارگی اور رشتے چھوٹنے کا احساس اسے بہت جلد گہرے ڈپریشن کی گہرائیوں میں چھوڑ دیتا ہے خراب صحت، خراب صورتحال اس کیفیت کو اور بھی نقصان دہ بنا دیتی ہے جب فرد اپنی زندگی سے صرف اور صرف کامیابیاں اور خوشیاں کشید کرنا چاہتا ہے اور مقاصد کے حصول میں مسلسل ناکامی کا سامنا اور مزید ناکامی کا خوف اس کی زندگی کو ابنارمل کرنا شروع کر دیتا ہے جس کے بعد ایک غیر مطمئن اضطرابی کیفیت فرد کا گھیراؤ کر لیتی ہے اور مایوسی کا یہ ڈپریشن ایک آکٹوپس کی طرح جسم و دماغ پر قبضہ کر کے زندگی اور خودکشی کے درمیان ایک لکیر کھینچ دیتا ہے، ڈپریشن کے شدید ترین لمحات میں ایسا فرد اپنی یا کسی کی جان لینے پہ تیار ہو جاتا ہے۔''

لیڈی ایلیون کی سماعتوں میں کچھ دیر پہلے سائیکاٹرسٹ سے ماریا کی طبیعت پر ہونے والے ردعمل کے متعلق الفاظ و گفتگو کی گونج سی ہوئی تو وہ ایک اضطرابی کیفیت میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

ماریا کا موجودہ ردعمل خطرناک تھا اور عین ممکن تھا دروازہ کھلنے پر وہ اپنی یا لیڈی ایلیون کی جان کے درپے ہو جاتی کچھ بھی تھا مگر لیڈی ایلیون کو دروازہ کھولنا تھا کیونکہ ماریا کا شدید ڈپریشن اور اسٹریس کی انتہائی حالت میں دیر تک کمرے میں بند رہنا بھی درست نہ تھا اور اسے باہر نکالنا

بھی اک رسکی عمل۔

چند لمحے گومگو کی حالت میں رہنے کے بعد لیڈی ایلیون نے بہت آہستگی سے دروازہ کھولا تھا اور کمرے میں جھانک کر دیکھا تو ماریا اوندھے منہ بستر پر پڑی ہوئی تھی، اس کے گولڈن تراشیدہ بال کندھوں پہ بکھرے تھے، لیڈی ایلیون نے نرمی سے ایک ہاتھ سے اس کے سونے جیسے بال چہرے سے اٹھا کر پرے کیئے اور دوسرے ہاتھ سے اسے سیدھا کیا تو گلے بازوؤں، ٹانگوں پہ جگہ جگہ کٹ لگے ہونے کے باعث خون رس رہا تھا اور وہ نیم بے ہوشی میں بے سدھ پڑی تھی۔

''یہ لڑکی کیا کبھی نارمل زندگی جی سکے گی یا اسی طرح کی حرکتوں سے خود کو اور مجھے تکلیف دیتی رہے گی۔'' لیڈی ایلیون نے انتہائی پریشانی، کوفت اور بیزاری سے اپنے سامنے لیٹی زخمی لڑکی کو دیکھا تھا، جسے ڈاکٹرز میڈیکل ٹریٹمنٹ دے رہے تھے، بہت احتیاط اور شدید کوشش کے بعد اس کے زخم بینڈیج کیئے گئے، ڈرپس لگی ہوئی تھیں اس کی نبض اور بی پی سرکولیشن بھی بار بار چیک کی جا رہی تھی۔

''کٹ بہت گہرے اور خون بہت سا ضائع ہونے کی وجہ سے یہ بمشکل بچ پائی ہیں اگر انہیں ہاسپٹل لانے میں ذرا بھی تاخیر ہو جاتی یا ان کے گروپ کا بلڈ نہ ملتا تو انہیں بچانا ممکن نہ تھا، بائے دا وے ایسا مسئلہ کیا ہے کہ یہ بار بار سوسائیڈ (خودکشی) کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔'' ڈاکٹرز ختم شدہ ڈرپ کی سرنج نکال کر نئی ڈرپ لگاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا، بہترین سہولیات بہترین طرز زندگی اور بہترین تعلیم کے باوجود یہ کس قسم کے ذہنی خلجان میں مبتلا ہیں۔''

''کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھایا۔'' ڈاکٹر نے پرسوچ انداز میں پوچھا۔

''دکھایا ہے مگر ڈاکٹر صاحب سر پر والدین ہوں اور مذہب کا سرا ہاتھ میں ہو تو کچھ بنے نہ تو یہ کسی مذہب سے منسلک ہے اور والدین بھی لاتعلقی اختیار کر چکے ہیں، میں اکیلی بوڑھی عورت اس کو لے کر کہاں کہاں پھروں اور اس عمر میں کتنا کما سکتی ہوں جو اس کی ایسی حرکتوں پہ لگاتی جاؤں پھر بھی مجھے اسے سنبھالنا پڑتا ہے کیونکہ یہ چند سال کی تھی جب میرے پاس آئی اسے ماں بن کر پالا ہے کیسے مرتے دیکھوں۔'' لیڈی ایلیون کا لہجہ بھرا گیا تھا بولتے ہوئے اس نے ٹشو نکال کر آنکھیں صاف کیں۔

''میں زندگی کے اس حصے میں ہوں جب انسان ہر وقت موت کے دھڑکے کا شکار رہتا ہے اور کسی لمحہ اجل نے مجھے آلیا تو اس لڑکی کا کیا بنے گا یہی سوچ کر میرا دماغ پھٹنے لگتا ہے۔'' لیڈی ایلیون کا لہجہ حقیقی پریشانی کا غماز تھا۔

''اسٹریس اور ڈپریشن دو ایسی چیزیں ہیں جو خواتین خصوصاً طالبات پر بری طرح اثر انداز ہوتی ہیں اور اسٹریس بنیادی طور پر ہماری زندگی اور اطراف کے ماحول میں تبدیلی کا ردعمل ہے اور یہ مختلف حالات، ماحول اور لوگوں کی ذہنی سطح کے مطابق الگ الگ ہے جب ہمارا دماغ کوئی اسٹریس یا ڈپریشن قبول کرتا ہے تو ردعمل کی ایک چین سی بن جاتی ہے نتیجے کے طور پر کئی منفی اثرات سامنے آتے ہیں۔''

''ہو سکتا ہے مستقل ڈپریشن اور اسٹریس نے ان کے اندر غصہ اور نفرت پیدا کر دی ہو جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دبانے سے مزید طاقت ور ہوتی چلی گئی اور نفرت کا زہریلا درخت دشمن کو ختم کرے نہ کرے مگر جس انسان کے اندر اگتا ہے اس کے کردار میں ایک مستقل خامی پیدا کر دیتا ہے ایسا انسان کبھی بھی نارمل انسانوں کی طرح جی نہیں سکتا، وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتا ہے اور یہ بھی نہیں جان پاتا کہ اس کے ساتھ ہو کیا رہا ہے، اس کی منفی سوچ، ذہنی حالت خراب کرتی جاتی ہے تو پھر اٹیک کا عمل بار بار ہونے لگتا ہے اور اعصابی انتشار بھی بڑھتا جاتا ہے اور اس انتشار کا انتہا تک پہنچنا ایک خطرناک بات ہے، مریضہ صرف خود کو نہیں بلکہ کسی بھی دوسرے شخص کو نقصان پہنچا سکتی ہے اور وہ دوسرا شخص آپ، میں یا کوئی بھی ہو سکتا ہے۔'' ڈاکٹر نے بہت باریک بینی سے ماریا کی موجودہ ذہنی و جسمانی حالت پہ تجزیہ پیش کیا۔

''اس صورت حال سے نکلنے کی کوئی راہ بھی تو ہو گی؟'' لیڈی ایلون نے امید افزا انداز میں ڈاکٹر کو دیکھا تھا۔

''یقیناً دنیا میں ہر عمل کا ردعمل اور ہر مرض کا علاج ہے، میں آپ کو ایک بہت زبردست اور کامیاب سائیکاٹرسٹ کا پتا دیتا ہوں جو فینگ شوئی (قدیم طریقہ علم) کے ذریعے حالات اور ماحول کی مناسبت سے مرض و ڈپریشن کو دور کر دیتے ہیں، مگر اس کے لئے آپ کو شنگھائی جانا پڑے گا۔''

''آپ ایڈریس دیں میں پھر اگلا لائحہ عمل طے کرتی ہوں کیونکہ سب سے پہلے تو اس کا ہوش میں آنا اور پھر اس کا صحت ہونا اہم ہے باقی سب بعد میں دیکھا جائے گا۔''

''یقیناً سب سے اہم چیز مریضہ کی ریکوری ہے اور ول پاور کا پازیٹو ہونا بھی۔'' ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور ایک بار پھر ماریا جوزف کی نبض چیک کرنے لگا اسی پل اس کی پلکیں لرزی تھیں بے حد اندھیرے میں ڈوبتے ذہن نے جیسے روشنی کا کوندا لپکا تھا اور اس کی آنکھیں وا ہو گئیں۔

''Hello gud girl are you ok!'' ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے اس کا رخسار تھپکا تھا۔

''Just fine'' مختصر سے دو لفظ کہہ کر اس نے لحظہ بھر سامنے کھڑی لیڈی ایلون کو دیکھا تھا اور پھر سے آنکھیں بند کر لیں۔

''ماریا تم ٹھیک ہو ناں، کیسا محسوس کر رہی ہو۔'' لیڈی ایلون بے تابی سے پوچھتے ہوئے اس پہ جھک گئی۔

''پلیز لیڈی ایلون شی از ویل، آپ زیادہ باتیں نہ کریں، یہ ہوش میں آ چکی ہیں ان کے لئے آرام و سکون بہتر ہے حافظہ و ذہن پہ زیادہ بوجھ انہیں منفی تفکر کا شکار کر سکتا ہے۔'' ڈاکٹر پروفیشنل لہجہ میں بولا۔

''ڈاکٹر صاحب یہ اب خطرے سے باہر ہے ناں۔''

''ہنڈرڈ پرسنٹ البتہ کچھ ٹریٹمنٹ ہے جوان کی سائیکی دیکھتے ہوئے شو ہو گی، فی الحال انہیں آرام کرنے دیں۔'' لیڈی ایلون نے کچھ طمانیت اور کچھ پریشانی کے ملے جلے تاثرات لئے خاموش لیٹی ماریا کو دیکھا پھر سینے پہ صلیب کا نشان بنا کر یسوع مسیح سے دعا کرنے لگی۔

☆☆☆

شائستہ بیگم کچھ دنوں کے لئے دوبئی گئی تھیں وہاں کئی ملکوں کے اشتراک سے ایک صنعتی نمائش ہو رہی تھی اور صبا بھی گھومنے پھرنے کے شوق میں ان کے ساتھ چلی گئی، اصرار تو انہوں نے سنعیہ کے لئے بھی کیا تھا مگر وہ نئے نئے سٹارٹ کردہ بزنس کو چھوڑ کر ہرگز جانا نہیں چاہتی تھی اور اس وقت اسے ان کا چلا جانا غنیمت محسوس ہو رہا تھا، اگر وہ گھر پہ موجود ہوتیں اس کے اور شہریار کے مابین ہونے والی گفتگو کا ایک لفظ بھی کانوں میں پڑ جاتا تو سنعیہ کی خیر نہ تھی رہے پاپا تو ویسے صبح کے گئے شام کو آتے تھے اور شہریار وہ کہاں مصروف تھا کتنا بزی تھا یہ بھی پاپا سے معلوم ہوتا کیونکہ اپنے بزنس کی کچھ نئی برانچز کے لئے وہ بزنس ڈیلنگو کے لئے ہر وقت کہیں گیا ہوتا یا آفس میں رہتا، اس پہ بھی کام کا بوجھ تھا پھر بھی وہ صبا کو بہت مس کر رہی تھی دل کا بوجھ ہلکا کرنے کو یا اپنی جذباتی کیفیت کو دور کرنے کے لئے۔

زندگی کے جس موڑ پہ وہ آ رکی تھی بڑا عجیب سا تھا، شہریار اس کے لئے اچھے جذبات رکھتا ہے یہ وہ عرصہ سے محسوس کرتی آ رہی تھی مگر اس کے باوجود اس نے کبھی ایسا اشارہ نہ دیا تھا کہ وہ غلط فہمی کا شکار ہوتا، ویسے بھی حد درجہ حساسیت کے ساتھ وہ دل میں آئی بات فوراً کہہ دینے کی قائل تھی، چاہے وہ بات کیسی ہوتی اسے پریشان کرتی تو وہ لبوں سے نکالنے میں دیر نہیں لگاتی تھی یہ سوچے بغیر کہ مقابل پہ اس کا کیا اثر ہو گا لیکن شہریار سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنے میں اس نے سوچتے خود سے الجھتے بڑے دن لگا دیئے تھے۔

ہر بات پہ فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے خود کو سب کی نگاہ میں اچھا بے حد اچھا بنا کر پیش کرتا شخص جوان کی نوازشات تلے دبا اس سے رشتہ جوڑتا اور ملمع زدہ چہرے، جھوٹی خوشی، دکھاوے کا سکھ، خود پہ طاری کر کے وہ سب کو اپنی آئیڈیل زندگی کے بہلاوے میں مبتلا رکھتی تو بھلا کیسے؟ جبکہ وہ ظاہر و باطن ایک سا رکھنے والی صاف گو لڑکی تھی اگر وہ خوش نہیں تو خوامخواہ ایکٹنگ کر کے خود کو خوش ظاہر کرنے کی اسے کوئی خواہش نہ تھی، ایک مجبوری اور سمجھوتے کا رشتہ جو اس کی بے بسی سے مل جاتا تو زندگی کتنی اجیرن ہو جاتی اور وہ یہ کیسے ہونے دیتی وہ بھی اپنے ساتھ، وہ تو دوسروں کی خوشیوں، ان کے جذبات و احساسات کی اتنی پرواہ کرتی تھی تو اپنے جذبات و احساسات پر پتھر رکھ کر اپنی ہی خوشیوں کی قربانی کیوں دیتی؟

اور یہ سب سوچ سوچ کر اس کا ذہن بہت الجھا ہوا رہنے لگا تھا، کیونکہ یہ سارا مسئلہ براہ راست اس کی ذات سے تعلق رکھتا تھا اور اس صورتحال سے باہر آنے کو اسے کوئی راستہ نکالنا تھا وہ راستہ کیا تھا، جب شہریار کے سامنے فرضی سہی مگر وہ تو سچ سمجھتا ناں اس کی جھوٹی کہانی محبت کو اور اس جھوٹے آپشن کا سنتا تو اس کے متعلق کیا سوچتا اس کی ذہنی کیفیت کیا ہوتی اسے غرض نہ تھی کیونکہ بے سمت راستے پہ چلتے رہنے کا سوچتے ہوئے اس کی اپنی جان مشکل میں پڑ جاتی، مشکل سے نکلنا تھوڑا دقت طلب ضرور تھا مگر ناممکن نہیں، صبا نے اس سے کہا تھا۔

''اول تو تمہارا ذہن خراب ہے علاوہ اور کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن اگر اس سارے معاملے کو تم مسئلہ سمجھ بھی رہی ہو تب بھی سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا، بہت دیکھ بھال کہ جس سے تمہاری آئندہ زندگی پر کوئی برا اثر نہ پڑے کیونکہ تم میری بہت پیاری دوست ہو اور میں تمہیں کسی غلطی کے سبب ندامتوں میں گھرا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور اس نے سوچ سمجھ کر جو شہریار سے کہا وہ غلط تھا یا نہیں اور صبا کو یہ سب پتا چلتا تو وہ کیا کہتی، شائستہ بیگم جان جاتیں یا عفنان علی خان کو علم ہو جاتا کیا بنتا، مسئلہ جو بھی تھا اپنے تئیں اس نے ختم کرنا نہیں چاہتی تھی۔

وہ جانتی تھی وہ بچی نہیں جسے سب انگلی پکڑ کر غلط اور صحیح بتائیں اور وہ سب کی مانتے مانتے اپنی زندگی دشوار کر لیتی بلاشبہ وہ ایک حساس دل رکھنے والی لڑکی تھی، اپنے سے منسلک تمام رشتوں کے لئے جذباتی مگر جذباتیت کی کتاب میں یہ کہاں لکھا تھا کہ معاشرتی رشتوں کو بچاتے صرف ایک شخص کے لئے اپنی زندگی تباہ کر لیں، زندگی جیسی انمول نعمت یونہی بے وجہ ضائع کرنے کے لئے تو نہیں عطا ہوئی تھی، بلکہ ہنس کر جینے خوشی پانے کے لئے ملی تھی تو وہ اداس کیوں رہے؟

''اچھا ہے موصوف خود کو بڑا ''بیبا بچہ'' بنائے پھرتے ہیں، اب پتا چلے گا کہ اس کھیل میں پاؤں رکھنے والے مخالف کو پلڑا ابھی کتنا بھاری ہے۔'' بہت کمینی سی خوشی محسوس کرتے ہوئے اس نے اپنے پسندیدہ سیاہ رنگ کا جدید انداز میں سلا فراک نکال کے پہنا، سفید نگینوں سے چمکتی سیاہ نازک سے اسٹریپ والی جوتی، کلائی بھر چوڑیاں اور بہت نفیس جیولری سیٹ کھلے سیاہ بالوں کے بیچ اس کا صبیح چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا، کتنی پرسکون اور خوش باش سی وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی ایک ایک قدم سہج سہج کر رکھتی لاؤنج میں شہریار کھڑا تھا اور وہ ہنستی مسکراتی اس کی موجودگی سے لاپرواہ اس کی توجہ سے بے نیاز یوں گزری تھی جیسے جانتی تک نہ ہو اور یہ سچ ہی تھا وہ اجنبی ہی تو تھی شہریار کے لئے، اگر وہ جان پہچان یا اپنائیت کے رشتے سے منسلک ہوتی خود کو اس سے نسبت کا پاس دلاتی تو پھر وہ سب کیسے کہہ دیتی جو اس نے ایکدم سے کہہ دیا تھا۔

شہریار اپنے خوابوں، ارمانوں کی کرچیاں سمیٹتا اپنے ہاتھ لہولہان کرتا محبت کی جنوں خیزی کے اس انجان موڑ پہ ''محبت یوں نہیں اچھی'' کا راگ کیوں الاپ رہا ہوتا۔

وہ لڑکی جسے اس نے اپنی سوچ کے زاویے پہ بھی بڑی احتیاط سے اتارا تھا اس نے محبت بھرے جذبات کو رد کر کے اپنے شرعی تعلق کو نفی کرتے ہوئے اس کے سامنے، اس سے بہتر آپشن کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بھی نہ سوچا تھا کہ اس کے شفاف کردار پہ کیسا حرف آئے گا پھر لڑکیوں کی عزت تو تھرمامیٹر کے پارے کی طرح ہوتی ہے جس طرح تھرمامیٹر ٹوٹ جانے پر اس کا پارہ ہاتھ نہیں آتا اسی طرح عزت کے نازک آبگینے کو ٹھیس لگ جائے تو اس کی کرچیاں سمیٹی نہیں جا سکتیں۔

مگر یہ سب تو تب ہوتا ناں، جب حرف ولب کی توقیر کا پاس ہوتا کتنا حساس اور ہمدرد دل رکھنے والی ظاہر کرتی تھی وہ اپنے آپ کو اور اس کے احساس و دل کے ساتھ کیسے داؤ کھیل گئی۔

شہریار کو وہ توہین آمیز لمحات یاد آئے تو آنکھیں اہانت کے شدید احساس سے جل اٹھیں بہت سے خواب اور خواہشیں اس الاؤ میں سلگنے لگی تھیں۔

تمہارے آخری خطوں کی
سطروں میں
عجب کچھ اسرار پنہاں تھے
کچھ خواب جو تم نے

آدھے آدھے بانٹ کر
میری آنکھوں میں رکھ دیئے تھے
وہ خواب ابھی تک جاگ رہے ہیں
گلاب کی جس ٹہنی پہ تم نے
اپنے پیار کا ہاتھ دھرا تھا
وہ لمس ابھی تک تازہ ہے
تیرے احساس کو خوشبو کی طرح
بارش کی بوچھاڑ میں
بھیگتی اس لڑکی کا چہرہ
اب تک وہ دیکھ رہا ہوں
آدھے سوکھے، آدھے گیلے خوابوں والی
اس لڑکی کو
بے خود سا، چپ چاپ سا تکتا
کہیں اپنے اندر ڈھونڈ رہا ہوں

☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھی تھی ہاتھوں میں گرم مٹر پلاؤ کی پلیٹ تھی جس سے تھوڑا تھوڑا کھاتے ہوئے وہ زندگی کے متعلق سوچ رہی تھی، زندگی کے اس مشکل روپ کے متعلق سوچ رہی تھی جس پہ وقت کے بے رحم تھپیڑے نے ایکدم سے لا کھڑا کیا تھا اور زیست یوں مشکلوں میں گھری تھی کہ گزرا زمانہ، خواب خواہشات سب اک موہوم خیال محسوس ہو رہا تھا۔

کتنی آسان زندگی، بسر ہو رہی تھی جس میں سکھ، آرام، بے فکری کے ساتھ کسی کی نرم لو دیتی نگاہوں کا احساس چاہ بھی تھا توجہ و محبت کا مان بھی اور کچھ دن گزرتے تو یہ ادھ کھلا پھول پوری توجہ سے دمکتا کہ ابو اور معاذ کی موت نے سب کچھ ملیا میٹ کر دیا، خوابوں، تمناؤں کے خوف شکستگی کے ساتھ گھر کا بوجھ بھی اس کے ناتواں کندھوں پر آ گیا، سب سے بڑھ کر امی کی نیم خستہ حالت اور ان کا خیال آئے ہی اریبہ کے اندر درد کی ٹیس سی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا تھا اللہ میاں جو آپ امی کو تندرستی دے دیتے کم از کم اتنی اذیت تو محسوس نہ ہوتی جتنی اب ہو رہی ہے۔'' آنسو اریبہ کے رخساروں پر بہنے لگے تھے اس نے ان نمکین آنسوؤں کا ذائقہ اپنے حلق میں اترتا محسوس کیا تھا۔

''یہ کیا اریبا آپا، آپ ابھی انہی چاولوں کو لئے بیٹھی ہیں، ارے رو رہی ہیں پلیز آپا زندگی کا جو رخ سامنے آیا ہے اس سے سمجھوتہ کر لیں۔'' ربیعہ جو بولتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھی اب اس کے سامنے پریشان نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''سمجھوتہ مگر کیسے ربیعہ، کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ زندگی جمع تفریق کے لاتعداد سوالوں کے درمیان لا کھڑا کرے گی یہاں زندگی، احساسات، خواہشات سمیت سب جذبے تقسیم ہوں گے ضرب نہیں اور حاصل تقسیم کچھ نہ آئے گا۔'' اس کی آواز میں گہرے درد کا رچاؤ تھا جسے اندر آتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہاج حسن نے بھی شدت سے محسوس کیا۔

"اریبہ تم صرف نگیٹو ہی کیوں لیتی ہو ہر بات کو، یوں تو زندگی اور بھی مشکل لگے گی، کھلے دل و دماغ سے سوچو تو سب آسان لگے گا۔"

"آسان، ہاں تم یہ کہہ سکتے ہو کیونکہ تم درد کے اس کوہ گراں میں نہیں کھڑے یہاں ہم ہیں۔" وہ طنزاً بولی۔

"اریبہ، تمہارا درد تو پورے احساس سمیت محسوس کر سکتا ہوں، درد بٹا سکتا ہوں۔" وہ کچھ دکھ سے بولا۔

"نہیں وہاج اپنا دکھ صرف اپنا ہوتا ہے، یہ جان لیا، جب سے جان لیا تب سے ایسے دعوے زبانی کلامی لگنے لگے ہیں۔" وہ بنا تاثر بولی۔

"کسی کو آزمائے بنا ایسی بات نہیں کرتے۔"

"اور جو پتا ہو اگلا کسی آزمائش میں پورا نہ اترے گا تو۔" وہ بہت کھوجتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"ضروری نہیں کہ تم ہر کسی کو صرف اپنے معیار کی کسوٹی پر پرکھو۔" وہ خفا ہوا۔

"اچھی بات ہے چلو اگلے بندے کے معیار پر پرکھ لیں گے ذرا وقت آنے دو، فی الحال تم یہ بتاؤ صبح مجھے یونیورسٹی چھوڑ دو گے۔" وہ یکدم موضوع گفتگو پلٹتی ہوئی بولی۔

"ابھی ٹھیک سے تندرست بھی نہیں ہوئیں اور یونیورسٹی۔" وہ الجھا۔

"وہاج یہاں میں ہوں وہاں مجھے تندرستی سے نہیں زندگی سے غرض ہے زندگی کے معاملات جو میری توجہ چاہتے ہیں۔"

"کیسی توجہ؟" وہاج نے بہ غور اسے دیکھا تھا۔

"میرا خیال ہے میں کچھ وقت کے لئے تعلیمی سلسلہ موخر کر دوں اور کہیں جاب دیکھ لوں تا کہ گھر کا نظام کچھ ایڈجسٹ ہو سکے۔" وہ کچھ پر سوچ انداز میں بولی۔

"جاب مگر کیوں؟ تم جاب نہیں کرو گی اریبہ۔"

"اچھا اور شہباز، ربیعہ، جویریہ کی پڑھائی کا خرچہ میرے یونیورسٹی کے اخراجات گھریلو بجٹ اتنا کچھ کیسے ہوگا۔"

"میں ہوں ناں سب کروں گا مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ میری ہونے والی عزت کچھ روپوں کی خاطر سڑکوں دفاتر پہ پھرتی طرح طرح کی اچھی بری نظروں کے حصار سہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"اتنا حساس ہے اس عزت کا تو مجھے اپنا لو۔" وہ یکدم بولی۔

"اریبہ میں تمہیں ہی اپناؤں گا مگر کچھ وقت آسان ہونے دو ابھی تم جانتی ہو انزلہ کی شادی ہوئی ہے ہما ثمن آمنہ بیٹھی ہیں جوان بہنوں کو چھوڑ کر صرف اپنا سوچتا میں کیا اچھا لگوں گا؟" وہ ناصحانہ انداز میں بولا۔

"تمہارا وقت کبھی آسان نہیں ہوگا وہاج کیونکہ تم اسے آسان کرنا ہی نہیں چاہتے، جب تک تمہارے سر پہ یہ ذمہ داریوں کے پہاڑ تنے ہیں تمہیں میرا وجود کہیں نظر ہی نہیں آئے گا اور تم بوڑھے ہو جاؤ گے بہنیں بیاہتے بیاہتے۔" وہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔

"بوڑھا ہو گیا تب بھی شادی تو تم سے ہی کروں گا۔" وہ اس کا غصہ کم کرنے کو نیم مزاحیہ انداز میں بولا۔

"اور تم کیا سمجھتے ہو کہ ذمہ داریوں کے بوجھ تلے تھکے دبے ادھ کھچڑی زدہ بالوں والے شخص کا میں سالوں انتظار کروں گی۔" وہ تیکھے لہجہ میں بولی۔

"محبت تو بڑی بڑی مشکلات سہتی ہے تم ذرا سا انتظار نہیں کر سکتیں۔" وہ اب بھی اس کے لہجے کی تلخی کو نیم مسکراہٹ زدہ لہجے میں لے گیا۔

"وہ پاگل پن ہوتا ہے وہاج محبت نہیں اور میں یہاں کھڑی ہوں وہاں مجھے زندگی کی حقیقتیں دکھائی دے رہی ہیں جو ہوشمندی چاہتی ہیں مجھے خواب نہ دکھاؤ تعبیر دو، وہ تعبیر جس کی خواہشیں تم نے میرے اندر اتاری تھیں، مجھے اس وقت تمہارے الفاظ نہیں عمل کا ساتھ چاہیے ورنہ تم مجھے کھو دو گے۔" اریبہ کا لہجہ و الفاظ دوٹوک تھے وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا کیونکہ اس کے وہم و گمان میں بھی اریبہ کا یہ انداز و رویہ نہ آئے تھے۔

"کیسا عمل چاہیے تمہیں؟" وہ کتنی دیر بعد خود کو سنبھالتا بولا۔

"دیکھو وہاج بات بالکل سیدھی اور سچی یہ ہے کہ مجھے فوری طور پر دو راستے نظر آ رہے ہیں ایک تو یہ کہ تم مجھ سے شادی کر لو اور میرے ساتھ مل کر میرے گھر کو سپورٹ کرو کیونکہ ایک مضبوط سہارا اور آمدنی کا اک مستقل ذریعہ میری اشد ضرورت ہے، دوسری صورت میں مجھے خود اپنے لئے راستہ تلاشنا ہے ہر بھروسہ ہر تعلق چھوڑ کر نئے موڑ سے زندگی شروع کرنی ہے اور اس دوسری راہ میں صرف میری ترجیحات ہوں گی تم کہیں نہیں ہو گے اگر چاہو تو فرسٹ آپشن قبول کر لو وگرنہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔" وہ بہت مادہ پرست انداز میں بولی تھی۔

"اریبہ تم سب جانتے بوجھتے میرے حالات و زندگی سے واقف ہوتے مجھے ایک مشکل راہ سمجھا رہی ہو۔" وہ کچھ دکھ اور غصے سے بولا۔

"میں کچھ نہیں جانتی سوائے، اس کے کہ مجھے اپنی پاگل ماں کا علاج کروانا ہے، بہنوں بھائی کو اچھی تعلیم دلوانی ہے۔"

"اور میری بہنیں، میری ماں ان کا کیا سوچا تم نے جن کا واحد سہارا میں ہوں، مجھے بھی ان بہنوں کو بیاہنا ہے، مگر ساتھ ساتھ تمہارا بوجھ بھی اٹھاؤں گا ہمدردانہ طور پر، اخلاقی اصولوں کے تحت، ہاں شادی کے لئے مجھے کچھ وقت چاہیے کم از کم ہما اور ثمن کے فرض سے سبکدوش ہو کر ہی اپنے لئے سوچنا ہے مجھے۔" وہ اپنی مجبوری بتاتا گیا۔

"اور میرے لئے، میرے لئے کون سوچے گا۔" وہ کتنے تلخ انداز میں بولی تھی۔

"میں...... میں ہوں اریبہ تمہارے لئے سوچنے والا۔" وہ بہت خلوص و جذب سے بولا تھا۔

"نہیں وہاج تم اپنی مجبوریوں تلے دبے صرف اپنی بہنوں کا سوچ سکتے ہو، اریبہ اشفاق کا نہیں جسے گھر سے نکلتے سمے کسی مضبوط نام کا حوالہ چاہیے، جسے اپنا سرکٹ چلانے کو اک ذریعہ آمدنی چاہیے، ہمدردی اور اخلاقی امداد کے ٹوکرے تم سنبھال رکھنا کل کسی وقت تمہیں ان کی ضرورت پڑ سکتی ہے، میں اپنا بوجھ خود اٹھا لوں گی۔" وہ جیسے بات ختم کرتے ہوئے دوٹوک لہجہ میں بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اریبہ اتنی روڈ اور خود غرض نہ بنو تم سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''میں سب سمجھتی ہوں زندگی کے اکیس سال گزار چکی ہوں، مجھے اپنے اچھے برے کا بخوبی علم ہے۔''

''اگر تمہیں اچھے برے کا علم ہوتا تو یہ الفاظ نہ کہتیں۔'' وہ متاسف ہوا۔

''مجھے کیا کہنا ہے کیا نہیں یہ تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں اور بخدا اس وقت تم چلے جاؤ۔'' وہ جیسے زچ ہو کر بولی۔

''Areeba behave your self۔'' وہ سرزنش کرنے والے انداز میں بولا۔

''Wahaaj for God, please leave me alon,'' وہ ایکدم سے بہت سپاٹ لہجے میں سپاٹ تاثرات کے ساتھ بولی تھی وہاج کچھ دکھ غم غصے اور اشتعال کے ملے جلے تاثرات بھری خفیف نگاہ اس پہ ڈالتا دروازے کو ٹھوکر لگاتا نکل گیا۔

دیکھو کہ آ چکی عذاب رت
سنو کہ مجھے آنسو چھپانے دو
سنبھالو تم بھی ادھوری خواہشیں اپنی
مجھے بھی خوابوں کی راکھ اٹھانے دو

☆☆☆

خواب جلتے ہیں میری آنکھوں میں
دلربائی کے موسم میں
وحشتوں کی عجب کہانی ہے
تیری آنکھوں نے جو کہی تھی کبھی
وہ کوئی کتھا، متروک وفا ہونے کو ہے
سوچوں بھی تو دل لرزتا ہے
عجب اک حادثہ ہونے کو ہے

کیسا عجیب سفر تھا کہ جہاں سے شروع ہوا تھا وہیں پہ آ کے تھم گیا تھا، یہ محبت کا موسم اتنا جلد ڈھل جانے والا اور ظالم کیوں ہوتا ہے؟ اگر محبت مہربان ہے تو ہم انسان ایک دوسرے پہ اتنا ظلم کیوں کرتے ہیں، محبت کو عزیز کیوں نہیں رکھتے اور اسے پھلتا پھولتا دیکھنے کی بجائے خالی کرتے جاتے ہیں، کتنی خاموشی سے اپنی جاں ٹوٹتے، ارمان بکھرتے دیکھتے ہیں اور کچھ نہیں کر پاتے۔

''جس دل میں بدگمانی ہو اس کی منڈیروں پہ محبت کے چراغ کبھی نہیں جلتے، تمہارے دل میں بھی بدگمانی ہے مگر کیسی جو دور کی جا سکتی ہے نہ مٹائی جاتی ہے۔''

''مجھے معلوم نہ تھا محبت ایک ایسا خواب ہے جو کسی دوسرے کی مرضی پر منحصر ہے اور ایسا خواب جو میرے لئے خوشی تمہارے لئے اذیت کا باعث بنے کیسے دیکھوں اور کیسے بھلاؤں، ہم جو سوچتے ہیں سب پورا نہیں ہوتا مگر کتنا مشکل ہے دل کو سمجھانا جبکہ دل سمجھنا ہی نہ چاہے۔'' ایک بار اس نے اپنے استاد سے ایک بات سنی تھی۔

''ہمیشہ اپنی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کا جائزہ لیں تاکہ وہ کبھی بڑی غلطی بن کر آپ کی ناکامی کی

وجہ نہ بن جائیں۔''

اور اس نے یہ بات اپنے ذہن میں محفوظ کر کے رکھ لی تھی جب وہاج حسن نے اس کی بنی بنائی پوزیشن کو اپنی ذاتی محنت، حد درجہ ذہانت کی وجہ سے اپنے نام کیا تھا تب بھی اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کر کے اسے گلے لگاتے اس نے بڑے حوصلے کا مظاہرہ کیا تھا اور مثبت رویے کو پروان چڑھایا تھا۔

سعیہ کے لئے سوچتے ہوئے بھی اس نے زندگی کو، رویوں کو جب برتا تو ہمیشہ ان سے خوشیاں کشید کرنی چاہئیں اور اپنی پرفیکشن (اندر کی توقعات) کو متاثر ہونے نہیں دیا مگر لمحوں سے رنگ چھنتے اس نے کبھی گمان تک نہ کیا تھا کہ اس پرفیکشن کو کبھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا، سعیہ کے دل و دماغ پر لاکھ بدگمانی سہی مگر شہریار نے تو اسے پوری توجہ سے چاہا تھا، دل کی تمام تر شدتوں سے سوچا تھا اور اس کی بیزاری کے باوجود بار بار اس کی طرف پلٹتا تھا کیونکہ وہ اس سے محبت کرتا تھا جنونی محبت، وہ ہمیشہ خود کو ناقابل تسخیر گردانتا تھا مگر سعیہ خان اس کی ذات کی ساری مضبوط دیواروں کو توڑتی اس کے دل تک آ پہنچی تھی، خود سے بے پروا موڈی لڑکی اس کی ساری پرواہ سمیٹتی رہی تھی، پھر اب اس وقت، اس لمحے وہ خود کو اپنی زندگی کو اپنے سے وابستہ خوشیوں کو اس سے الگ کر کے سوچتا تو بھلا کیسے؟

جبکہ وہ جی ہی اس کے تصور میں رہا تھا اس کی صبحیں اس کے ملیح چہرے سے ضیاء پا کر چمکتی تھیں تو شامیں اس کی پلکوں سے سلونی ہوتی تھیں وہ اپنے دل کو لاکھ سمجھاتا مگر دل مانتا کب ہے؟

دل کو اس راہ پہ چلنا ہی نہیں
جو مجھے تجھ سے جدا کرتی ہے

اس نے گھر میں کسی سے سعیہ سے ہونے والی گفتگو کا تذکرہ تک نہ کیا تھا اور کرب کے تمام موسم وہ اپنے اوپر تنہا جھیل رہا تھا اور کیوں جھیل رہا تھا یہی سوال جب وہاج نے کیا تو وہ بڑی بے دلی سے ہنسا تھا۔

''محبت کرتا ہوں ناں، محبت گوارہ ہی نہیں کرتی اسے کسی کی نظروں میں ہلکا پڑنے دوں، خواہ وہ اس کے اپنے ماں باپ کیوں نہ ہوں اور صرف یہ ہی کیا میں سب کچھ سہہ سکتا ہوں وہ کچھ بھی کہے، کچھ بھی کرے، کوئی تلخ بات، تلخ اقدام، میں جھیل سکتا ہوں کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔''

اور وہاج محبت کی اس حیران کن شدت پہ کتنی دیر ساکت اسے دیکھے گیا، ایسی شدتیں یہی، دیوانگی وہ بھی تو رکھتا تھا اریبہ کے لئے اور وہ بھی تو اس سے تلخ ہو گئی تھی مگر اریبہ اور سعیہ کے رویے و حالات کے پس پردہ بہت فرق ہے اریبہ کے اپنے گھریلو اسباب، معاشی تنگدستی اور ہمدردی و خلوص کی بے رغبتی ہے جو اسے اکثر و بیشتر تلخ کر دیتی ہے جبکہ سعیہ کا ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔

یہ اس کی بے لوث محبت کی انتہا تھی کہ وہ سعیہ کے مدمقابل اریبہ کو Plus point دیے جا رہا تھا اور ساتھ شہریار کو بھی حوصلہ دے رہا تھا۔

''یار یہ محبت اتنی بے بس کر دینے والی چیز کیوں ہوتی ہے کہ آپ کتنا ٹوٹ جائیں، کتنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بکھرتے جائیں مگر یہ محبت نام کا چار حرفی لفظ کسی محاذ پہ ہار نے نہیں دیتا ہاں بس کبھی شکست و ریخت کے لمحوں میں احساس برف ہونے لگتا ہے پھر یوں لگتا ہے جیسے حوصلے ٹوٹ ٹوٹ جاتے ہوں، تاہم جلتی بجھتی آنکھوں میں کسی حسین آرزو کے لو دیتے خواب کروٹ لیں تو ہمتیں پھر سے چمک اٹھتی ہیں حوصلے پھر مسکرا اٹھتے ہیں اور آہیں بھرتا دل پھر کہنے لگتا ہے تم میرے ہو۔'' شہریار نے جیسے بڑے بے بس سا ہو کر پوچھا تھا اور وہاج حسن مسکرا اٹھا تھا۔

''یہ کچھ کھینچتی کچھ باندھتی، کچھ لوٹتی، کچھ جوڑتی کیفیت ہی تو محبت کا حسن ہے محبت کی کشش ہے بہت آرام سے بنا مانگے ملتی شے کی اتنی قدر اتنی کشش کب ہوتی اور وہ اپنا احساس اتنی شدت سے کب دلاتی ہے جیسے شدید دعاؤں کڑی ریاضتوں اور لمبے انتظار کے بعد ملی چیز اپنا آپ باور کراتی ہے، اپنی ہمت سمجھاتی ہے، محبت تو محبت ہے، آپ اپنا حسن آپ اپنی خوبصورتی تنہائی میں یکجائی، ویرانی میں محفل اور محفل میں شہنائی۔'' وہاج نے اسے دیکھا تھا جو بڑا بکھرا سا لگ رہا تھا، وہ کچھ دیر اسے یونہی دیکھتا رہا پھر اک گہرا سانس کھینچتے ہوئے کہا تھا۔

''ویسے تم نے اس کی تھوڑی سی آئی ڈی لینی تھی، اس کے انکار کے پس پردہ محرکات کیا ہیں کیونکہ ہوسکتا ہے وہ کسی اور سے محبت کرتی ہو۔'' شہریار نے تڑپ کر وہاج حسن کو دیکھا تھا بھلا وہ لڑکی جسے وہ عرصہ دراز سے پوری شدتوں سے چاہتا آرہا ہو پھر وہ اس کی منکوحہ بھی ہو اس کے لئے ایسے سوچنا یا کہنا کتنا سوہان روح تھا کوئی اس کے دل سے پوچھتا اس کی آنکھیں یکدم بھر آئی تھیں اور وہاج نے اپنے عزیز دوست کا دکھ جیسے دل سے محسوس کیا تھا۔

''دیکھو شہری زندگی اور محبت کے آپشنز بدل بھی سکتے ہیں اور ہمیں کسی بھی لمحہ کسی بھی رویے و موڑ کو لے کر اگلے بندے کے لئے اپنے طور پر طے کرنا ہو تو اسے تھوڑا ریلیف دینا پڑتا ہے بعض اوقات ایسا کرنا ہمارے اپنے حق میں بھی بہتر ہوتا ہے، ہم خود بھی کسی نتیجہ خیز موڑ پر پہنچ جاتے ہیں اور اگلے بندے کے راستے بھی آسان ہو جاتے ہیں تم اسے جانو، سمجھو، پوچھو کہ گریز و انکار کی اس منزل تک لانے والے عوامل کون سے ہیں اور ان کا تدارک کیا ہے اسی طریقے سے سمجھ کر تم معاملہ سلجھا سکتے ہو یا پھر اس کی دوست سے مدد لو کیونکہ دوست آپس میں ایک دوسرے کے بہت سے معاملات و رویوں کو جاننے میں سلجھانے میں قریبی عزیزوں سے زیادہ مددگار ہو سکتے ہیں۔''

''اس کی صرف ایک دوست ہے اور وہ ان دنوں دوبئی ٹور پر ہے رہا اس سے پوچھنا تو تم کیا سمجھ رہے ہو اس تلخ کلامی کے بعد بھی وہ ریلیکس موڈ میں مل سکتی ہے۔''

''کیوں نہیں وہ صرف تمہاری کزن یا محبت ہی نہیں بلکہ منکوحہ بھی ہے تم جب جس وقت چاہو اسے روبرو پوچھ سکتے ہو کچھ بھی۔''

''یہ صرف کہنا آسان ہے کیونکہ تم اسے جانتے نہیں حد سے زیادہ موڈی لڑکی ہے چاہے تو پل میں سامنے کھڑے بندے کو عرش پر بیٹھا دے چاہے تو لمحہ کے ہزارویں حصہ میں زمین پر بھی کھڑے ہونے کے قابل نہ چھوڑے۔''

''اگر تم کہو تو میں بات کروں۔'' وہاج کچھ پرسوچ انداز میں بولا۔

''نہیں اسے یہ بالکل اچھا نہیں لگے گا کہ باہر سے اٹھ کر کوئی تھرڈ پرسن اس کی زندگی کو ڈسکس کرے۔'' شہریار نے فوراً انکار کیا۔

''تو پھر ایسے میں تم کیا کرو گے۔'' وہاج نے استفسارانہ انداز میں دیکھا۔

''سوچتا ہوں کیا کروں۔'' وہ آنکھیں بند کر کے سر ریوالونگ چیئر کی بیک سے ٹکاتے ہوئے بولا اور وہاج اس پیارے انسان کو دیکھتے ہوئے اس کی محبت کے ملاپ کی دعا سپرد فضا کرنے لگا۔

میرا چشمہ نخلستان سائیں
میرا بادل سبز شجر
تو بخت میرا تو بخت میرا تو محل میرا تو گھر
میں پنچھی اک دعا مانگوں تو کر منظور اگر
یا پنجرہ پنجرہ شام نہ دے، یا کاٹ لے میرے پر

☆☆☆

''ایسی کون سی چیز ہو سکتی ہے جو زندگی اور زندگی کے رویوں کو آسان کر دے۔'' وہ زہر جو خیالوں، دل، دماغ اور نظروں میں آ کر اندر باہر کی ساری فضا کو مکدر کر دیتا ہے اسے دھو ڈالے۔

غیر اطمینانی رشتوں، رویوں، مذہب، معاشرتی اصولوں کی، بے سکونی جو اندر تک دل و دماغ کو گنجلک الجھاؤ میں پھنسا دیتی ہے۔

حد درجہ حساسیت، دماغی چپقلش، ذہنی تناؤ اور جذباتی دباؤ، کیا وہ واقعی ان سب چیزوں کا شکار ہو گئی تھی وہ جو مثبت احساسات تعمیری سوچوں کے ساتھ زندگی کو جیتی تھی جو انسانیت سے محبت کرتی تھی بلا تفریق رنگ و نسل، مذہب و قوم، جو اپنے پیدائشی مذہب سے محض اس لئے باغی ہو گئی تھی کہ وہ انسانیت کے کلی رہنما اصولوں کا داعی نہ تھا اور وہ انسانوں میں امتیاز کی قائل نہ تھی، اس نے تو دوسروں کے منفی برتاؤ کے پیچھے بھی وسیع القلبی کا مظاہرہ کیا تھا اس نے اپنی روشن اصولی اور پرجوش فطرت کو کبھی بھی تباہ ہونے نہ دیا اور اسے معلوم تھا یہ راتوں رات اعلیٰ ریاضت کے حامل سوامی بننے یا ریاضتوں کی کڑی آزمائش سے گزرنے والے اولیاء کی کہانی نہیں بلکہ ایک گڈ آئی، کیو، لیول یا گڈ میموریبل گرل کی کہانی ہے، ایک سیدھی سادی مائنڈ باڈی تیکنیک تھی جو جانے کیسے براہ راست اسٹریس رسپانس تک پہنچی اور اس کے کارٹی سول مستقل دباؤ کا شکار کرنے کے باوجود ظالمانہ انداز سے اس کے عضلات کے ٹشوز برباد کرتے ہوئے قوت مدافعت میں کمی کر دی، اب وہ خیالوں، خیالوں میں اپنی خواہشوں کی ناکامی پہ روتی، اپنے مقاصد کی منزل نہ پانے پر جذبات بھڑکاتی اور دوسروں سے انتقام لینے پر کمربستہ ہو جاتی اور عملی طور پر اتنی استطاعت نہ رکھتے ہوئے اپنے مقاصد کی راہ میں آنے والوں کو کبھی دیواروں میں چنوا دیتی، کبھی خیالوں ہی میں انہیں ذبح کر دیتی اور یہ دماغی مصروفیت تھکا کے ہلکان کر دیتی اس کا پورا وجود ایک ان دیکھی آگ میں جلنے لگتا ایسی آگ جس سے دھواں اٹھے نہ چنگاریاں نکلیں مگر وجود پھر بھی راکھ یا خاک ہوتا جائے۔

''اور وقت و واقعات کے ان خوفناک اثرات سے وہ کبھی باہر بھی نکل سکتی تھی کہ نہیں؟'' یہ ایک ایسا خوفزدہ کر دینے والا سوال تھا جس نے لیڈی ایلون کو بالکل توڑ کر رکھ دیا تھا، آج چرچ میں بڑا مذہبی اور روحانی اجتماع تھا لیڈی ایلون نے ماریا کے لئے خصوصی طویل دعا کروائی تھی وہ یسوع مسیح پر مکمل یقین رکھتی تھی اور اس کا ایمان تھا کہ ہر انسان کو نجات صرف عیسائیت کا عقیدہ ہی دے سکتا ہے، بھلے ماریا مانے نہ مانے مگر اس کی نجات بھی عیسائی تعلیمات کے ماننے میں ہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چرچ سے واپسی پہ وہ ماریا کو شہر گھمانے لے آئی تھی تاکہ ماریا کی طبیعت میں کچھ بشاشت اور بہتری آئے اور ماریا بھی بڑے آرام، حد درجہ خاموشی سے لیڈی ایلون کے برابر بس میں بیٹھ گئی بس میں شہر گھومنے کے لئے تقریباً ڈھائی ڈالر سے بھی کم خرچ ہوتے ہیں اور پیدل چلنے والوں کے لئے بھی دقت نہیں کیونکہ شہر میں مختلف جگہیں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔

ویلنگٹن اپنے خوبصورت قدرتی مناظر اور ہری بھری پہاڑیوں کی وجہ سے بہت مشہور ہے یہاں پر خوبصورت و دلآویز نظر آتے ہیں اس شہر میں تقریباً پانچ سو مربع کلومیٹر پر پارک اور جنگلات پھیلے ہوئے ہیں اور اسی خوبصورتی کی وجہ سے ماریا نے یہیں تعلیم جاری رکھنے کا فیصلہ کیا تھا اور شہر کے مغرب میں پہاڑی کے اوپر مشہور وکٹوریہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا، ان کی بس اسی جگہ موجود ویلنگٹن بوٹینیکل گارڈن کے پاس سے گزر رہی تھی کبھی اسی گارڈن میں اپنے کلاس فیلوز کے ساتھ وہ بڑے خوشگوار موڈ میں بیٹھی گھنٹوں گوسپ کیا کرتی تھی، گارڈن میں کچھ دیر گزارنے کے لئے اترنے والے لوگ کیبل کار کی سہولت سے مستفید ہو رہے تھے اور ماریا خالی الذہنی کے عالم میں یک ٹک تیزی سے گزرتے دور ہوتے مناظر کو دیکھ رہی تھی اس کی نگاہوں میں کوئی تاثر تھا نہ چہرے پہ کوئی احساس، بس اک سپاٹ رویہ سپاٹ نظریں جیسے وہ یہاں موجود نہ تھی لیڈی ایلون نے تاسف کے اک گہرے احساس میں گھر کر اسے دیکھا تھا اور اس کو متوجہ کرنے کے لئے پوچھا۔

''ماریا اگر تم چاہو تو ہم کسی بار میں جا سکتے ہیں۔'' ماریا نے صرف دیکھا تھا بولی کچھ نہیں تو لیڈی ایلون نے وہ مشہور بارز جو دن کے وقت کھلے رہتے ہیں ان کی تفصیل اور ڈیوز اپنے ٹور گائیڈ سے معلوم کرنے شروع کر دیے۔

''ڈے ٹائمنگ میں پھر شوٹرز، کوپولٹس، اسٹیبلشمنٹ، گڈ لک، بلینڈ ویلنگٹن کے مشہور بار میں اور اگر آپ کو انڈر گراؤنڈ میوزک میں دلچسپی ہے تو والو ایک مشہور بار ہے یہاں ابھرتے فنکاروں کا ہر وقت جمگھٹا رہتا ہے، جبکہ ہمنگ برڈ اپنے لائیو میوزک، ڈیررنس کافی اور کاک ٹیبل کے لئے مشہور ہے، ڈک لیور پارفیٹ یہاں کر ہر دلعزیز مشروب ہے۔'' لوئر گائیڈ اپنے مخصوص روایتی انداز میں فرفر تفصیلات بتا رہی تھی اور ماریا اس کے بے فکرے خوش باش انداز و اطوار کو دیکھتے ہوئے ایک بار پھر یاسیت میں گھرنے لگی۔

''کیا اس سفر میں موجود لوگوں کو بھی کوئی پریشانی ہوگی، وہ بھی اپنے اردگرد اپنے اندر بار اپنے روحانی و مذہبی تضاد سے شاکی تھے کہ نہیں؟''

''کیا کسی مقصد، کسی تلاش کے حصول نے انہیں بھی بھٹکایا، تھکایا اور رلایا ہوگا کہ نہیں؟ کیا میری طرح ان لوگوں نے ذہنی و جسمانی اذیت سہی ہوگی اور اپنے حصول شوق کی ناکامی نے ان کے اعصاب کی توڑ پھوڑ کے اعتماد ذات کو شکست کا شکار کیا ہے؟ کیا یہ لوگ بھی سب غبار ہونے سب راکھ ہونے کی تکلیف سہہ چکے ہوں گے اگر نہیں تو پھر اتنے انسانوں کو خوش رکھتے ہوئے میرا خیال کیوں نہ آیا؟ جبکہ میں تیرے لئے کتنا بھٹکی، پھر بھی۔'' اس کی آنکھیں بھرا گئیں اور دل بوجھل ہونے لگا۔

''پھر بھی تو نے اتنے سارے لوگوں میں خوشیاں، سکھ، طمانیت بانٹتے دکھ دینے کو صرف مجھے چنا جبکہ میں تیر تخلیق تھی تو نے مجھے میری مرضی سے نہیں اپنے حکم سے دنیا میں بھیجا تھا، اچھا ناک

نقشہ اچھا رنگ روپ اور اعلیٰ حسب ونسب دے کر پھر مجھے اس سب عطا کے باوجود سکون سے محروم کر دیا کس لئے؟ کیا میں تجھے اتنی ناپسند تھی جبکہ بہت سے لوگ کمیوں کجیوں کے باوجود تیرے کرم سے محروم نہیں، برائیوں میں پڑے ہونے کے باوجود تجھے پا لیتے ہیں، میں مثبت راہ، مثبت طرز فکر کے باوجود میں زندگی کی ڈور میں پیچھے رہ گئی، ایسا میرے ساتھ کیوں ہوا؟ ان میں سے کسی کے ساتھ کیوں نہیں ہوا؟ کیا یہ سب لوگ تجھے مجھ سے زیادہ پیارے ہیں یہ نشئی، افیمی، شرابی مرد و عورتیں، برہنہ جسم، آلودخیالی اور گندی خواہشات سے بھرے گندے لوگ؟ مجھ سے زیادہ پیارے ہیں تجھے، میں جو کبھی کسی قسم کے نشے کے قریب تک نہ گئی جس نے کبھی کسی بوائے فرینڈ کے ساتھ ڈیٹ نہیں ماری اور کبھی اپنے جسمانی حسن کو غیر مردوں کی نگاہوں میں نہیں آنے دیا پھر بھی، پھر بھی تو نے میرے ساتھ برا کیا بہت برا کیا میں نے تجھے پانے کو کیا کچھ نہ کیا ہندوستان گئی مراکش کے طول و عرض میں بھٹکتی رہی، اسرائیل کے صحراؤں کی خاک چھان آئی کتنے لوگوں سے ملی کتنے لوگوں کو دیکھا کتنے مختلف مذاہب کو پرکھا، ان کی تعلیمات کو جانچا مگر کیا ملا مجھے، کیا ملا اذیتیں، سانحے، کرب، مشکلات کم نہ ہوئیں بلکہ بڑھتی گئیں اور میرے حوصلے کتنے ٹوٹے ہیں، کتنی بار بکھری کیسے حادثوں سے گزری اور کیا ملا یہ پاگل پن یہ وحشت اور بداعتمادی کا جنون میرا مقدر بن گیا۔''

''یہ ان سب کا مقدر کیوں نہیں بنا یہ سب کیوں ہنستے کھیلتے بے فکرے خوش باش پھر رہے ہیں میری طرح یہ سب کیوں نہیں روتے، کیوں نہیں روتے، ان سب کو رونا چاہیے بالکل اسی طرح جیسے میں روتی ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں یک لخت اک عجیب سلگتی کیفیت در آئی تھی اور سانس تیز ہونے کے ساتھ ہاتھ دیرا اضطراری لرزش میں آ گئے۔

''I will kill you , I will kill you۔'' وہ یکایک اٹھی اور اپنے سامنے بیٹھی ادھیر گوری میم کا گلا دبانے لگی لیڈی ایلون حیرت شاک میں اسے روکتی جیسے بے حواس ہو رہی تھی اور پوری بس میں شور برپا ہوا ڈرائیور نے بس کو روک لیا تھا۔

☆☆☆

وہاج کی خفگی کے باوجود وہ سنجیدگی سے جاب کا سوچ سوچ رہی تھی بلکہ کچھ دنوں سے اس نے یونیورسٹی جانا بھی شروع کر دیا تھا اسے معلوم تھا خالی بی اے کی ڈگری کوئی شاندار جاب نہ دے سکتی تھی پھر بھی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مصداق اس نے اخبارات میں خالی ویکینسیوں کے لئے دیے گئے اشتہار دیکھنے شروع کر رکھے تھے، کیونکہ وہ خوابوں کی دنیا سے باہر نکل آئی تھی اسے معلوم تھا حالات پہلے جیسے ہونے میں وقت درکار تھا اور وقت کو ڈھیر سارا اعتماد، حوصلہ جو وہ دیتی اور یہ سب کرنے کے بعد بھی پتا نہ تھا صورتحال بہتر ہوتی یا حالات مزید مخدوش ہو جاتے مگر امی کو یوں دیکھنا بھی تکلیف دہ تھا پھر جویریہ اور ربیعہ کی تعلیم، شہباز کا کیریئر ابو زندہ تھے تو انہوں نے کبھی اولاد کو تکلیف پہنچنے نہ دی اب وہ کیسے یہ سب برداشت کرتی، روپیہ زندگی کی ایسی ضرورت تھا جس سے وہ انکار نہ کر سکتی تھی خاص کر ان حالات میں جب امی کے اتنے اچھے اور مہنگے علاج کی ضرورت تھی نہ صرف علاج بلکہ اچھی اور متوازن خوراک کی بھی بھائی بہنوں کے تعلیمی اخراجات کے ساتھ خود اس کا ادھورا ماسٹرز اور وہ کسی صورت تعلیم سے منہ نہ موڑ سکتی تھی کہ ابو کا خواب تھا اپنی اس ہونہار اور ذہین بیٹی کو پروفیسر بنانا اور زندگی نے اس کے لئے کیا طے کر رکھا تھا یہ کوئی نہ جانتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ربیعہ اور جویریہ کو امی کا دھیان رکھنے کی خصوصی ہدایت کر کے تلاش رزق کی تلاش میں پہلی بار گھر سے نکلی تو دل کے اندر کہیں ہلکا سا دھڑکا بھی تھا، وہاج کی خائف نگاہیں اور تپا تپا لہجہ تصور میں ابھرا تھا پھر اس نے سر جھٹک کر خود کو جیسے ہر تاثر سے آزاد کرنا چاہا تھا۔

اس نے ٹیکسی کی تلاش میں نگاہیں سیاہ سڑک پہ دوڑائیں تو قریب ہی بائیک رکی اور وہاج نے اس کا ہاتھ پکڑ کر متوجہ کیا تھا۔

''اتنی لیٹ یونیورسٹی جا رہی ہو۔'' وہ یوں بولا جیسے ان کے درمیان خفگی کا کوئی لمحہ آیا ہی نہ ہو اریبہ کو اس کی یہی عادت تو پسند تھی کہ وہ اس سے بہت زیادہ دیر تک نہ خود خفا ہوتا تھا نہ خفا رہنے دیتا تھا۔

''کیا بہت ناراض ہو۔'' اس کی خاموشی پہ وہاج نے بغور دیکھا تھا۔

''نہیں تم غلط سمجھ رہے ہو، میں تم سے ناراض نہیں ہو سکتی۔''

''تو پھر اتنی اجنبی اور گریزاں ہو کر کیوں کھڑی ہو جبکہ تم میرے کہے بنا فوراً بائیک پہ بیٹھ جایا کرتی ہو۔'' وہاج نے شکوہ کیا۔

''کیونکہ آج مجھے تمہارے والے راستے پہ نہیں چلنا میرا راستہ الگ ہے۔''

''مطلب؟'' وہاج نے اچنبھے سے دیکھا۔

''مجھے یونیورسٹی نہیں ایک پرائیویٹ ایجنسی جانا ہے اور مجھے وہاں پہنچاتے تم آفس سے یقیناً لیٹ ہو جاؤ گے۔''

''پرائیویٹ ایجنسی مگر کس لئے؟'' وہاج صحیح معنوں میں چونک اٹھا۔

''جاب کے لئے۔'' وہ نظریں جھکا کے بولی اور وہاج کی پیشانی پہ یکدم بل پڑ گئے۔

''میں نے تم سے کہا تھا اس کی ضرورت نہیں ہے لہٰذا یہ فضول خیال اپنے دماغ سے نکال دو۔'' وہ ناگوار لہجے میں بولا۔

''وہاج، مجھے میرے گھر کو اس کی ضرورت ہے میں نے پہلے بھی کہا تھا آخر تم کب تک اور کتنا احسان کرو گے ہم پہ، جلد یا بدیر یہ بیڑا ہمی کو اٹھانا ہے تو......''

''شٹ اپ اریبہ جسٹ شٹ اپ۔'' وہ لمحہ بھر میں غصہ سے چلا اٹھا۔

''وہاج تم سمجھنے کی کوشش کرو۔'' وہ ملتجی ہوئی۔

''میں سب سمجھ رہا ہوں، بچہ نہیں میں، تم بیٹھو بیچ سڑک پہ تماشا لگانے سے بہتر ہے ہم آرام سے کہیں بیٹھ کر اس موضوع پہ بات کریں۔''

''لیکن وہاج مجھے انٹرویو کے لئے جانا ہے۔'' وہ ہچکچائی۔

''جب میں کہہ چکا ہوں تم جاب نہیں کرو گی تو بس پھر نہیں کرو گی بیٹھو۔'' وہ تحکم آمیز لہجہ میں سختی سے بولا تو اریبہ نہ چاہتے ہوئے بھی خائف سے تیور لئے بیٹھ گئی۔

اریبہ اور وہ پارک میں آنے تک بالکل خاموش رہے ایک قدرے تنہا اور پرسکون گوشے میں رکھے بنچ پہ بیٹھتے ہوئے وہاج نے اس کی آنکھوں میں براہ راست جھانکا تھا اور قدرے مدھم لہجے میں پوچھا تھا۔

''کیا تمہیں اعتبار نہیں مجھ پر، کیا تم مجھ پہ یقین نہیں رکھتیں جو سمجھنے لگی ہو میں اپنی کمٹمنٹ نہیں

دوں گا، کیا تم سمجھتی ہو وہاج حسن تم سے دھوکہ کرے گا۔'' اس کی آنکھوں میں سمندر آرکا، وہ کچھ کہہ نہیں سکی تھی بس سر کو جھکا گئی وہاج حسن نے اس کے صبیح چہرے کو دیکھتے ہوئے شانوں سے تھاما تھا کچھ دیر یونہی دیکھتا رہا پھر اضطرابیت زدہ لہجہ میں بولا۔

''کیا تمہیں لگتا ہے، میں تمہیں تمہارے حصے کی خوشیاں نہیں دے سکوں گا۔'' فضا بوجھل ہوئی پلکوں پہ ٹھہرے اس کے آنسو بہت خاموشی سے رخساروں کو بھگونے لگے۔

''تم میرے لئے کیا سوچتی ہو، کیا سوچتی ہو کیا ہے تمہارے دل میں بولو اریبہ میں سب سننا چاہتا ہوں، جو تم اپنے دل و دماغ میں لئے بیٹھی ہو سب کہہ دو۔''

''وہاج تم سے الگ میں نے خود کو کبھی سوچا نہیں میں تمہارے بغیر کچھ نہیں ہوں۔'' وہ اس کے شانے پہ سر رکھ کے سسکنے لگی اس کے بے تحاشا ٹوٹتے آنسو وہاج کا شانہ بھگو رہے تھے، وہاج نے اس کا سر تھپکا تھا۔

''ایسا ہے تو تم میری بات مانتی کیوں نہیں ہو، جب میں نے تمہارا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے تو آخر دم تک نبھاؤں گا۔''

''مگر وہاج تمہاری زندگی میں صرف میں نہیں اور بھی لوگ ہیں ان کا بھی تم پہ حق ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے میں خود سے باندھ کر تمہیں سب سے بے پروا کر دوں۔'' وہ سر اٹھا کے بولی تو وہاج دھیرے سے مسکرایا۔

''اپنے سے وابستہ ہر رشتے کی پرواہ ہے مجھے اور ہر رشتے سے بڑھ کر اپنی خوشی کی خوشی بھی وہ جو دل سے وابستہ ہے اور دل کی منشاء تو تم ہو۔'' وہ بڑے دلکش انداز میں بولا، ڈھیر سا نمکین پانی اس کی آنکھوں میں پھر آن رکا تھا یہی محبتیں تو اسے حوصلہ دیتی تھیں۔

''اگر میری زندگی میں یہ شخص نہ ہوتا تو جانے ہم سب کا کیا بنتا کتنے درد بانٹے ہیں تم نے میرے وہاج حسن۔'' وہ اپنے سامنے بیٹھے خوبصورت شخص کو دیکھ رہی تھی۔

''وہاج تم بہت اچھے ہو، میں تمہیں کتنا برا بھلا کہہ جاتی ہوں کتنی تلخ باتیں کتنے اشتعال آمیز الفاظ اور تم سب بھلا کر پہلے جیسے ہو جاتے ہو، وہاج تم اتنے اچھے کیوں ہو؟'' وہ اس کو دیکھتے ہوئے بھرائی آواز میں بولی۔

''اونہوں آنسو نہیں، بہت رو چکی ہو۔'' وہاج نے انگشت شہادت سے اس کے آنسو صاف کیئے۔

''کیوں کرتے ہو مجھ سے اتنی محبت، کیوں ہو اتنے اچھے جبکہ میں...... میں تو بہت بری ہوں بالکل بھی اچھی نہیں۔''

''تم اچھی ہو بہت اچھی، یہ جو محبت ہوتی ہے ناں اسے اچھائی برائی سے کوئی غرض نہیں ہوتی یہ تو احساس ہے بس محسوس کرنے کا رشتہ روح سے روح کا ناطہ اور روح، انسانی احتیاج و غرض سے ماورا ہوتی ہے اور رہا سوال اتنی محبت کا تو ریا یہ کوئی ناپ تول کے تھوڑا ہوتی ہے کہ ہم کم یا زیادہ کر لیں، یہ تو بڑا بے ساختہ سا جذبہ ہے جو خود بخود دلوں کی سرزمین پر اگتا ہے پھلتا پھولتا ہے اپنے آپ کھلتا ہے اور توجہ کی نگاہ سے مہکتا ہے۔''

''وہاج مجھے اتنی اہمیت نہ دو کہ زندگی کا سفر کبھی تنہا بھی کاٹنا پڑ گیا تو سب مشکل ہو جائے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تنہا کیوں اریبہ، میں نے جس تمنا کو اپنے دل میں بسایا ہے اسے تمہاری شدتوں نے ہی جینے کا حوصلہ بخشا ہے پھر محبت کرنے والوں کے دل میں تو بڑی گنجائش ہوتی ہے اور ان کا دل دوسرے لوگوں سے بہت بڑا ہوتا ہے جب بہت مشکل حالات میں تم نے مجھے نہیں چھوڑا تو میں تمہیں کیسے چھوڑوں گا؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

''میں اس لئے کہہ رہی ہوں کبھی زندگی میں ایسے موڑ بھی آتے ہیں جب ایک راہ کے آگے دوسری راہ دکھائی نہیں دیتی سارے راستے گم ہو جاتے ہیں اور جو راستہ نظر آتا ہے وہی زندگی کا آخری موڑ لگتا ہے۔'' وہ بوجھل آواز میں عجیب یاسیت سے بولی۔

''اریبہ محبت اور کسی کی پرتوجہ ہمت کا ساتھ ہو ناں تو اس بند گلی کے آگے کے راستے بھی واضح نظر آنے لگتے ہیں، بات صرف ہمارے اندرونی احساس کی ہے ہمارا ضمیر زندہ ہو ناں تو کچھ بھی کہیں بھی گم نہیں ہوتا۔''

''مگر وہاج یہ جو مشکلات ہوتی ہیں ناں یہ زندگی کے میدان میں خودرو پودوں کی طرح بڑھتی جاتی ہیں اور مشکلات میں گھرا انسان وہ کچھ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جو عام حالات میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا اور تمہیں میں نے بتایا تھا کہ ہمارے مسائل کلی توجہ کے متقاضی ہیں ان حالات میں جبکہ تم پر تین جوان بہنوں کا بوجھ ہے اور ان کے لئے اچھے رشتے ہی نہیں اچھا جہیز بھی تمہاری مجبوری ہے اپنے معاشی مسائل نپٹاتے تم میرا کتنا ساتھ دے سکتے ہو، کب تک ہمارے اخراجات پورے کرو گے اور یوں تمہارا گھریلو بجٹ بھی متاثر ہو جائے گا، اس کے بعد تمہارے گھر والے تنگ آ جائیں گے، تو اس وقت کے آنے سے پہلے اگر میں کوئی وسیلہ رزق ڈھونڈ لوں تو برا کیا ہے، دیکھو ناں جاب پلیٹ میں رکھی تو ملتی نہیں مجھے بھی تھوڑی جدوجہد کرنا پڑے گی، تم خود سوچو ایسے حالات کے تحت اگر میں اپنے گھر والوں کے لئے ایک اچھی زندگی کے لئے کوشش کر لوں تو کوشش میں حرج ہی کیا ہے؟'' خود پہ قابو پائی وہ بڑے ٹھہرے لہجے میں بولی تو وہاج پہلی بار خاموش سا رہ گیا، وہ کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہہ رہی تھی اس کے خدشات بہت حد تک درست تھے۔

''اور دوسرا راستہ صرف ایک بچتا ہے کہ تم مجھ سے شادی کر لو بنا دیر کیے، لیکن ایسا کرنا یقیناً تمہارے لئے فی الحال مشکل ہے کیونکہ بقول تمہارے جوان بہنوں کی موجودگی میں تم شادی بالکل نہیں کر سکتے اس کا مطلب مجھے انتظار کرنا ہے سال دو سال یا جانے کتنا، اس مسلسل انتظار کی کیفیت میں گلتے رہنے سے کیا یہ بہتر نہیں میں جاب ہی کر لوں۔''

گزشتہ ملاقات کی نسبت اس وقت وہ بڑے متوازن اور سنجیدہ لب و لہجہ و الفاظ میں بات کر رہی تھی یہی وجہ تھی کہ وہاج بھی اشتعال میں آئے بنا اس کی باتیں سنتے بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

''بہت دیر ہو چکی ہے چلو تمہیں گھر چھوڑ دوں اور تم ابھی چند دن یونیورسٹی جاؤ، رہا جاب والا معاملہ تو میں سوچ کر تمہیں جواب دوں گا اور تب تک تم کہیں انٹرویو نہیں دو گی۔'' وہ یکدم اٹھتے ہوئے بولا۔

''اٹس او کے۔'' اریبہ گہرا سانس کھینچتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

وقت کے سمندر میں
زندگی کی ناؤ کو

کچھ اور ڈگمگانا ہے
پر ہم کو لوٹ آنا ہے
تم سے کیا کہیں جاناں
دھواں دھواں سا آسماں
کٹے کٹے سے بادباں
شوریدہ سر ہوائیں بھی
ڈھکی چھپی مسافتیں
مسافتوں کی دھند میں گم
ہزار ہا جزیروں میں
ہزار ہا جزیرے ہیں
ایک وہ جزیرہ ہے
جس کی وسعتوں میں گم
ہمیں واپس بلاتی ہے
میرے چار سو بہت دور تک
بڑی کہر ہے جمی ہوئی
اور مسدود ہیں راستے
پر ہم کو لوٹ آنا ہے
اس جزیرے کی طرف
جس پہ تم کھڑے ہو
تم جو اک جزیرہ ہو
اور آخری جزیرہ ہو
محبت کے سمندر میں

☆☆☆

اس کا آج کا دن بہت مصروف گزرا تھا ورکرز سے میٹنگ [illegible] سائیٹ دیکھنا پھر اپنی بوتیک کا چکر بھی لگایا کچھ ضروری امور [illegible] خود کو ریلیکس کرنے کے لئے لانگ ڈرائیو پہ نکل آئی۔

''صبا کو گئے کتنے دن ہو گئے وہ ہوتی تو کتنا مزا آتا [illegible] موسم بہت خوشگوار اور ٹھنڈا تھا ایسے موسم میں اس [illegible] کر سڑک سے کھڑے ہو کر بھٹے کھانے اور دہی بھلے کے شوق [illegible]

''کیا ضروری ہے ہر وقت اپنے سو کالڈ ماحول [illegible] چھوٹی چھوٹی خواہشوں [illegible] محروم رکھیں۔'' اس نے سوچا اور کار ایک برگر پوائنٹ کے سامنے روک [illegible] آئی۔

''اے ثمن دیکھو یہ وہی لڑکی نہیں [illegible] ہمارے گھر آئی تھی۔'' [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کون، کب آئی تھی ہمارے گھر۔'' ثمن کو فوری طور پر یاد نہ آیا۔
''ارے وہ این جی او والی، جو ہماری آپی کو ملازمت دلوانے کا وعدہ کر رہی تھی۔''
''اوہ، ہاں، واقعی یہ تو وہی ہیں اور سوٹ دیکھو کیسا زبردست پہنا ہوا ہے، خود بھی بہت پیاری ہے۔''

''ایکسکیوز می میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں۔'' سعدیہ ان کے قریب آ چکی تھی۔
Most wel۔'' وہ دونوں خوشدلی سے مسکرائیں۔
ر آپ کو میں نے پہلے دیکھا ہوا ہے۔'' سعدیہ نے کچھ مسکراتے چہرے سے

اقاعدہ ہمیں مل چکی ہیں بلکہ ہمارے گھر آئی تھیں ایک این
کے ذہن میں جھماکا سا ہوا اور وہاج حسن اس کے

ت آپ کی بہت ڈیسنٹ مدر، ہماری

مر گھر اپنے دیکھے ہیں
ر ہیں۔
کی ہم

ں گھر آ
سوار انداز

ے جس میں اپنائیت

خلوص کی خوشبو آئے اس جذبے کے ساتھ ملتے رہنا ہے۔'' سعدیہ نے انہیں پر خیال نظروں سے دیکھا۔

''ڈیٹس گڈ نائیس ویری نائس، آپ سے واقعی اک تکلف اور اجنبیت کا احساس ہوتا ہے۔'' ثمن مسکرائی۔

''تو دوستی پکی۔'' سعدیہ نے ہاتھ بڑھایا جسے ان دونوں نے محبت سے تھام لیا۔

''اسی خوشی میں آج کا بل میری طرف سے۔'' سعدیہ نے کہا۔

''جی نہیں بل ادا ہو چکا ہے کیونکہ اور اس کی ادائیگی بھائی نے کی ہے وہ ہمیں لینے آئے ہیں۔'' ثمن نے پیمنٹ کاؤنٹر پہ بقیہ وصولتے وہاج کا بتایا تو سعدیہ کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔

''کیا سوچتے ہوں گے تمہارے بھائی، تم لوگوں نے یہ اچھا نہیں کیا؟''

''کم آن سعدیہ، بھائی ایسا کچھ نہیں سوچتے ہمارے بھائی انسانیت کے تقاضوں اور اخلاقی اصولوں کو اہمیت دیتے ہیں روپے پیسے کو نہیں، بہت اچھے ہیں وہ۔'' ثمن بہنوں والے مخصوص مان اور فخر سے بولی۔

''واقعی، اگر وہاج حسن تم اتنے اچھے نہ ہوتے تو سعدیہ خان تمہارے پیچھے تمہارے گھر تک کیوں آتی، تمہارے لئے اتنی زود رنج کیوں ہوتی۔'' وہ سوچتی ہوئی ان کے ہمراہ ہوٹل کی سیڑھیاں اترتی نیچے آئی۔

''السلام وعلیکم کیسے ہیں آپ؟'' وہ پہلی سیڑھی پہ قدم رکھتے وہاج کو دیکھ کر مسکرائی۔

''وعلیکم السلام اللہ کا کرم ہے، آپ یہاں اس جگہ آپ کا لیول تو پی سی اور آواری کا ہے یہ جگہ تو ہم جیسے غریبوں کے لئے ہے۔''

''یہ شخص طنز کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔'' سعدیہ نے گہرا سانس لیا۔

''وہاج صاحب یہ لیول بھی ہمارے اپنے بنائے ہوئے ہیں ورنہ اللہ کے ہاں سے تو ہم سب صرف انسان بن کر آئے تھے اور جو بن کر آئے تھے وہی مقام نہ رکھ سکے تو لیولز اور درجے کیا چیز ہیں اصل چیز تو اندر کا ستھراؤ ہے دل وسیع ہو ناں تو غریبی امیری میں اور امیری غریبی میں سما جاتی ہے۔''

''یقیناً اور کبھی جو اپنے اصول آگے آ جائیں پھر سب الٹ ہو جاتا ہے۔'' وہ بڑے سکون سے مسکراتے ہوئے بولا تھا، جبکہ ہما اور ثمن آپس میں تحیر بھری نگاہوں کا تبادلہ کر کے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

''وہاج صاحب اصول زندگی کے لئے اچھے ہوتے ہیں اور بعض اوقات لازمی بھی۔''
''اور اتنے لازم کہ کسی کی زندگی، کسی کا مستقبل داؤ پہ لگ جائے تب بھی نہ ٹوٹیں۔''
''لگتا ہے آفس میں کاربڑن بہت ہوتا ہے۔'' سعدیہ نے بھی ہلکا سا طنز کیا تو وہ کھلے دل سے مسکرایا۔

''اچھا لگا یہ انداز بھی اور ایک بات کہوں گر برا نہ مانیں اپنے اصولوں پہ کبھی کبھی کمپرومائز کر لینا چاہیے، یہ صرف ہمارے اپنے لئے ہی نہیں ہم سے وابستہ بہت سے لوگوں کے لئے بہتر ہوتا ہے او کے اللہ حافظ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگلے ہی لمحے ہما اور ثمن کو آنے کا اشارہ کرتا پلٹا جبکہ سعیہ اسی آخری سیڑھی پہ کھڑی اس کے الفاظ کے پس پردہ مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

آ جاؤ......
کہ ابھی ہے وقت مٹھی میں
تمہاری خوشبوئیں زندہ ہیں
پھولوں کے بدن میں
مگر ایسا نہ ہو کہ پھول جل جائیں
تمہارا لمس مر جائے
گلابوں کے بدن میں زنگ لگ جائے
کہیں ایسا نہ ہو جاناں
تمہارے اور میرے درمیان بھی دیوار اگ آئے
ابھی تو آنکھوں کی مشعل میں رستہ دکھائی دیتا ہے
ابھی تو آئینہ چہرہ دکھاتا ہے

☆☆☆

دوبئی کا موسم بہت اچھا خنک اور ٹھنڈا، آسمان پر ہر وقت سفید اور سیاہ بادلوں کے ہولے دکھائی دیتے، صاف ستھرا گرد و غبار سے پاک ماحول کھلی اور نکھری سڑکیں جن کے گرد بلند و بالا درخت تھے تو کہیں خوبصورت کاٹیج جن کے پھولوں بھرے لان چھوٹی چھوٹی باؤنڈری والز سے دکھائی دیتے، کبھی امارت و شوکت کا اظہار کرتی ہوئی بڑی بڑی عمارتیں جو آسمان کو چھوتی محسوس ہوتیں۔

صبا اس سارے ماحول و دلکشی کو پورے جوش و خروش سے محسوس کرتی بھرپور طریقے سے انجوائے کر رہی تھی، ساتھ ہی اپنی اکلوتی دوست سعیہ کو شدید مس کرتے ہوئے ڈھیروں ایس ایم ایس بھیج رہی تھی۔

صنعتی نمائش ہفتہ بھر کے لئے تھی اور ان کا دوبئی میں آج آخری دن تھا کل واپسی کی فلائیٹ سے وہ واپس پاکستان آ رہی تھیں، اس نے ونڈو شاپنگ کے دوران بے شمار چھوٹے مگر نادر آئٹمز لئے کرسٹل کے قیمتی ڈیکوریشن پیسز، گولڈ اور قیمتی سٹونز کی جیولری، اچھے اسٹائلش ڈریسز، جدید شوز، مختلف اور منفرد سٹائلز کے شولڈر بیگز غرضیکہ اس کا بس نہ چلتا تھا وہ پورے دوبئی کی مارکیٹیں اور شاپنگ پلازے اٹھا کر پاکستان لے آتی، نزہت اور شائستہ بیگم اس کی دیوانگی پہ ہنس رہی تھیں۔

''صبی کیوں پاگل ہوئی جا رہی ہو ایسی ہزاروں چیزیں پہلے تمہارے پاس موجود ہیں، کیا کرو گی اتنا کچھ لے جا کر۔'' نزہت نے ٹوکا۔

''اوہ سویٹ مما شاپنگ میرا کریز ہے اور آپ کو پتا ہے شوق کا موئی مول نہیں، مجھے جو چیز بھی اچھی لگے میں ضرور لیتی ہوں قیمت خواہ کوئی بھی ہو۔''

''پھر بھی بیٹا ایک جیسی کتنی چیز لیتی رہو گی۔'' شائستہ نے بھی کہا۔

''سمجھا کریں ناں، آخر میری دنیا میں واحد دوست بھی ہے سعیہ خان اسے چھوڑ کے میں

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اپنے لیے چیزیں نہیں لے سکتی کیونکہ اس کے بغیر میری زندگی کمپلیٹ نہیں ہو سکتی۔''

''اور جو تمہاری زندگی کا مالک بن کر آئے گا وہ۔'' شائستہ نے چھیڑا۔

''ڈیئر آنٹی جب وہ موصوف آئیں گے تب دیکھا جائے گا فی الحال تو جو ہے اسی کو سوچنا ہے لیکن ایک بات ہے آنٹی اگر میری زندگی میں وہ شخص آیا اور جب بھی آیا تو اس کے ساتھ اپنا ہنی مون یہیں مناؤں گی۔'' وہ بڑے مزے سے بولی۔

''بس کرو ذرا شرم جھجک نہیں۔'' نزہت نے پیار سے اس کے سر پہ چپت لگائی۔

''اوہ سویٹ ماما آپ نے سنا نہیں جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم، تو خوامخواہ شرم شرم کرتے اپنے کرم کیوں کھوٹے کرلوں۔''

''کرم بی بی اب میری بھی سن لو بہت ہو گئی شاپنگ، دوبئی کے کسی اچھے سے مسلم ہوٹل پہ چلیں اور کچھ لاہوری فوڈز کی یاد تازہ کرلیں۔''

''کیوں نہیں نیکی اور پوچھ پوچھ ویسے بھی سیانوں کے کہنا ہے پہلے پیٹ پوجا پھر کام دوجا۔''

''یہ آج محاورے کچھ زیادہ نہیں یاد آ رہے۔'' شائستہ بیگم نے ہنس کر کہا۔

''جب کوئی یاد آنے والی چیز زندگی میں آ ہی نہ رہی ہو تو محاورے ہی یاد آتے ہیں۔'' اس نے سرد آہ بھری اور شائستہ بیگم بے اختیار ہنس دیں۔

''نائی گرل، چلو اب ہمارے بھولپن کو اتنا نہ آزماؤ اور ہمارے بھوکے پیٹوں کا خیال کرلو۔''

''اور اس کے بعد وہ شو ضرور دیکھنا ہے جو سلمان خان کترینا کیف اور اکشے کمار شاہ رخ خان دیگر انڈین سپر اسٹارز کر رہے ہیں۔'' صبا نے یاد کروایا۔

''بالکل اور یہ دوبئی میں ہمارا آخری ایونٹ ہے اور میں تو اسے پاکستانی سنگر علی ظفر کی وجہ سے دیکھ رہی ہوں نہ کہ انڈین سٹارز کی وجہ سے۔'' نزہت نے کہا۔

''پاکستان ہمارے لئے فخر اور الگ پہچان کا اعزاز ہے بھلا ہم اپنے پیارے وطن اور پیارے لوگوں کو کیسے نہ ایپری شٹ کریں بی کاز وہ پاکستان سے ہیں اور پاکستان اس اللہ کی رحمت سے۔'' شائستہ نے سنجیدہ لہجہ میں کہا۔

تبھی صبا کے موبائل پہ بار بار میسج ٹونز ہو، تو اس نے اپنا سیل دیکھا شہریار کی طرف سے میسج تھے جو کچھ لکھا تھا وہ پڑھتے ہی صبا کے چہرے پر یکدم پریشانی کے تاثرات چھلک اٹھے اس نے نچلا لب کاٹتے ہوئے میسج کو پھر سے ری وائنڈ کیا تھا۔

(جاری ہے)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راہ الفت میں

صبا جاوید

''ہاں تو پھر چوہدری رقیم حاشر! کیا سوچا ہے تم نے انابت بی بی کے بارے میں؟ معاملہ بلاوجہ طوالت پکڑتا جارہا ہے اگر تم سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا تو ہمیں درمیان میں آنے دو، ہم خود ان لوگوں سے نمٹ لیں گے۔'' چوہدری کریم حاشر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے پورے طمطراق و تمکنت سے اپنے مخصوص گونج دار لہجے میں مخاطب تھے، چائے سرو کرتی ارم کے ہاتھوں میں واضح لرزش پیدا ہوئی تھی، انہوں نے کن اکھیوں سے چوہدری کریم حاشر کی طرف دیکھا جو ان کے شوہر سے چودہ سال بڑے تھے ان کی بے حد سفید رنگت، سفید اور کہیں کہیں سے جھانکتے کالے داڑھی کے بالوں کے پیچھے چھپی تھی، مگر اس چہرے کی اصلیت سے وہ خوب آشنائی رکھتی تھیں، چوہدری رقیم حاشر کے چہرے پر تاریک سائے منڈلا رہے تھے پیشانی پر تفکر لکیروں سے سلوٹ زدہ تھی۔

سب کچھ پر پیچ اور الجھا ہوا تھا، آخر قدرت انہیں وہیں لے آئی تھی جس سے وہ گزشتہ انیس برس سے بھاگ رہے تھے، عجیب گنجلگ تھی، سب کچھ طے ہونے کے باوجود کوئی نئی تحریر رقم ہونے جارہی تھی جسے کندہ ہونے سے وہ روک نہیں پا رہے تھے، وہ زندگی میں کبھی چوہدری کریم حاشر کے خلاف نہیں گئے تھے، وہ خود میں حکم عدولی کی جرأت نہیں پاتے تھے، مگر یہاں سوال ان کی سگی اولاد کی خوشیوں کا تھا وہ خود کو ان کے مخالف کھڑا ہونے پر مجبور پاتے تھے، چوہدری رقیم حاشر کا مطالبہ رد کرنا ناگزیر ہو گیا تھا، وہ لوگ

مکمل ناول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انابت کا طلاق دینے پر راضی نہیں، انہوں نے لگ بھگ ایک سال سے دہرایا جانے والا جملہ من وعن دہرایا، چوہدری کریم حاشر کے تاثرات میں سختی پیدا ہوئی تھی ان کے الفاظ نے تندہی اختیار کی تھی۔

''اتنے سے تھے جب سے تمہیں سنبھال رہے ہیں ہم۔'' انہوں نے ہاتھوں سے اشارہ کیا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے رقیم سائیں ہمیں تمہارے ٹال مٹول سمجھ نہیں آتے، گزشتہ ایک برس سے یہی بہانہ کانوں میں انڈیل کر ہم صبر کر رہے ہیں مگر ہمیں تمہارے تیور ٹھیک نہیں لگتے اگر انابت بی بی کی شادی ہو بھی گئی ہے تو ہم اسے نہیں مانتے، تم ہمارے اصولوں اور ماحول کو خوب سمجھتے ہو رقیم سائیں......!''

''فیصلے کی تاخیر کی وجہ ارم بی بی اور انابت بی بی ہیں بہتر ہے تم ان دونوں کو بھی سمجھا دو، جو چیز ہماری ہے ہم اسے پاتال میں بھی نہیں چھوڑتے۔'' ان کا انداز تحکمانہ تھا، گویا وہ کوئی لچک دکھانا نہیں چاہتے تھے

''بابا سائیں! آپ کیوں نہیں سمجھتے، انابت کا اشعر اور منیب کا کوئی جوڑ ہے، یہ اس معصوم بچے کے ساتھ بھی ناانصافی ہے اور انابت کے ساتھ بھی زیادتی ہے۔''

''بابا سائیں! چھوڑیں ان کھوکھلی رسموں اور جھوٹی شان کو، مت بھینٹ چڑھائیں ان معصوم بچوں کو اپنے جاگزیں اور پراگندہ اصولوں کی، آپ یہ بات کیوں نہیں مانتے؟'' انہوں نے دبے دبے الفاظ میں ان کے فیصلے کی نفی کی، مگر لہجے میں تلخی اور سرکشی کا عنصر قدرے نمایاں تھا، ان کے فیصلے کی تردید کر کے چوہدری رقیم حاشر نے گویا ان کے عتاب کو آواز دی۔

''بہت خوب رقیم سائیں! بہت خوب، اب تم ہمیں صحیح اور غلط میں فرق سمجھاؤ گے، تم ہم سے باز پرس کرو گے، سب کچھ تمہارے اختیار میں ہوتا تو اب تک تم ان روایات کو جو ہماری پہچان ہیں، اپنی جدت پسندی کی آگ میں جھونک چکے ہوتے، ہمارے اصولوں کو اپنی ترقی کی مٹی تلے دفن کر چکے ہوتے، تم اپنی بیٹی کی خاطر ہماری شان کو بے بنیاد قرار دے رہے ہو ہماری روایات کی پاسداری کرنے کی بجائے ان کو کھوکھلی اور بے معنی ثابت کرتے پر تلے ہو، ہم نے صدیوں سے اپنے خاندان کی بیٹیوں کو اسی طرز پر بیاہا ہے، تمہاری بیٹی کے ساتھ کچھ نیا نہیں ہونے جا رہا، ہماری رسم کو ہماری ضد مت بناؤ ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔'' چوہدری کریم حاشر نے چوہدری رقیم حاشر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا، ان کی آنکھوں میں ابلتا غصہ گویا کوئی قہر برپا کرنا چاہتا تھا، ان کی آواز میں گولیوں کی بوچھاڑ تھی تو انداز میں اٹل و حتمی فیصلے کی سی مضبوطی۔

''بابا سائیں! اس کی شادی ہو چکی ہے۔'' انہوں نے بے بسی سے کہا، آواز اور نگاہیں دونوں ہی پست ہو چلی تھیں، گویا احتجاج بھرپور نہیں تھا۔

اقرار نہیں ہوا تھا لیکن انکار میں بھی شدت نہیں تھی، عجیب بے بسی کا دور تھا، وہ اپنی بیٹی کے لئے کچھ نہیں کر پا رہے تھے، ان کے اندر جوار بھاٹا جل رہا تھا وہ تمام اصول، روایات، رسوم تہس نہس کر دینا چاہتے تھے مگر سامنے کھڑا شخص ان سے چودہ سال بڑا ہونے کے ساتھ ان کا بھائی بھی تھا، وہ ان کے ساتھ محاذ آرائی میں مگن تھے۔

''ہم نہیں مانتے اس شادی کو، کیا لکھ کر دیں تمہیں؟ بہت غلط فائدہ اٹھایا ہے تم نے ہماری آزادی کا، تم نے اپنی پسند سے شادی کی، ہم نے منع نہیں کیا کہ یہ رئیسوں کا شیوہ ہے، تم نے اپنی بیٹی کی پرورش جدید ستونوں پر کی ہم نے کڑوا

گھونٹ پیا، کیونکہ ہم جانتے تھے کہ آخر کار انابت بی بی ہماری امانت ہے اور اسے یہیں آنا ہے، مگر تم نے بغاوت کی ہے رقیم سائیں! بیٹیاں ہمارے ہاں خاندان سے باہر دینے کا رواج نہیں تم نے ہمارے اعتماد کو سینے میں بغاوت کا چھرا گھونپا ہے، تم ہمارے بھائی نہ ہوتے تو ایسی سزا دیتے کہ دھرتی کا سینہ پھٹ جاتا، اگلی بار جب ہم آئیں تو معاملہ صاف ہونا چاہیے ورنہ طلاق یافتہ انابت نہ سہی بیوہ تو ہم لے ہی جائیں گے۔'' ان کے الفاظ دل دہلا دینے کی حد تک بے رحم اور سفاک تھے ان کی آنکھوں میں جنوں خیز اشتعال تیر رہا تھا، ان کی باتیں نیزے کی انی کی طرح ارم اور چوہدری رقیم حاشر کے وجود میں پیوست ہوئی تھیں، ان کے الفاظ تھے یا زہر میں لپٹی خونچکاں حکایتیں، عقب میں کھڑی انابت رقیم کا دل سینے میں پھڑ پھڑا کر رہ گیا۔

''لیکن بابا......!''

''باس...... رقیم سائیں ہمارے قہر کو آواز مت دو۔'' انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں کچھ بھی کہنے سے باز رکھا، ان کے قدموں کی آواز سنگلاخ پتھر کی طرح ارم انابت اور چوہدری رقیم حاشر کے دلوں پر پڑ رہی تھی، تنے ہوئے خدوخال لئے وہ قدرے بھڑ کے ہوئے وہاں سے رخصت ہو گئے، مگر تمام جملہ افراد پر جامد سناٹا طاری ہوا تھا جیسے ہر احساس سے رشتہ ٹوٹا تھا، انابت رقیم بہت بے بسی سے واپس اپنے کمرے میں گئی تھی، دل میں امڈتے خوف کے سائے اس کی رنگت میں زردی گھولنے لگے تھے، خون جیسے بوند بوند نچوڑ لیا گیا تھا، اس ساحر کی ڈیڈ باڈی سی تصویر اس کی نم آلود نگاہوں میں اتری تھی۔

☆☆☆

ارم، ملازمہ کے ساتھ مل کر افطاری کے بعد ڈائننگ ٹیبل پر کھانا چن رہی تھیں، چوہدری رقیم حاشر عشاء کی نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد روانہ ہو چکے تھے، انابت رقیم اور ارم انہی کا انتظار کر رہی تھیں، ہر سو مہیب سناٹے کا راج تھا، محض برتنوں کی کھٹ پٹ سے ماحول میں ہلکا سا ارتعاش پیدا ہو جاتا، مختصر سے افراد پر مشتمل اپنا گھر دیکھ کر اسے بھرا پرا ''ابصار ہاؤس'' یاد آنے لگا تھا، کوئی بھولی بھٹکی یاد دامن بھگونے کو بے تاب تھی، انابت رقیم کو اپنے اندر عجیب سی ویرانیاں اترتی محسوس ہو رہی تھیں، بہت اکتا کر وہ لاؤنج سے اٹھ کر گلاس ڈور دھکیلتی لان میں چلی آئی، ہر شے پر تاریکی کی راجدھانی تھیں، ایسے خاموش اور پراسرار تاریکی بہت بھلی لگ رہی تھی، انابت رقیم نے لان میں بچھی چیئرز میں سے ایک اپنے لئے منتخب کی اور اس پر ٹک گئی، اس نے ٹانگیں پسار کر سر کرسی کی پشت پر ٹکا لیا، نظریں آسمان کے وسیع سینے میں محو سفر تیسرے دن کے چاند پر تھیں جو نجانے کیسی سرگوشیوں میں مگن تھا کمان کی شکل اختیار کیے تیسرے دن کا چاند کبھی بادلوں کے ٹوٹتے بکھرتے سیاہ ٹکڑوں کی اوٹ میں ہو جاتا اور کبھی ان کو پیچھے چھوڑ کر چپکے سے فلک پر آشکار ہو جاتا۔

دو ننھے ننھے قطرے آنکھوں سے راستہ بھٹک کر عارض بھگونے لگے تھے، اس نے درد کی کوئی لہر سینے میں اٹھتی محسوس کی تھی، کوئی بھولا بسرا شخص اپنی یادوں کے ساون میں اسے بھگونے لگا تھا، جس کی پہلی بار دیکھتے ہی دل کی دھڑکن نے رفتار پکڑی تھی، اس کے ساتھ کی تمنا کی تھی، اس نے بہت کرب سے آنکھیں میچ لیں، جیسے کچھ یاد کرنا نہ چاہتی ہو، مگر یادوں پر اختیار کب ممکن ہے، اندھیرے سے لپٹے ساکت درخت اسے اپنی زندگی کی طرح مغموم اور اداس لگ رہے تھے، عجیب زندگی کی تھی اس کی، خوشیاں تھیں تو وہ بھی بے حساب، اب غم تھے تو وہ بھی لامحدود۔

''انا!''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانے وہ کتنی دیر ان تکلیف دہ خیالوں اور تصوراتی دنیا میں کھوئی رہتی جب ارم کی آواز نے اسے حال کے تکلیف دہ باب میں لا پٹخا، اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں اور آنکھیں رگڑتی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو بیٹا؟'' انہوں نے بہت محبت سے اس کے بال سمیٹے۔

''کچھ نہیں، بس پاپا کا ویٹ کر رہی تھی۔'' اس نے خود کو منکشف ہونے سے بچایا، مگر اولاد اپنی ماں سے چھپانا بھی چاہے تو بھی کچھ نہیں چھپا سکتی، اس کا فرار ارم خود سمجھ چکی تھیں۔

''کیوں خود کو اتنی تکلیف دے رہی ہو انا؟ چھوڑ دو فضول کی ضد، مان جاؤ بیٹا، اپنے لئے نا سہی اپنے والدین کے لئے۔'' ارم اس کے سامنے والی چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئیں اور ایک بار پھر اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگیں۔

''میں کوئی ضد نہیں کر رہی مما، مجھے جو ٹھیک لگ رہا ہے میں وہی کر رہی ہوں۔'' اس نے بہت کٹھور پن سے کہا اور رخ پھیر گئی۔

''میں شہوار بھائی سے بات کرتی ہوں وہ تمہیں خود آ کر لے جائیں گے۔'' انہوں نے ایک بار پھر کوشش کی۔

''میری ذات، میرا وجود ایک ناسور ہے جسے ''ابصار ہاؤس'' کے مکینوں کو سونپ کر آپ اپنے گلے سے اتار کر ان کے گلے میں ڈال دینا چاہتی ہیں، تو اس عذاب کو جڑ سے ختم کیوں نہیں کرتیں ماما، اسے وہاں پہنچائیں جو اس کی جگہ ہے، تاکہ سب آسودہ اور مطمئن رہ سکیں۔'' اس نے بے رحمی سے خود پر تبصرہ کیا، ارم نے بہت بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔

''ضد تو تمہیں ورثے میں ملی ہے ایک تمہارا باپ ہے جو اپنی منوانے کے در پے ہے، دوسرے تمہارے تایا ہیں جو اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تیسری تم ہو اپنے ددھیال کی کاربن کاپی، مجال ہے جو میری بات اس لڑکی کی عقل میں سمائے۔'' ان کی آواز میں کوئی رنج تھا، اس سارے مسئلے سے شاید وہ تھکنے لگی تھیں۔

''مما کیا برائی ہے منیب میں، آپ شہوار انکل سے کہیں وہ طلاق کے پیپرز بنوائیں، میں منیب سے شادی کروں گی۔'' اس نے گویا خود پر قیامت ڈھائی، یہ الفاظ اس کے اندر سے ہر احساس گویا اکھاڑ کر لے گئے تھے۔

''ہوش میں تو ہو تم، میں اور تمہارے پاپا ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے، تم نے یہ کیسے مان لیا ہے کہ تمہاری ہر ضد کی طرح ہم یہ فضول ضد بھی مان لیں گے۔'' ارم کے بے طرح غصہ آیا تھا۔

''حد کرتی ہو انا، ایک ماں سے کہہ رہی ہو کہ اپنی بیٹی کو دوزخ کی آگ میں دھکیل دو اور کس منیب کی بات کر رہی ہو تم وہ جو......'' دکھ سے جملہ وہ مکمل نہیں کر پائی تھیں بہت تاسف سے ارم نے انابت رقیم کے پتھریلے چہرے کو دیکھا۔

''ماں نہیں ہو نا تم، اس لئے ماں کی اذیت نہیں سمجھ سکتی، کیسے بھیج دو تمہیں ان بھیڑیوں کے درمیان، پھولوں سے بھی زیادہ نزاکت سے پالا ہے تمہیں، کس طرح اس کال کوٹھڑی کے سپرد کر دوں، جہاں سانس لینے کے لئے بھی اجازت درکار ہے، عمر بھر کی اذیت اپنی بیٹی کے نصیب میں اپنے ہاتھوں سے تحریر کروں، یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔'' ارم کی آواز رندھ گئی تھی، انابت رقیم خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی، اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھ کر ارم کا دل جیسے کسی نے کچل کر رکھ دیا، اپنی قسمت کے دھاگوں میں الجھی یہ انیس سالہ لڑکی انہیں یکدم ہی بہت بڑی اور سمجھ دار لگنے لگی تھی۔

''تو پھر دعا مانگیں مما، انابت مر جائے، انابت کو اس پل پل کی موت سے دائمی نجات مل جائے۔'' آنکھوں پر لگے پہرے ایک دم ٹوٹے تھے، آنسوؤں نے بڑی تیزی سے جگہ بنائی تھی، شدت گریہ سے وہ سرخ پڑنے لگی تھی، ارم نے تڑپ کر اسے بازوؤں میں بھرا تھا، انابت رقیم اور شدت سے بلکنے لگی تھی۔

☆☆☆

چوہدری رقیم حاشر اور چوہدری کریم حاشر دونوں بھائی تھے اور جاگیردارانہ طرز زندگی سے تعلق رکھتے تھے، خاندانی راویات کی پاسداری اور ہر دور میں ان کو زندہ جاوید رکھنا ان کا اولین فریضہ تھا، یہی وجہ تھی کہ ٹیکنالوجی اور سائنس کی ترقی کے باوجود ان کی حویلی میں وہی قدیم رسم و رواج بڑی تیزی سے ترویج پا رہے تھے، بیٹوں کو برادری سے باہر بیاہنے کا رواج ان میں نہ تھا، ان کے نزدیک عورت کا وجود محض ایک خدمت گزار داسی کا سا تھا، آزادی اور حقوق نسواں جیسے الفاظ ان کی زندگی سے حذف تھے، جس کی بنیادی وجہ کروڑوں کی جائیداد تھی، بیٹیاں باہر بیاہنے سے انہیں اس جائیداد سے ہاتھ دھونے پڑتے جو انہیں کسی طور قبول نہ تھا لہٰذا بیٹیاں خاندان میں رکھی جاتیں، چاہے ان کا کوئی جوڑ ہو یا نہ ہو، چاہے وہ ساری عمر کنواری ہی رہ جائیں۔

چوہدری رقیم حاشر، چوہدری کریم حاشر سے چودہ برس چھوٹے تھے، چھوٹی سی عمر میں ہی ان کی ذمہ داری چوہدری کریم حاشر کے کندھوں پر آ گئی، خود چوہدری کریم حاشر کو کمسن عمر میں ہی معاملات سنبھالنے پڑے چنانچہ وہ تعلیم جاری نہ رکھ سکے، تاہم انہوں نے چوہدری رقیم حاشر کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے امریکہ بھیج دیا، وہاں انہوں نے ارم سے شادی کر لی، چوہدری کریم حاشر بہت سیخ پا ہوئے، مگر پھر خاموشی اختیار کر گئے، لیکن انابت رقیم کی پیدائش پر انہیں خدشات گھیرنے لگے، چنانچہ انہوں نے حکم جاری کیا کہ واپسی کے لئے رخت سفر باندھیں لیکن چوہدری رقیم حاشر نے سہولت سے انکار کر دیا، تاہم انہوں نے انابت رقیم کی نسبت بروقت طے کر دی اور چوہدری اقیم حاشر نے انہیں تحفظ کا بھرپور یقین دلایا۔

جس کا مقصد محض وقتی طور پر ان کے مطالبے کو دبانا تھا مگر جب انابت بلوغت کی عمر کو پہنچ چکی تھی تو چوہدری کریم حاشر کا اصرار باڑھنے لگا تھا ان کا کوئی بہانہ کارگر ثابت نہ ہوا اور انہیں پاکستان واپس آنا ہی پڑا، چوہدری کریم حاشر، انابت رقیم کی شادی منیب حاشر سے کرنا چاہتے تھے جو انہیں کا پرتو تھا اور ایسی ہی سفاک اور بے حس سوچ کا حامل تھا، جو ان کا بڑا بیٹا تھا اور لگ بھگ چالیس برس کا تھا، جبکہ اس کے متبادل کے طور پر عاشر کو پیش کیا گیا۔

جو محض چھ برس کا تھا اور ان کی دوسری بیوی کا اکلوتا بیٹا تھا، اپنے ماحول سے فرار پا کر وہ سوچ رہے تھے کہ انہوں نے فتح پا لی ہے وہ سب کچھ بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں، مگر وہ تو اب بھی چوہدری کریم حاشر کی گرفت میں تھے قدیم، جان لیوا، روایات کی بیڑیوں میں جکڑے تھے، چنانچہ امریکہ سے واپسی پر انہوں نے انابت رقیم کو ''ابصار ہاؤس'' بھیج دیا، شہوار ابصار اور رقیم حاشر بہترین دوست تھے پاکستان میں ان کے تعلقات بہت سے لوگوں سے تھے مگر شہوار ابصار کا شمار ان کے بہترین اور پراعتماد دوستوں میں ہوتا تھا، چنانچہ انابت رقیم کو وہاں بھیج کر وہ خود ارم کے ساتھ گاؤں روانہ ہو گئے جہاں چوہدری کریم ان کے منتظر تھے تاکہ وہ متوقع صورتحال سنبھال سکیں۔

☆☆☆

''کنزیٰ پلیز یار ایک کپ کافی ملے گی۔'' دھپ سے صوفے پر گرتے ہوئے اس نے کہا، کنزیٰ جو کتابوں میں منہ دیئے بیٹھی تھی ایک لمحہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لئے کپ برآمد کیا اور پھر سے اپنے کام میں مشغول ہو گئی، انابت رقیم کا پارہ یکدم ہائی ہوا تھا۔

"چلو میرے ساتھ کچن میں، میں خود بنا لوں گی، لیکن تم میرے پاس کھڑی رہنا، پلیز ان بورنگ بکس کو بند کرو، ترس گئی ہوں تمہاری آواز سننے کے لئے۔" اس کے سامنے بکھری کتابوں کو زبردستی سمیٹتے ہوئے اس نے گویا التجاء کی، کنزیٰ کی بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی۔

"اچھا ٹھیک ہے چل رہی ہوں لیکن پلیز اب رونے مت بیٹھ جانا۔" اس نے سنجیدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے اس نے گویا مذاق اڑایا۔

"اڑالو مذاق میرا، کیا یار صبح سے تم لوگ نکلتے ہو شام تک واپس آتے ہو، اکیلے پڑے پڑے میں بور ہو جاتی ہوں، واپس آتی ہو تو بھی کتابوں میں منہ دے کر بیٹھ جاتی ہو، کیا کرو گی اتنا پڑھ کر، کرنا وہی چولہا برتن ہی ہے۔" اب وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔

"کیا یار! انا کام کر رہی ہے، یا اللہ ہمارے کچن کی خیر کرنا۔" میرب نے بڑے غلط وقت پر انٹری دی تھی۔

"تم کب آئے؟ اور کچن کی خیر کیوں مانگ رہے ہو، میں تمہیں بدسلیقہ لگتی ہوں، پھوہڑ کہنے کی کوشش کر رہے ہو مجھے؟" تیکھے تیور لئے وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی، پہلے ہی اس کا موڈ آف تھا۔

"کیا مطلب کہ میں کہنے کی کوشش کر رہا ہوں، تم ہو انا۔" میرب نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا۔

"چپ کر جاؤ، بہت پٹو کے میرے ہاتھوں۔" اس نے دھمکی دی، وہ محاذ آرائی میں مصروف ہو چکی تھی، کنزیٰ مسکراتے ہوئے خود کافی بنانے لگی تھی۔

"انا! لڑائی چھوڑو اور میرے لئے بھی ایک کپ کافی بنا دو۔" اسے تپا کر وہ صلح کی کوششیں کر رہا تھا۔

"زہر نہ ملا دوں کافی میں۔" وہ جل کر بولی۔

"زہر نہ بھی ملاؤ، تمہارے ہاتھ سے بنی کافی کا ذائقہ ہی زہر جیسا ہو گا، میں تو پیتے ہی اللہ میاں کو پیارا ہو جاؤں گا۔"

یہ درست تھا کہ انابت رقیم امور خانہ داری کے معاملات میں اناڑی تھی مگر وہ قبول نہیں کرتی تھی اپنی اس کمزوری کو، لیکن میرب اسے ہر دم چھیڑتا رہتا تھا اور ہر روز اس کی جنگ معمول کا حصہ تھی۔

اب بھی اس کے متوقع ردعمل سے پہلے ہی وہ کچن سے نکل چکا تھا جبکہ انابت رقیم لکڑی کا ہلکا سا چمچ اٹھا کر اس کے پیچھے نکلی تھی۔

"آج تو میں تمہیں سیدھا کر دوں گی، ٹھہر جاؤ ذرا۔" اس نے با آواز بلند جنگ کا اعلان کیا، پورے لاؤنج میں وہ انابت رقیم کے چکر لگوا رہا تھا، اچانک وہ دروازے سے باہر نکلا تھا انابت رقیم بھی اس کے پیچھے نکلنے لگی تھی تب ہی شاید وہ اس کی راہ میں حائل ہوا تھا، وہ بری طرح ٹکرائی تھی، اس کا سر شاید دروازے میں لگا تھا، ایک لمحے کے لئے تو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا، دروازہ خاصا مضبوط تھا، انابت رقیم کو تو کم از کم ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔

"یہ گھر ہے کوئی پبلک پلیس نہیں جہاں آپ اندھا دھند واک کر رہی ہیں۔" کرخت مردانہ آواز اس کی سماعت سے ہوتی ہوئی شعور تک پہنچی اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے، فوراً ہی سامنے کا منظر صاف ہوا تھا، جسے وہ اب تک دروازہ سمجھ رہی تھی وہ ایک مضبوط اور بھرپور جاذبیت کے حامل نوجوان کا سینہ تھا، جس نے اس کے دماغ کی چولیں تک ہلا دیں تھیں، اس نے ہڑبڑا کر اس شخصیت کے عقب میں دیکھا، جہاں میرب

مؤدب سا کھڑا تھا، اس کے دیکھنے پر فوراً دانتوں کی نمائش کرنا اس نے ضروری سمجھا۔

"وہ...... میں......" اس سے کچھ بن نہ پڑا تو زبان دانتوں تلے دبا کر خاموش ہو گئی۔

ایش گرے تھری پیس میں ملبوس خطرناک حد تک پرکشش اور جاذب نظر نوجوان نے اس کی زبان گنگ کر دی تھی، اس کی نگاہوں میں واضح ناپسندیدگی کے تاثرات ابھرے تھے۔

"اب اسٹیچو بن کر راستے میں کیوں کھڑی ہیں، ہٹیں یہاں سے مجھے اندر آنے دیں۔" اسے وہیں براجمان دیکھ کر اس نے بیزاری سے کہا تو انابت رقیم کو احساس ہوا کہ وہ ابھی تک دہلیز پر کھڑی ہے بلیک جینز کے ساتھ سلیولیس گھٹنوں سے ذرا اوپر تک آتی شرٹ زیب تن کیے دوپٹے سے بے نیاز یہ لڑکی اسے ایک آنکھ نہیں بھائی تھی، وہ فوراً دو قدم پیچھے ہٹی تھی، وہ بہت تیزی سے اس کے پہلو سے نکل گیا، اس کے بھاری بوٹوں کی دھمک میں اسے اپنا دل اٹکتا محسوس ہو رہا تھا۔

"سوری انا! مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اذن بھائی آ جائیں گے اور آتے ہی تمہاری ان سے ملاقات اس سچوئیشن میں ہو گی۔" میرب خفت زدہ سا اس کے کان کے پاس سرگوشی کر رہا تھا۔

"اٹس اوکے۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔

"انا...... کافی بن گئی ہے لے لو آ کر۔" کنزیٰ نے اسے آواز دی۔

"نہیں اب میرا موڈ نہیں ہے۔" اس نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی، کنزیٰ نے حیرت سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

"کیوں چھیڑتے ہو اسے، دیکھا برا مان گئی۔" کنزیٰ نے میرب کی کھنچائی کی۔

"وہ میری وجہ سے نہیں، اذن بھائی کی وجہ سے ڈسٹرب ہے اپیا۔" میرب نے اسے تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔

"آ گئے اذن بھائی، اچھا میں اسے دیکھتی ہوں، تم کھنک کو اکیڈمی سے لے آؤ۔" کنزیٰ نے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتا نکل گیا۔

☆☆☆

انابت رقیم کی پاکستان واپسی کو چوہدری کریم حاشر سے فی الوقت مخفی رکھا گیا تھا، وہ گزشتہ دو ہفتوں سے ابصار ہاؤس میں مقیم تھی یہ ابصار ہاؤس کے مکینوں کا بے لوث پیار اور چاہت ہی تھی اور کچھ اس کی طبیعت کی بولڈنیس جو وہ بہت جلد ان کے ساتھ ایڈجسٹ کر گئی تھی۔

شہوار ابصار اور ریحان ابصار دونوں نے مل کر ابصار ہاؤس کا آشیانہ سجایا تھا۔

ریحان ابصار کی ازدواجی زندگی صبا کے سنگ گزر رہی تھی ریحان اور صبا کا آنگن کنزیٰ، کھنک اور میرب نے مہکایا تھا جبکہ شہوار ابصار اور در ابصار کے خاندان کو نویان اور اذن ابصار نے مکمل کیا۔

میرب اور کھنک دونوں ایف ایس سی کے فائنل ائیر میں تھے، کنزیٰ اپلائیڈ فزکس میں ماسٹرز کر رہی تھی اور فائنل ائیر میں تھی، اذن ابصار اور نویان ابصار جرنلزم کے بعد اپنا ذاتی رسالہ نکال رہے تھے۔

اذن ابصار گزشتہ دو ہفتوں سے کراچی گئے ہوئے تھے کیونکہ ان کا میگزین بین تھا، اس کی اشاعت پر پابندی تھی لہٰذا وہ انابت رقیم سے نہیں مل سکا تھا تاہم گھر لوٹتے ہوئے سب سے پہلے اس کا سامنا انابت رقیم سے ہو چکا تھا، وجہ اس کا مغربیت کے لبادہ میں لپٹا وجود اور حد سے زیادہ بولڈنیس اذن ابصار چار سال لندن جیسے آزاد خیال شہر میں گزار کر آیا تھا، جدت کے نام پر عریانیت کے کھلے عام مناظر کی نمائش نے اس کی آنکھوں کو جلانا شروع کر دیا تھا، اسے مغربی طرز زندگی سے کچھ پرخاش نہ تھی لیکن مشرقی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لڑکیوں پر خوب غصہ آتا تھا جو فیشن کے نام پر دھڑا دھڑ مغربی اقدار کو اپنا رہی تھیں۔

انابت رقیم کے طور طریقے بھی اسے کچھ خاص پسند نہیں آئے تھے لیکن وہ خاموشی اختیار کر گیا تو محض اس وجہ سے کہ وہ چند دن تک ان کے ہاں مہمان تھی۔

☆☆☆

''کہاں جا رہے ہو تم؟'' ساڑھے گیارہ بجے کے قریب نویان ابصار کو پورچ کی طرف بڑھتا دیکھ کر اذن ابصار نے تیکھے انداز میں دریافت کیا۔

''وہ یار!...... انا نے کچھ کھایا نہیں تو، اصل میں اس کا موڈ نہیں۔'' نویان نے وضاحت دی۔

''تو۔'' اس کی پیشانی شکن آلود ہوئی۔

''تو اسے آئسکریم کھانی ہے وہی لینے جا رہا ہوں۔'' نویان، اذن ابصار سے ڈیڑھ برس بڑا تھا، لیکن دونوں بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین دوست بھی رہے تھے، نویان اور اذن نے ایک دوسرے کے مابین کبھی عمروں کا فرق آنے نہیں دیا تھا۔

''عجیب لڑکی ہے یار! اتنی رات کو آئسکریم کی کیا تک بنتی ہے، آئسکریم سے پیٹ بھرتا ہے کیا؟'' اس نے جل کر تبصرہ کیا آفس بیگ ملازم کے ہاتھ اندر بھجوایا اور گیٹ کے طرف قدم بڑھا دیئے، جس کا مطلب تھا کہ وہ بھی نویان کے ساتھ جا رہا ہے۔

''یار مہمان ہے، مہمان نوازی تو کرنی ہی پڑے گی۔'' نویان نے ہلکا پھلکا انداز اپنایا، مقصد اس کا موڈ بحال کرنا تھا۔

''اور وہ اسودہ رضا کے کیس کا کیا بنا۔'' نویان نے ایک سیاسی نام لیا، جس پر اداریہ لکھنے اور رپورٹ کرنے کے بعد ان کے میگزین کی اشاعت پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔

''کچھ نہیں یار! میں نے بھی اسے بھیگی بلی بنا کر ہی دم لیا۔'' اب کے وہ مسکرایا، گویا وہ اپنی فتح پر خوش تھا۔

''یار! ان لوگوں سے پنگا لینا ٹھیک نہیں اور ہم تو فیملی والے ہیں، ذرا کانٹ چھانٹ کر لکھا کرو قلم کو قلم کی طرح استعمال کیا کرو خنجر کی طرح نہیں کہ جو پڑھے بس کٹ کر گر جائے۔'' نویان نے اسے ہمیشہ کی طرح خبردار کرنا چاہا۔

''اچھا چھوڑو ان باتوں کو...... تم بتاؤ تمہارا انابت کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' اس نے اچانک موضوع بدلا۔

''کیا مطلب؟'' تیکھے چتون تنے تھے۔

''رائے لے رہا ہوں تمہاری۔'' نویان نے مطلع کیا۔

''ٹھیک ہے، مطلب؟ کچھ سمجھ نہیں آیا؟'' وہ جاننے پر مصر ہوا۔

''یار ایک مہمان کی حد تک ٹھیک ہے، لیکن اگر تم پرسنلی پوچھ رہے ہو تو میری رائے ایسی لڑکیوں کے بارے میں جانتے ہو۔'' اس کا اشارہ انابت رقیم کے آزاد پرور ماحول کی طرف تھا۔

''اچھا تو امریکہ میں تربیت پانے والی لڑکی سے تم عبایا پہننے کی امید رکھو تو یہ فضول سوچ ہے۔'' اس کی بات کا مطلب جان کر نویان نے طنز کیا۔

''میں نے ایسا تو نہیں کہا۔''

''تو پھر کیا کہا ہے؟''

''تمہیں کیا تکلیف ہے انابت کے بارے میں میری رائے لینے کی۔'' وہ اچھا خاصا چڑ گیا۔

''کتنی بے باک ہے وہ، تمہیں بھی سب پتہ ہے۔'' اذن ابصار کہنا نہیں چاہتا تھا مگر نویان نے کہلوا کر ہی دم لیا۔

''یار میں نے پہلے بھی کہا ہے امریکہ کی پیداوار ہے تو اتنی بے باکی کی امید تو ہمیں رکھنی ہی چاہیے۔'' اس نے انابت رقیم کا دفاع کرنا

چاہا، جو اس کے نفاست پسند بھائی کو قطعاً پسند نہیں آئی تھی۔

''تم اس کا دفاع کیوں کر رہے ہو؟'' اس نے تیکھے پن سے پوچھا۔

''یار وہ بہت فرینڈلی ہے۔'' نویان پھر گویا ہوا۔

''تم اس کے بارے میں مجھ سے بحث مت کرو، تم سب لوگ تو پتہ نہیں کیوں اس چھٹانک بھر کی لڑکی کے جادو تلے گم ہو، ہر چیز سے بے خبر ہو گئے ہو، چند دن تک اس لڑکی کو برداشت کرنا پڑے گا اس کے بعد تو اسے یہاں سے جانا ہے۔'' اس نے جیسے خود کو تسلی دی۔

''اور اگر وہ ساری عمر کے لئے پلے پڑ گئی تو؟'' مطلوبہ آئس کریم کی پیکنگ کا آرڈر دیتے ہوئے اس نے شرارت سے کہا۔

''کنزیٰ کو بتاؤں گا کہ تمہارے ارادے نیک نہیں ہیں۔'' اذن ابصار نے اس کی بات میں اسے ہی پکڑا۔

''ارے نا کر یار، میں نکاح شدہ بچہ ہوں اور ویسے بھی وہ مجھے کھنک کی طرح ہی پیاری لگتی ہے۔'' اس نے فوراً اپنا قانونی رشتہ واضح کیا، کنزیٰ اور نویان کا دو سال قبل نکاح ہو چکا تھا اور کنزیٰ کے فائنل سمسٹر کے بعد باقاعدہ رخصتی اور ولیمہ کی تقریب ہونا قرار پائی تھی۔

''اور میں تمہیں شتر بے مہار لگتا ہوں، حیا کے علاوہ کسی کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا۔'' اس نے اپنی منگیتر کا نام لیا، کوئی باضابطہ اعلان تو نہیں تھا لیکن دونوں گھرانے کچھ ایسا ہی ارادہ رکھتے تھے حیا ان کی خالہ زاد کزن تھی، لہٰذا اپنی اپنی جگہ وہ مائنڈ میک اپ کر چکے تھے۔

''یہ تو کوئی توجیح نہیں پھر بھی اگر ایسا کچھ ہو جاتا ہے تو؟'' اذن ابصار نے غصے سے مٹھیاں بھینچیں اس کا مذاق اسے قدرے ناگوار گزرا تھا۔

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے، تم کیوں فضول میں ''انابت نامہ'' کھول کر بیٹھ گئے ہو؟ تم مجھے اس سترہ اٹھارہ سال کی لڑکی سے منسوب کر رہے ہو، جس میں میسرز نام کی کوئی چیز نہیں جو ابھی بچپنے سے ہی باہر نہیں آئی، وہ میری طبیعت سے ایک فیصد بھی نہیں ملتی، اسے دیکھتے ہی میرا خون رگوں میں ابلنے لگتا ہے، ایک لمحہ کے لئے میں اسے ہنسی خوشی برداشت نہیں کر سکتا کجا کہ ساری عمر......''

''جس کے ساتھ اس کی شادی ہو گی وہ یقیناً کوئی ابنارمل انسان ہی ہو گا۔'' اس کی مذاق میں کہی گئی بات اذن ابصار کو تلووں لگی اور سر پہ بجھی۔

''اچھا چھوڑ یار، جسٹ ریلیکس، میں تو محض مذاق کر رہا تھا اور ویسے بھی حالات سنبھلتے ہی رقیم انکل اسے واپس بلا لیں گے۔'' نویان ابصار نے اس کے غصے کو ٹھنڈا کرنا چاہا، وہ آئسکریم پارلر سے باہر نکل رہے تھے۔

''اچھا رحمان آفندی سے انٹرویو کی ڈیٹ فائنل ہوئی۔'' اس نے اس کی توجہ آفس کے امور کی جانب مبذول کروائی۔

''ہاں یار، ڈیٹ اور ٹائم دونوں مل گئے ہیں۔'' انابت رقیم کو اپنے ذہن سے جھٹکتے ہوئے اس نے نویان ابصار کو تفصیلاً آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

''مجھے لانگ ڈرائیو پر جانا ہے۔''

وہ اذن ابصار کے سامنے کھڑی یوں فرمائش کر رہی جیسے دونوں برسوں کے رفیق ہوں، ڈھیلا ڈھالا کاٹن کا ٹراؤزر اور اسکن ٹائٹ کی شرٹ پہنے وہ اسے زہر سے بھی زیادہ بری لگی تھی، گزشتہ ڈھائی ماہ میں یہ دن کی پہلی روبرو گفتگو تھی، اس کے عقب میں ردا بھی کھڑی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ کون سا وقت ہے اس فضول فرمائش کا۔'' اذن ابصار نے اس کی توجہ وقت کے بہتے دھارے کی طرف مبذول کروائی، بارہ بج رہے تھے وہ صرف ردا کی وجہ سے تحمل سے کام لے رہا تھا وگرنہ وہ ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا، مگر اس کے چہرے کے بھڑکیلے تاثرات انابت رقیم کو سب کچھ باور کروا رہے تھے۔

''انا بیٹا آپ اپنے روم میں چلو، میں اس سے بات کرتی ہوں۔'' اس کے موڈ کے زیر اثر ردا نے جلدی سے کہہ کر اسے رخصت کیا، تو وہ اثبات میں سر ہلاتی واپس ہوگئی۔

''یہ کوئی وقت نہیں ایسے چونچلوں کا، میں اسے کہیں نہیں لے جا رہا۔'' اس کے نکلتے ہی اس نے تمام لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے تڑخ کر کہا۔

''لے جاؤ اذن! اس نے تمہارے پاپا سے پرمیشن لی ہے۔'' ردا نے حدوت آمیز لہجے میں کہا تو اذن ابصار کو تو جیسے پتنگے لگ گئے۔

''سو واٹ مما؟ پاپا نے اس لڑکی کی خاطر ہمارے گھر کے اصول بدل دیئے، کہاں لڑکوں کو بارہ بجے کے بعد گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں وہاں اسے لانگ ڈرائیو کی اجازت دے دی گئی، پچھلے ڈھائی ماہ سے میں اس لڑکی کو برداشت کر رہا ہوں، مگر اب مزید نہیں کر سکتا۔'' اس کی آواز قدرے بلند تھی۔

''آواز دھیمی رکھو، مہمان ہے وہ یہاں، اس کی ضرورتوں کا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے تنہا بیٹی کو اتنے سارے اجنبیوں کے درمیان رقیم بھائی نے تمہارے پاپا کے بھروسے بھیجا ہے اس کی خواہشات کا خیال ہمیں ہی کرنا ہے مگر تم نے تو اول دن سے ہی جانے کیوں بچی سے بیر باندھ لیا۔'' ردا نے اس کی درگت بنانا لازمی سمجھا۔

''چلو بات ہی ختم۔'' اذن ابصار نے جل کر سوچا۔

''سیدھے منہ بات تک نہیں کی کبھی تم نے، باقی بچے بھی ایگزامز میں مصروف ہیں، سارا دن ہم اسے بہلاتے رہتے ہیں، خوب ہی کمپنی دے رہو تم بہن بھائی مل کر اسے۔'' انہیں اذن کے ساتھ ساتھ باقی سب پر بھی غصہ آیا تھا۔

''کہیں سے مہمان لگتی ہے وہ آپ کو؟'' اس نے چڑ کر کہا۔

''مجھے مت سمجھاؤ تم، لے جا رہے ہو یا نہیں، نویان بھی آؤٹ آف سٹی ہے ورنہ اسے ہی کہہ دیتی۔'' اس کی تیوریوں کو نظر انداز کرتی وہ درشتی سے بولیں۔

''لے جا رہا ہوں اس کو، لیکن اسے کہہ دیں کوئی ڈھنگ کا لباس پہن لے، ایسے اوٹ پٹانگ حلیے میں، اس میں کہیں نہیں لے کر جاؤں گا۔'' اس نے صاف لفظوں میں اپنا مطالبہ بتایا اور چینج کرنے کے لئے واش روم میں گھس گیا۔

ردا نے فوراً اس کی بات مان لی، غنیمت تھا کہ وہ مان گیا تھا، کچھ ہی دیر بعد وہ کف موڑتا ہوا پورچ تک آیا تھا جہاں انابت رقیم پہلے سے ہی موجود تھی، جینز کے ساتھ لانگ شرٹ پہنے، بڑا سا دوپٹہ اوڑھے وہ کافی حد تک معقول لگ رہی تھی، دوپٹہ آدھا کندھے پر جھول رہا تھا اور آدھا زمین کی زینت بنا ہوا تھا، اذن ابصار کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے نجانے کیوں اس کی دھڑکن کی رفتار بڑھ گئی تھی، اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالتی وہ بظاہر بہت پراعتماد نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''کیا پرابلم تھی ان کپڑوں میں، اچھے بھلے تو تھے آپ بھی حد کرتے ہیں، بات تک کرنا مجھ سے پسند نہیں کرتے اور میری ڈریسنگ پر کتنی تنقید کرتے ہیں۔'' حسب عادت اس نے کھلے ڈلے الفاظ میں اپنا خیال ظاہر کیا اذن ابصار کو بے حد غصہ آیا تھا، جس کا اظہار اس نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا کر کیا تھا۔

سڑکیں ویران اور خاموش تھیں، صبح جہاں ٹریفک کے اژدھام ہوتے تھے وہاں اب تاریکی اور خاموشی مل کر کوئی پراسرار داستان پیش کر رہی تھیں۔

انابت رقیم بہت دلچسپی سے باہر اندھیرے کو دیکھ رہی تھی۔

''گاڑی تو آہستہ چلائیں، کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا سب کچھ ایک دوسرے کے پیچھے جیسے بھاگ رہا ہے۔'' اس نے حکم صادر کیا۔

''میں تمہارے آرڈر کا پابند نہیں ہوں، چپ چاپ بیٹھی رہو۔'' اس نے تڑخ کر کہا، تو انابت رقیم نے رخ موڑ کر نیوی بلیو اور اسکائی بلیو کنٹراسٹ کی جینز شرٹ میں ملبوس اس بے حد وجیہہ شخص کو دیکھا، جسے دیکھتے ہی اس کا دل عجیب عجیب خواہش کرنے لگتا تھا۔

وہ دانستہ طور پر اسے نظر بھر کر دیکھ بھی نہیں پاتی تھی۔

''بہت بری بات ہے، مہمانوں کی مہمان نوازی خندہ پیشانی سے کرنی چاہیے۔'' اس نے نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹا کر شرارتی انداز میں کہا۔

''اب تم مجھے ضابطے اور طور طریقے سکھاؤ گی۔'' وہ جل کر بولا۔

''اتنی رات کو اس فضول حرکت کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟'' اذن ابصار کا اشارہ لانگ ڈرائیو پر آنے کی طرف تھا، لہجے میں ہلکی سی تپش بہت نمایاں تھی۔

''بس ویسے ہی نیند نہیں آ رہی تھی اور ویسے بھی میرا دل کر رہا تھا باہر گھومنے کو۔'' اس نے بہت سادگی سے کہا، بڑی بڑی شفاف شہد رنگ چمکتی آنکھیں اذن ابصار کے چہرے پر جمی تھیں۔

''اپنے دل کو قابو میں رکھا کرو، کبھی کوئی ناقابل رسائی خواہش کر بیٹھا تو ساری عمر سر پر ہاتھ رکھ کر رونا پڑے گا۔''

''آپ مجھے بد دعا دے رہے ہیں؟'' اس نے دہل کر دل پر ہاتھ رکھا، اذن ابصار نے بہت غور سے پہلو میں بیٹھی لڑکی کو دیکھا، وہ بے حد سفید لڑکی مسکرا رہی تھی اس کے گلابی ہونٹ بڑے دلکش انداز میں پھیلے تھے اور مسکراتے ہوئے اس رخسار پر گہرا ہوتا بھنور اسے کوئی پری بنا رہا تھا، سوڈیم لائٹ میں اس کی گوری رنگت اس مدھم روشنی کو شکست دے رہی تھی، اذن ابصار کے غصے پر یکدم ہی جیسے اوس پڑی تھی، اس نے سختی سے لب بھینچ کر خود کو کچھ بھی کہنے سے باز رکھا۔

وہ کافی دیر تک اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا تھا لیکن اس کی مکمل خاموشی سے اسے بالآخر رخ موڑ کر اسے دیکھنا ہی پڑا، وہ سر جھکائے بے آواز رو رہی تھی۔

اذن ابصار کو سمجھ نہیں آیا کہ اس نے انابت رقیم سے ایسی کیا سخت بات کہہ دی جو وہ یوں رو رہی تھی، اذن ابصار نے گاڑی کی اسپیڈ آہستہ کی اور قدرے کنارے پر جا کر بریک لگا دی۔

بریک لگتے ہی وہ گاڑی سے باہر نکل گئی، اس کے آنسوؤں میں روانی آئی تھی، اذن ابصار بھی کوفت زدہ سا اس کے پیچھے آیا تھا۔

''اگر تمہیں فاسٹ ڈرائیونگ سے ڈر لگتا ہے تو تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا۔'' اذن ابصار یہی قیاس کر پایا تھا کہ شاید تیز رفتار گاڑی دوڑانے کی وجہ سے خوف زدہ ہے۔

''نہیں مجھے فاسٹ ڈرائیونگ سے ڈر نہیں لگتا۔'' اس کی غلط فہمی دور کرنا اس نے بھی ضروری سمجھا تھا، اس کی آواز میں رونے کی وجہ سے ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

''تو پھر۔'' اذن ابصار اس سارے معاملے سے اکتانے لگا تھا۔

''وہ...... مجھے...... مام اور ڈیڈ یاد آ رہے ہیں۔'' انابت رقیم نے ہچکچاتے ہوئے اسے بتایا، اذن ابصار کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ میں گھر میں روتی تو انکل، آنٹی کنزئی وغیرہ پریشان ہو جاتے، اس وجہ سے میں نے......'' اس کے غصے کے پیش نظر اس نے فوراً وضاحت دی اور اذن ابصار کو صحیح معنوں میں اندازہ ہوا تھا کہ ابھی وہ کتنی بچی ہے۔

''اور اب یوں میں پریشان نہ ہوتا؟'' اذن ابصار نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''نہیں آپ پریشان نہیں ہوئے۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''تو پھر کیا ہوتا؟'' اذن ابصار نے بڑے اطمینان سے سینے پر ہاتھ باندھے، اس کے جوابات کافی دلچسپی کے حامل تھے۔

''آپ غصہ کرتے، جیسے اب کر رہے ہیں۔'' اس نے صاف گوئی کی حد کر دی، بہت بیزاری اور کوفت کے باوجود اس کا موڈ خوشگوار ہونے لگا تھا۔

''ویسے تم تکیے میں منہ چھپا کر بھی تو رو سکتی تھیں ایسی مظلومیت کے دور میں اکثر لڑکیاں تکیے کو ہی سیراب کرتی ہیں۔'' ڈیش بورڈ سے ٹشو نکال کر اسے تھماتے ہوئے اذن ابصار نے قیمتی مشورے سے نوازا۔

''نہیں مجھے تکیے میں رونا نہیں آتا۔'' ناک رگڑتے ہوئے اس نے کہا۔

''اچھا اب چلیں یا کوئی کوٹہ باقی ہے رونے کا؟''

''چلیں میں تو بس......'' وہ خجل سی ہو گئی، واپسی کا پورا راستہ وہ خاموش رہے تھے مگر اذن ابصار اب پہلے کی طرح سلگ نہیں رہا تھا۔

☆☆☆

تین بجے خود بخود اس کی آنکھ کھل گئی تھی، کمرے کی لائٹ آن تھی وہ ایک ہی جست میں اٹھ کر بیٹھ گئی، دو تین چھینٹے چہرے پر مارنے کے بعد وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل آئی، کنزئی اسے لابی میں مل گئی، اس نے چاروں طرف نماز کے اسٹائل میں دوپٹہ لپیٹا ہوا تھا۔

''تم اٹھ گئیں، میں تمہیں ہی بلانے جا رہی تھی۔'' اس دیکھتے ہی اس نے خیر مقدمی مسکراہٹ سے نوازا۔

''ہاں یار، میں تو ایک ایک منٹ گن گن کر سحری کے ٹائم کا انتظار کرتی ہوں، اتنے سارے لوگ، نوک جھونک اور مسکراہٹیں دیکھ کر مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے پوری سچائی سے اعتراف کیا۔

رمضان المبارک کا مقدس مہینہ شروع ہو چکا تھا، اسے صحیح معنوں میں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس گھر میں برکتوں کا نزول شروع ہو چکا ہے، اسے اس گھر کے ہر فرد میں عجیب سی کشش محسوس ہوتی تھی نجانے کیوں اسے ابصار ہاؤس اور اس کے مکینوں سے بہت انسیت ہو چلی تھی۔

''کیوں کہ تم خود بہت اچھی ہو، اس لئے تمہیں ہم بھی اچھے لگتے ہیں۔'' کنزئی نے اسے کسی چھوٹے بچے کی طرح پچکارا، تو وہ کھلکھلائی۔

''تم کچن میں چلو میں اذن بھائی کو اٹھانے کی کوشش کرتی ہوں۔'' اس نے انابت رقیم سے کہا، اس نے محسوس کیا تھا کہ اذن ابصار سحری کے بغیر ہی روزہ رکھنے کا عادی تھا، آج چوتھا روزہ تھا اور گزشتہ تین روز میں ایک بار بھی اس نے اذن ابصار کو سحری کے لئے آتے نہیں دیکھا تھا۔

''جیسے تم اٹھاؤ گی ویسے تو کھنک بھی نہیں اٹھے گی، اتنی آہستہ تو آواز ہے تمہاری اور اذن ابصار کیا خاک اٹھیں گے۔'' اس نے خفیف سا طنز کیا۔

''تو کیا کروں ڈھول بجاؤں کانوں کے پاس۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''آج میں مسٹر اذن کو اٹھاؤں گی اور دیکھنا زندگی بھر یاد رکھیں گے۔'' اس نے ارادہ باندھا۔

''کیا کریں گی آپ محترمہ؟'' اذن ابصار کے کمرے کے قریب جا کر وہ رک گئیں تھیں۔

''تم بس دیکھتی جاؤ۔'' اس نے آنکھ دبا کر معنی خیزی سے کہا۔

''نتائج کی ذمہ دار تم خود ہو گی، تمہیں نہیں پتہ، اذن بھائی بہت غصے والے ہیں۔'' اس نے انابت رقیم کو مطلع کیا۔

''ڈونٹ وری، بس یار آج میں تمہیں بتاتی ہوں کہ پانی محض فریج کی زینت بنانے کے لئے نہیں ہوتا بوقت ضرورت اسے استعمال میں بھی لایا جانا چاہیے۔'' وہ ٹھنڈے پانی کا جگ بھر لائی تھی۔

''تم کیا کرنے لگی ہو انا؟'' کنزئی جسے اب تک مذاق سمجھ رہی تھی اب سچ مچ خوف زدہ ہو گئی۔

''میں آپ کے اذن بھائی کو سحر خیزی کی عادت ڈلوانے لگی ہوں۔'' انابت رقیم نے بہت معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''انا پلیز۔''

''یار تم جاؤ نا، جو ہو گا میرے ساتھ ہو گا، ویسے تم پریشان مت ہو، انشا اللہ دس منٹ میں اذن ابصار کچن میں ہوں گے۔'' اس کا ارادہ جیسے مصمم تھا۔

کنزئی کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے وہ اذن ابصار کے کمرے میں دبے پاؤں داخل ہو گئی، سر تا پیر کمبل تانے، اسے سی فل کیے وہ مزے سے محو استراحت تھا، وہ جی کڑا کر کے آ تو گئی مگر دل کانپ رہا تھا چند لمحے وہ دم سادھے کھڑی رہی، اس کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ پیدا ہوئی تھی مگر پھر اس نے تمام جھجک پس پشت ڈال کر تیزی سے کمبل کھینچا اور ٹھنڈے پانی کا پورا جگ اس کے چہرے پر انڈیل دیا۔

اذن ابصار ہڑبڑا کر اٹھا تھا، اس پر جیسے کسی نے سوتے ہوئے بارش کر دی تھی اس کی حسیات بڑی تیزی سے بیدار ہوئی تھیں مگر اس کے اٹھنے سے قبل ہی انابت رقیم کمرے کی دہلیز پار کر چکی تھی، اسے اس غیر معمولی حرکت پر جی بھر کر غصہ آیا تھا، ایک سرد نگاہ اپنے بھیگے بستر اور حلیے پر ڈالتا وہ سلگتا ہوا واش روم میں گھس گیا کہ اب سونے کا کوئی فائدہ نہ تھا، کچھ دیر بعد اسے کچن میں داخل ہوتے دیکھ کر تمام جملہ افراد حیران رہ گئے تھے، گزشتہ کئی برس سے اس کی یہی عادت تھی وہ بغیر سحری کیے روزہ کی نیت باندھ لیتا، انابت رقیم نے بہت فاتحانہ نگاہوں سے کنزئی کی طرف دیکھا، اس نے اپنے قول کے مطابق کر دکھایا تھا، اذن ابصار واقعی دس منٹ میں پہنچا تھا۔

''اذن کیا لو گے بیٹا؟'' ردا نے ڈائننگ چیئر پر براجمان ہوتے دیکھ کر خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''کچھ نہیں مما، بس آپ کو تو پتہ ہے اتنی علی الصبح مجھ سے کچھ نہیں کھایا جاتا۔'' اس نے اپنی عادت بیان کی۔

''اوہ ہمیں تو لگا ہمارے بیٹے کی عادت بدل گئی ہے تو برخوردار آج آپ بیدار کیسے ہو گئے؟'' پراٹھے کا نوالہ توڑتے ہوئے شہوار ابصار نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''وہ......بس پاپا......سب جاگ رہے تھے تو میں بھی اٹھ گیا۔'' اس نے اصل بات بتانا مناسب نہیں سمجھا۔

انابت رقیم نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا، اب وہ اسکن آرام دہ شلوار سوٹ میں ملبوس تھا، کف کہنیوں تک مڑے ہوئے تھے، بکھرے بال اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ انہیں سنوارنے کی کوشش نہیں کی گئی، محض انگلیاں چلا کر کام چلایا گیا ہے، کھڑے کھڑے سے مغرور نقوش کچھ اور دلفریب لگ رہے تھے اور چہرے پر چھائی سنجیدگی اس کو مزید باوقار ثابت کر رہی تھی، انابت رقیم نے ایک ہارٹ بیٹ بے ساختہ مس کی۔

''چلو اب اٹھ ہی گئے ہو تو ایک گلاس دودھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی پی لو۔'' صبا نے پیار سے کہا۔
اس نے اثبات میں سر ہلایا، وہ تمام جملہ افراد کا جائزہ لے رہا تھا، شہوار ابصار اور ریحان ابصار سحری کے بعد کچن سے نکل چکے تھے، میرب اور کھنک کو صبا زبردستی مزید کھانے پر آمادہ کر رہی تھیں، کنزئی برتن سمیٹ رہی تھی، اس نے گہری نگاہوں سے انابت رحیم کا جائزہ لیا، اس کی نگاہوں کی تپش اور توجہ محسوس کر کے وہ بے ساختہ مضطرب ہوئی تھی، جگ پکڑنے کی کوشش میں اس کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ ہوئی تھی جو اذن ابصار کی عقابی نگاہوں سے چھپی نہ رہ سکی تھی، اسے اپنے مشاہدے کا جواب مل چکا تھا، وہ اپنے گھر والوں کے طور طریقوں سے بخوبی واقف تھا، کھنک، میرب یا کنزئی میں سے کوئی یہ حرکت نہیں کر سکتا تھا، یہ یقیناً انابت رحیم کی شرارت تھی جس پر مہر اس کے خوف زدہ انداز نے ثبت کی تھی، انابت رحیم کا سانس سینے میں ہی اٹک گیا تھا، وہ دودھ کا گلاس ایک ہی سانس میں چڑھا گیا اور دل ہی دل میں اس کی کلاس لینے کا ارادہ باندھتا وہ کچن کی دہلیز پار گیا، اس کے نکلتے ہی انابت رحیم کی رکی سانسیں بحال ہوئی تھیں۔

☆☆☆

اذن ابصار بہت تیزی سے لاؤنج میں داخل ہوا، اسے ردا نے کسی ضروری کام کے سلسلے میں بلوایا تھا، مگر اندر کے منظر نے اسے ایک پل کے لئے شدید خفت کا شکار کر دیا تھا۔
انابت رحیم ایک لڑکی کی گود میں سر رکھ کر لیٹی تھی، دو لڑکیاں فلور کشن پر بیٹھی چپس سے بھرپور انصاف کرنے میں مصروف تھیں، جبکہ ایک صوفے پر آڑھی ترچھی لیٹی تھی، اذن ابصار جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا اوپر چلا گیا۔
بلیک ٹو پیس میں ملبوس اذن ابصار ان پر قاتلانہ وار کرتے ہوئے جا چکا تھا۔

''یہ کون تھا؟'' عاشی نے بہت اشتیاق سے پوچھا۔
''نویان بھائی سے چھوٹے ہیں اذن ابصار۔'' اس نے مختصر تعارف کروایا۔
''کیا زبردست چیز ہے یار۔'' روبی نے ہاتھوں کو مسلتے ہوئے بہت رومانوی انداز میں کہا، انابت رحیم تائیدی انداز میں مسکرائی۔
''کہیں انگیجڈ ہیں یا ابھی ہمارے لئے کنوارے بیٹھے ہیں۔'' رمل نے اک ادا سے کہا تو عاشی اور روبی کا بے ساختہ قہقہہ ابل پڑا۔
''پتہ نہیں...... میں نے کبھی انٹرسٹ نہیں لیا۔'' انابت رحیم نے لاپرواہی سے کہا۔
''اُف...... تیرے گھر میں پرنس آف ویلز ہے اور تجھے اس کے بارے میں پتہ نہیں۔'' رمل کو تو گویا صدمے سے غش آنے والی تھی۔
''وٹس رونگ ود یو رمل، تم کیوں ان کے پیچھے پڑ گئی ہو۔'' اس نے چڑ کر کہا۔
''اوں ہوں...... ان کے۔'' عاشی نے پورے جملے میں سے اپنے کام کا لفظ پکڑا اور انابت رحیم جل سی ہو گئی۔
''بتاؤ کیا سین ہے؟'' روبی نے معنی خیزی سے کہا۔
''کیا مطلب؟ سین؟'' انابت رحیم نے ابرو سکیڑے۔
''تمہارا اور ان کا۔'' رمل نے بھنویں اچکائیں۔
''اذن ابصار...... جانے دو یار کیوں مروانی ہو۔'' اسے خوف سے جھرجھری سی آ گئی۔
''زیادہ معصوم بننے کی ایکٹنگ مت کرو۔'' انہیں یقین نہ آیا اور اب کڑے تیور لئے اس سے پوچھ رہی تھیں۔
''قسم لے لو یار، مجھے دیکھ کر تو یوں غائب ہوتے ہیں جناب جیسے گدھے کے سر سے سینگ سیدھے منہ بات تک نہیں کرتے مجھ سے۔'' اس

نے فوراً سچ اگلا۔
''یہ کوئی بڑی بات نہیں انا، یہ سب لڑکیوں کو امپریس کرنے کے لڑکوں کے فارمولے ہیں۔'' رمل نے شان بے نیازی سے کہا۔
''اکڑ دکھا کر پہلے خود کو لاپرواہ شو کرتے ہیں، بعد میں دم چھلا بنے گھوم رہے ہوتے ہیں۔'' رمل نے اپنی ماہرانہ رائے پیش کی۔
''ویسے انا یار جتنی تم خوبصورت ہو، موصوف دل ہی دل خواہش تو ضرور رکھتے ہوئے بس اقرار سے ڈرتے ہیں۔'' روبی نے لقمہ دیا۔
''نہیں مجھے ایسا نہیں لگتا۔'' انابت رحیم نے فوراً تردیدی بیان جاری رکھا۔
''ٹھیک ہے پھر تو میرا چانس لگ سکتا ہے۔'' عاشی نے قدرے ترسے ہوئے لہجے میں وہ تینوں ہی مسکرا دیں۔
''نہیں ہیں وہ ایسے، تو انہیں اپنا بنا لو انا میڈم، ان پر راستہ تنگ کر دو، انہیں چاروں شانے چت کر دو۔'' روبی نے مشورے سے نوازا۔
''نہیں یہ مناسب نہیں۔'' وہ ہچکچائی۔
''کم آن وہ یقیناً تمہارے ہی سگنل کے انتظار میں ہیں ادھر تو لِفٹ دکھاؤ ادھر موصوف آپ کے قدموں میں ڈھیر ہوں گے۔'' رمل نے چٹکیوں میں بات اڑائی۔
''یار جتنے وہ خوبصورت ہیں، فی الحال تو میرا دل ان کے قدموں میں ڈھیر ہونے کو مچل رہا ہے۔'' عاشی کی رگ محبت پھر پھڑکی تھی۔
''یار اذن ابصار تو تمہارے ہوئے، چلو ہم نے قربانی دے دی اپنا پیار تمہارے حوالے کر کے۔'' عاشی نے معصوم سی شکل بنا کر لہجے میں بیچارگی سمو کر کہا۔
''کیا ان کا کوئی اور بھائی ہے؟'' اس کے لہجے میں بڑی شریری آس تھی۔
''ہاں ہیں۔'' انابت نے بھی اسی کے انداز میں کہا۔
''واہ پھر تو کمال ہو گیا۔'' عاشی نے خوشی سے لوٹ پوٹ ہوتے ہوئے کہا۔
''لیکن وہ نکاح شدہ ہیں۔'' انابت رحیم نے اس کے ارمانوں پر اوس گرائی، اس کا لٹکتا چہرہ دیکھ کر وہ تینوں بے ساختہ کھلکھلائی تھیں کچھ ہی دیر بعد عاشی کی ہنسی کی گونج بھی ان کے قہقہوں میں شامل تھی۔

☆☆☆

سورج کی کرنیں الوداع کہتی ہوئی دیواروں سے ڈھل رہی تھیں جب اذن ابصار آفس سے لوٹا تھا، ردا اور صبا نے سختی سے انہیں افطاری سے قبل لوٹ آنے کی تنبیہ کی تھی لہٰذا وہ مقررہ وقت سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے، اذن ابصار فریش ہونے کی غرض سے اپنے کمرے میں آیا۔
اندر داخل ہوتے ہی اس کی نظر بیڈ کے وسط میں پڑے ایک بے حد خوبصورت بوکے اور اس کے نیچے رکھے کارڈ پر پڑی، اس نے فطری تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر کارڈ اٹھایا، اس پر سنہری رنگ سے ''فار مائی لو'' کے الفاظ درج تھے، اس نے اندر سے کھول کر تحریر پر نظر دوڑائی تو غصے کی شدید لہر اس کے وجود میں دوڑ گئی، انابت رحیم نے اپنی محبت کا اظہار بہت رومانوی انداز میں کیا تھا اور آخر میں درج یہ الفاظ۔
''صرف اور صرف آپ کی انابت رحیم۔''
اذن ابصار کے غصے کو ہوا دینے کے لئے کافی تھے، قدرے تپے ہوئے انداز میں اس نے لب بھینچے اور کارڈ واپس بیڈ پر اچھال دیا، اسے انابت رحیم سے اس قدر گھٹیا اور بے باک حرکت کی امید نہ تھی۔
وہ پہلے بھی اس کی حرکت نظر انداز کر گیا تھا مگر اب ضبط محال تھا، اس کا خون صحیح معنوں میں رگوں میں ابلنے لگا تھا، اس کا دل چاہا تھا ایک دفعہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زبردست طریقے سے انابت رقیم کی طبیعت صاف کر دے، وہ بہت تپا ہوا اپنے کمرے سے باہر نکلا، اس کی شاید قسمت خراب تھی جو وہ اسے سیڑھیاں پھلانگتی راستے میں ہی مل گئی تھی، اذن ابصار نے بہت اشتعال سے اس کا بازو دبوچا اور تقریباً گھسیٹتے ہوئے اسے اپنے کمرے میں لے آیا۔

وہ اس اچانک افتاد کے لئے تیار نہ تھی لہٰذا احتجاج بھی نہ کر پائی، درد کی ایک شدید لہر اس کے وجود کے آر پار ہوئی تھی، جس مضبوطی سے اذن ابصار نے اس کا بازو اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا، اسے لگا تھا جیسے ہڈیاں ٹوٹ گئی ہوں، انابت رقیم کو اس نے ایک جھٹکے سے چھوڑا تھا، وہ بہت مشکل سے توازن برقرار رکھ پائی تھی۔

''اس گھٹیا حرکت کا مقصد؟'' کڑے تیور لئے وہ اس پر برس پڑا۔

''آپ کو نہیں پتہ؟'' اس نے معصومیت کی حد کر دی۔

''کمال ہیں آپ مس انابت رقیم، اتنی گھٹیا حرکت کرنے باوجود کوئی ندامت نہیں آپ کو اپنے کیے پر۔'' اس کے اطمینان پر اذن ابصار نے سلگ کر طنز کا وار کیا۔

''اس میں برائی ہی کیا ہے؟ اگر میں آپ کو پسند کرتی ہوں تو اس کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں۔'' انابت رقیم نے گویا اذن ابصار کو سمجھانا چاہا، اس کے تاثرات یکدم سختی اختیار کر گئے تھے، ایک تند و بتر نظر اس کے بے باک سراپے پر ڈال کر وہ خود ساختہ پچھتایا تھا گھٹنوں سے ذرا نیچے تک آتا ٹراؤزر اور اسکن ٹائٹ شرٹ ہیں ڈیپ گلے کے ساتھ وہ کوئی ماڈل ہی لگی تھی، اس کے دل میں نفرت کی جڑیں مزید گہری ہوئی تھیں۔

''جہاں سے تم آئی ہو وہاں ان باتوں کو معمولی گردانا جاتا ہو گا مگر یہاں یہ سب بہت معیوب سمجھا جاتا ہے۔'' اس نے دبے دبے مگر مرتعش لہجے میں کہا۔

''جہاں سے میں آئی وہاں بھی انسان بستے ہیں، بار بار یہ طعنہ دے کر آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟'' اسے ناگوار گزرا تھا اس کا گزشتہ حوالہ دینا۔

''میں کچھ ثابت نہیں کرنا چاہتا تمہارا وجود ہی تمہارے پس منظر کا ثبوت ہے۔'' اس نے ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا، وہ تڑپ کر اس کے سامنے آئی تھی۔

''جیسی آپ کی پرسنالٹی ہے آپ کو یہ ٹیپکل مردوں والی سوچ بالکل سوٹ نہیں کرتی، آپ کو تو بہت براڈ مائنڈڈ ہونا چاہیے۔'' اس نے اپنا خیال پیش کیا، وہ اسے تنگ نظر کہہ رہی تھی اس کا پارہ ہائی ہونے لگا تھا، وہ ایک قدم آگے بڑھا۔

''تم خود کیا ہو، اپنی حدود و قیود سے واقف ہو، جو مجھ پر رائے دہی کر رہی ہو۔'' وہ تنک کر بولا۔

''غصہ کس بات پر ہے آپ کو، آئی نو کہ پسند تو آپ بھی مجھے کرتے ہیں۔'' اس نے روبی کی قیاس آرائی من و عن اذن ابصار تک پہنچائی، اس کا جی چاہا تھا اس لڑکی کو دھنک کر رکھ دے۔

''کچھ شرم لحاظ ہے تم میں یا نہیں، کس حق سے تم یہ سب کہہ رہی ہو، کیا عہد و پیماں باندھے ہیں میں نے تم سے جو تم خوش فہمی کا شکار ہو رہی ہو، دلچسپی تو میں نے پہلے بھی کبھی تم میں نہیں لی اور اب تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔'' اس نے تمام لحاظ بالائے طاق رکھ کر کھری کھری سنائیں۔

''آپ یوں بھڑک رہے ہیں جیسے نجانے میں نے کیا گناہ کبیرہ کر دیا ہے، ایک اظہار محبت ہی تو کیا ہے اور ویسے بھی رائے دہی حق تو عورت کو اسلام نے بھی دیا ہے۔'' اپنے تئیں اس نے بہت سمجھداری کا کام کیا تھا، وہ چڑ کر بولی، اب تو

اپنی تذلیل وہ بہت برداشت سے سن رہی تھی، وہ مڑی اور تیزی سے اس کے پہلو سے نکل جانا چاہا۔

اذن ابصار نے اسی تیزی سے دونوں شانوں سے تھام کر اپنے سامنے کیا تھا۔

''میں تم سے کوئی تلخ بات کہنا نہیں چاہتا تھا مگر تمہیں عزت راس نہیں آتی، اسلام نے رائے دہی حق دیا ہے نامحرم مرد سے کھلے عام عشق و معاشقے کا نہیں اپنی نادر معلومات میں اضافہ کر لو، پہلے بھی تمہاری نامعقول حرکات محض میزبان بن کر برداشت کی ہیں، اب تم نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو بہت بری طرح پیش آؤں گا۔'' اس کی آنکھیں تپش برسا رہی تھیں وہ نجانے کیوں جلنے لگی تھی۔

''اور مجھ سے محبت کر کے تم نے کوئی معرکہ سر انجام نہیں دیا یہ اعجاز صرف مرد کو حاصل ہے کہ وہ اپنی محبت سے عورت کو سنوار دے نا کہ عورت کو حاصل ہے کہ کھلے عام منادی کرتی پھرے، اپنی مغربی اور پست سوچ کو مجھ پر لاگو کرنے کی کوشش مت کرنا، یہ حسن کے مظاہرے کسی اور کو دکھا کر متاثر کرنا، اگر تم دنیا کی آخری لڑکی بھی ہوتی تو اذن ابصار پھر بھی تمہیں منتخب نہیں کرے گا۔'' آنچ دیتے مدھم لہجے میں کھولتے ہوئے اس نے اسے پرے دھکیلا، وہ اجنبیت سے بھرپور لہجے میں غرایا، وہ بے توازن ہو کر بیڈ پر گری تھی، شولڈر کٹ سیاہ بال چہرے پر بکھر کر گویا چاند کو بادلوں کی اوٹ میں لے گئے۔

اذن ابصار نے اسے آئینہ دکھانے میں ایک لمحہ نہیں لگایا تھا۔

''اٹھاؤ یہ سب اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' وہ مزید بھڑکا، انابت رقیم کی زبان تالو سے چمٹ کر رہ گئی، رہانت کے احساس سے پلکیں بھیگنے کو بے تاب تھیں تو گلابی چہرہ سرخ ہو رہا تھا، اس نے آہستگی سے بکھرے بال پیچھے کیے آنکھیں بدستور جھکی تھیں، لرزتی پلکیں آنسوؤں کے سیلاب کو روک نہیں پائی تھیں۔

یہ سچ تھا کہ اس حرکت میں اس کی مرضی رتی برابر بھی شامل نہ تھی، یہ سب روبی، اہل اور عاشی کا پلان تھا، کارڈ تک عاشی نے لکھا تھا وہ تو محض ایک کردار کے طور پر پیش کر دی گئی، اذن ابصار کے تلخ رویے اور ہتک آمیز الفاظ پر اس کا جی چاہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے اذن ابصار کی نظروں میں انابت رقیم کا گراف کچھ اور نیچے گرا تھا۔

ایک سرد نگاہ اس کے پژمردہ وجود پر ڈالتا وہ وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا جبکہ انابت رقیم اپنے بے جان ہوتے قدموں کو دھکیلتی دروازے کی طرف بڑھ گئی، ان تینوں کی بات مان کر اس نے بہت بڑی غلطی کی تھی، اس کا احساس اسے گزرے چند لمحوں نے کروا دیا تھا۔

صد شکر کہ سب لوگ افطاری کی تیاریوں میں مگن تھے کسی کو بھی ممکنہ کاروائی کا اندازہ نہ ہو سکا تھا، اپنے کمرے میں آ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☆☆☆

''آپ کو ایک دفعہ اذن سے تو بات کرنی چاہیے تھی کہ وہ کیا چاہتا ہے؟'' ردا نے جھجکتے ہوئے شہوار ابصار سے کہا، تو انہوں نے بے ساختہ اپنے روبرو بیٹھے اذن ابصار کو دیکھا، جس کے چہرے پر الجھن تھی۔

''مجھے نہیں لگتا کہ میرے بیٹے کو میرے فیصلے سے اختلاف ہو گا۔'' ان کے لہجے میں مان تھا۔

''جی پاپا، آپ کی کسی بات کی مخالفت کرنے کا میں سوچ بھی نہیں سکتا۔'' اس نے بات کے پس منظر جانے بغیر انہیں یقین دلایا تو شہوار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابصار کا سیروں خون بڑھ گیا۔

''دیکھا ردا! یہ شہوار ابصار کا خون ہے، جس میں ادب اور وفا کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔'' ان کا سینہ فخر سے تن گیا اور اذن ابصار خوش تھا کہ وہ ان کا فخر تھا۔

''اب اسے بتا بھی دیں کہ بات کیا ہے۔'' ردا نے قدرے پراسرار انداز میں کہا، اذن ابصار چونک اٹھا۔

''صبح رقیم کا فون آیا تھا۔'' انہوں نے بات کا آغاز کیا، وہ خاموشی سے ان کی اگلی بات کا انتظار کررہا تھا۔

''جوان کا ماحول ہے تم بہتر سمجھے ہو، آئے دن ایسے وڈیروں اور جاگیرداروں سے تمہارا واسطہ پڑتا ہے۔'' انہوں نے تمہید باندھی، وہ اب بھی چپ تھا۔

''چوہدری کریم حاشر کے علم میں آچکا ہے کہ انابت پاکستان ہے وہ اسے واپس حویلی بلانا چاہتے ہیں۔''

''تو اس میں غلط کیا ہے پاپا، آخر تو اسے یہاں سے جانا ہی تھا، پرابلم کیا ہے۔'' اس نے لب کشائی کی۔

''پرابلم یہ ہے کہ وہاں وہ اس کی شادی کر دیں گے۔'' ان کی آواز مدھم تھی، اذن ابصار نے الجھ کر شہوار ابصار کو دیکھا۔

''پرابلم یہ ہے کہ حویلی جانے کی صورت میں اس کی شادی ایسے شخص سے کر دی جائے گی جو اس سے بائیس برس بڑا ہے جو چار بچوں کا باپ ہے، دوسری آپشن ایک چھ سال کا بچہ ہے۔'' ان کے لہجے میں گہرا دکھ تھا، تفصیلات جان کر اسے خود بھی صدمہ پہنچا تھا مگر ایسے بہت سے کیسز سے واقف تھا۔

''تو ان سب باتوں کا ہمارے ساتھ کیا تعلق؟'' بالآخر شہوار ابصار اسے مطلوبہ موضوع تک لے ہی آئے تھے۔

''بیٹے رقیم چاہتا ہے کہ انا بیٹی کی شادی تم سے کر دی جائے، وہ اپنی بیٹی کو اس ظلم سے بچانا چاہتے ہیں اور ان کی خواہش کچھ غلط بھی نہیں ہر باپ کو حق ہے کہ وہ اپنی بیٹی کے مستقبل کو محفوظ کر سکے، رقیم نے مجھ سے مدد مانگی تو میں انکار نہیں کر سکا اور اگر اقرار کیا تو صرف اس لئے کہ مجھے تم پہ اعتماد تھا، میرے فیصلے تمہاری فرمانبرداری کی وجہ سے ہیں اذن اور تم نے ثابت کیا ہے کہ میرا تم پر مان غلط نہیں۔'' ان کے لہجے میں انوکھی خوشی تھی اب انکار کی گنجائش کہاں تھی، تمام معاملات تو طے تھے۔

''پاپا ہم اس کی شادی کسی اور جگہ بھی تو کر سکتے ہیں۔'' بہت سوچ کر اس نے کہا، وہ مانتا تھا کہ انابت رقیم کے ساتھ غلط ہو رہا ہے مگر وہ خود قربانی دینے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

''تو تم انکار کررہے ہو؟'' ان کے لہجے میں اشتعال در آیا تھا، اذن ابصار نے بے ساختہ مدد طلب نگاہوں سے ماں کو دیکھا۔

''اذن ٹھیک کہہ رہا ہے ہم کسی اچھی فیملی میں اس کا رشتہ کر سکتے ہیں، پھر میں ثانیہ کو کیا جواب دوں گی، حیا کو ہمیشہ میں نے اپنی بہو کے روپ میں دیکھا ہے۔'' ردا نے اپنی پریشانی ظاہر کی۔

''کمال کرتی ہیں ردا آپ بھی، اس نے ہم سے مدد مانگی ہے اور میں اسے دوسرا در دکھا دیتا ہوں، چلیں ایک لمحے کے لئے میں آپ کی بات مان لیتا ہوں تو اتنی جلدی اچھی فیملی اور لڑکا میں کہاں سے تلاش کروں اگر وہ مل بھی جاتے ہیں تو اتنی جلدی نکاح یا شادی کی کیا توجیح پیش کروں گا اور حالات جاننے کے بعد انہوں نے انا کو سپورٹ کرنے سے انکار کر دیا تو اسے واپس وہیں جانا پڑے گا، اس سارے مسئلے کو طول دینے کا پھر فائدہ؟'' انہوں نے تفصیل سے جواب دے کر ردا کو قائل کرنا چاہا۔

''لیکن میں ہی کیوں پاپا؟'' وہ جھنجھلایا۔

''تو کیا نویان ہوگا، جو نکاح شدہ ہے یا میرب ہوگا جو اس سے ڈیڑھ دو سال چھوٹا ہے۔'' شہوار ابصار نے تیکھے انداز میں پوچھا، وہ لب کچل کر رہ گیا، اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اپنی الجھن کیسے بیان کرے، اپنے حق میں کیسے لڑے، اتنا بڑا کالم نگار اور کثیر تعداد میں شائع ہونے والے ماہنامے کے ایڈیٹر کے پاس اپنے محاذ پر لڑنے کے لئے نہ تو دلائل تھے نہ الفاظ، شہوار ابصار کے وہ ہمیشہ قریب رہا تھا، وہ ان سے اپنی بات بہت مان و محبت سے منوالیا کرتا تھا، اب ان کے فیصلے کو رد کرنا بہت مشکل لگ رہا تھا، عجیب کیفیت تھی، وہ بری طرح الجھا تھا، کوئی راہ فرار نہ تھی، انابت رقیم تو وبال جان بن گئی تھی۔

''تو پھر میں اس خاموشی کا کیا مطلب سمجھوں؟'' اب کی بار ان کا یقین ڈولنے لگا تھا، اذن ابصار تڑپ اٹھا تھا۔

''آپ نے اگر کوئی وعدہ کیا ہے تو میں اسے ضرور پورا کروں گا۔''

''میں آپ کو کبھی ناراض نہیں کر سکتا پاپا؟'' نجانے یہ الفاظ کیسے اس کی زبان سے ادا ہوئے تھے، اس نے اپنے دل کی ہر خواہش دفن کر دی، اپنے والدین کی بقاء کے لئے ان کے مان کو برقرار رکھنے کے لئے اپنی تمناؤں سے دستبردار ہو گیا اور ایسی لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا جس کا ذکر تک اسے پسند نہیں تھا۔

''آئم پراؤڈ آف یو مائی سن (مجھے تم پر فخر ہے میرے بیٹے)۔'' شہوار ابصار نے اسے بہت پرجوش انداز میں سینے سے لگایا، ان کی آواز سے چھلکتی خوشیوں کی نوید نے اس کی ہمت بندھائی تھی، ان کے مان اور وقار کو قائم رکھنے کے لئے اس نے خود اپنی ذات داؤ پر لگائی تھی۔

''ایکسکیوز می پاپا! مجھے کچھ کام ہے۔'' ان سے الگ ہوتے اس نے تیزی سے کہا، ردا نے اس کے فرار کی بخوبی محسوس کیا تھا، زیرہ زیرہ ہوتے جذبات کو چھپاتا وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

انابت رقیم صوفے پر پاؤں رکھ کر آلتی پالتی مار کر کافی ایزی ہو کر بیٹھی تھی، تھکاوٹ کا احساس جیسے روم روم میں اتر آیا تھا، اس نے آنکھیں موند کر سر صوفے کی پشت سے ٹکا دیا، دن بھر شاپنگ کرنے کے بعد، اب ہلنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، وہ یونہی نجانے کتنی دیر لیٹی رہی جب کنزئی نے اسے رقیم حاشر کے فون کی اطلاع دی، انابت رقیم نے تیر کی طرح کمرے کا رخ کیا۔

''ہیلو پاپا! کیسے ہیں آپ؟ اتنے دنوں بعد کال کی ہے، میں کتنا اداس ہو گئی ہوں کچھ پتہ ہے آپ کو اور مما کہاں ہیں؟ وہ کیسی ہیں؟'' اس نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے، اس کے لب و لہجے سے عجیب بے کلی ظاہر ہو رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں، میرا بچہ کیسا ہے اور پاپا سے اتنے سارے سوال ایک ساتھ۔'' دوسری طرف رقیم حاشر کی شہد کی طرح میٹھی آواز نے بہت تیزی سے اس کی آنکھوں میں نمکین پانی جمع کیا تھا۔

''آپ کی مما بھی ٹھیک ہیں اور میرے ساتھ ہیں، اچھا میرا بچہ اداس کیوں ہے، کیا شہوار انکل اور ان کی فیملی آپ کو پسند نہیں آئی، آپ بور ہو رہی ہو؟'' ان کے لہجے سے بے تابی چھلک رہی ہیں۔

''نو پاپا ایسی کوئی بات نہیں، انکل اور ان کی پوری فیملی بہت نائس ہے، مجھے وقت گزرنے کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احساس ہی نہیں رہتا۔‘‘ اس نے اپنے آنسوؤں پر قابو پاتے ہوئے پوری سچائی سے اعتراف کیا۔

’’انا!‘‘

’’جی پاپا۔‘‘ اس نے جلدی سے جواب دیا۔

’’بیٹا میری بات غور سے سنو۔‘‘ ان کی آواز محتاط لگ رہی تھی، اس نے چونک کر ریسیور دیکھا۔

’’کل آپ کا اذن کے ساتھ نکاح ہے، میں آنے کی بھرپور کوشش کروں گا، لیکن اگر میں نہ آسکا تو آپ پریشان مت ہونا، آپ کے انکل کو میں نے سب باتیں سمجھا دیں ہیں، آپ ان کی باتیں مان لینا اور انہیں تنگ مت کرنا۔‘‘ وہ ششدر سی بیٹھی رہ گئی، اس کا پورا وجود ایک لمحے میں گھوم گیا تھا۔

’’لیکن پاپا...... اتنی اچانک...... مطلب آپ کے بغیر۔‘‘ وہ بے ربط سی بولی، اسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ کیا کہے۔

’’انا میں جو کچھ کر رہا ہوں بیٹا آپ کی خوشی کی خاطر کر رہا ہوں، پاپا کبھی اپنی انا کے لئے برا سوچ سکتے ہیں۔‘‘ وہ خاموش رہی کیونکہ وہ جانتی تھی یہ سوال نہیں تھا۔

’’یہ لو اپنی مما سے بات کرو۔‘‘ انہوں نے ریسیور ارم کو تھمایا، ارم نے بس اسے دو چار ہدایت جاری کی تھیں جو اس نے خالی الذہنی سے سنیں۔

’’کل مما اور پاپا اپنی انا سے ملیں گے، انشا اللہ اپنا بہت سارا خیال رکھنا اللہ حافظ۔‘‘ بہ عجلت کہہ کر انہوں نے کال ڈسکنکٹ کر دی، ریسیور رکھ کر وہ مڑی تو اپنی پشت پر اذن ابصار کو دیکھ کر اس کا دل نجانے کیوں اچھل کر جیسے حلق میں آ گیا تھا اور جن نظروں سے اس نے انابت رقیم کو دیکھا اسے لگا وہ ریت بن کر بکھر جائے گی دوسرے ہی لمحے وہ بہت تیزی سے اس کی سائیڈ سے نکلتی چلی گئی۔

☆☆☆

’’اف انا...... اب تمہیں بھابھی کہنا پڑے گا۔‘‘ میرب کو جیسے غش آ گیا۔

’’ادب کرو، عمر میں تو پہلے ہی میں تم سے بڑی ہوں اب رتبے میں بھی ہونے والی ہوں۔‘‘ اندرونی اضطراب پر پابو پاتے ہوئے اس نے بدقت تمام مسکرا کر کہا۔

’’ویسے تم نے میرے ساتھ بے وفائی کی ہے۔‘‘ اس نے مصنوعی مسکینیت چہرے پر طاری کی۔

’’کیا بے وفائی کی ہے میں نے؟‘‘ اس نے ٹھٹھک کر پوچھا۔

’’میرے معصوم دل کا خون کیا ہے، میرے ارمانوں کو اپنی بے وفائی تلے کچلا ہے۔‘‘ ایک جذب سے کہتے ہوئے اس نے انابت رقیم کو آنکھ ماری۔

’’اُف کتنے بدلحاظ اور بدتمیز ہو تم میرب، شرم نہیں آتی اپنی عمر سے بڑی لڑکی پر لائن مار رہے ہو۔‘‘ اس نے تپ کر کہا۔

’’اوہو، ڈیڑھ دو سال کوئی ایج گیپ نہیں ہوتا، اب تم ایسی بھی دادی اماں نہیں ہو۔‘‘ وہ اپنے موقف پر قائم تھا۔

’’تم آج سچ مچ مجھ سے مار کھاؤ گے۔‘‘ انابت رقیم کو صحیح معنوں میں غصہ آیا تھا۔

’’اونہہ ہلو مت انا دیکھو مہندی کا ڈائزین خراب ہو جائے گا۔‘‘ کنزیٰ جو اس کے پیروں اور ہاتھوں پر مہندی لگا رہی تھی، نے فوراً خبردار کہا، تو وہ دانت کچکچاتی واپس سیدھی ہوئی۔

’’سوری یار، اب تو تم رتبے میں بڑی ہونے والی ہو اس لئے لاسٹ ٹائم مذاق کر رہا ہوں، ورنہ تم مجھے کھنک کی طرح ہی عزیز ہو، بے شک تھوڑا سا میں تم سے چھوٹا ہوں لیکن تم نے وہ محاورے نہیں سنا کہ بھائی ہمیشہ بڑے ہی ہوتے ہیں۔‘‘ وہ مسکراتے ہوئے اس کے پہلو میں آ بیٹھا تو انابت رقیم کی آنکھیں جھلملانے لگی تھیں۔

’’میرا کوئی بھائی نہیں ہے میرب، لیکن اگر ہوتا تو بالکل تمہارے جیسے ہوتا۔‘‘ اتنے خوبصورت رشتے قدرت نے بن مانگے اس کی جھولی میں ڈالے تھے ایک دم ہی وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھنے لگی تھی۔

’’چاند نظر آ گیا...... چاند نظر آ گیا۔‘‘ کھنک چلاتی ہوئی ہو چھت سے نیچے آئی۔

’’کل عید ہے اپیا۔‘‘ اس نے اطلاع دی۔

’’اپیا چلیں نا ہم چاند دیکھتے ہیں۔‘‘

’’ہاں چلو، بس یہ تھوڑی سی مہندی مکمل کر لوں۔‘‘ کنزیٰ نے کہا۔

’’میرب تم چلو نا، اپیا بعد میں آ جائیں گی۔‘‘ اس نے بچوں کی طرح ضد کی۔

’’اُف، کھنک میرے نہ دیکھنے سے عید کینسل تھوڑا ہی ہو جائے گی۔‘‘ وہ اٹھتے ہوئے بات کرنے سے باز نہیں آیا تھا۔

’’لو یہ ہو گیا فائنل ٹچ، اب میں بھی جا رہی ہوں چاند دیکھنے۔‘‘ بچی ہوئی مہندی ٹیبل پر رکھ کر کنزیٰ نے کہا۔

’’مجھے بھی چاند دیکھنا ہے۔‘‘ انابت رقیم نے خواہش ظاہر کی۔

’’خبردار جو تم یہاں سے ایک انچ بھی ہلی، ساری مہندی اور میری دو گھنٹے کی محنت ضائع ہو جائے گی۔‘‘ کنزیٰ نے آنکھیں دکھائیں۔

’’ہاں ایک حل ہے۔‘‘

’’کیا؟‘‘ انابت رقیم نے بے تابی سے پوچھا۔

’’اگر اذن بھائی راضی ہو جائیں تو وہ تمہیں اٹھا کر چاند دکھا سکتے ہیں۔‘‘ اس نے آنکھ دبا کر شرارت سے کہا تو اتنے اچانک حملے پر وہ خفت سے سرخ پڑنے لگی۔

’’شرم کرو، ابھی نویان بھائی کو بتائی ہو کہ آپ کی بیوی اتنی بھولی نہیں ہیں جتنی آپ سمجھتے ہیں۔‘‘ اس نے پیچھے ہٹتے دھمکی دی۔

’’ہائے ہمارے ایسے نصیب کہاں۔‘‘ وہ مصنوعی درد سے بلبلائی تو انابت رقیم بے ساختہ کھلکھلائی تھی۔

☆☆☆

شہوار ابصار چاہتے تھے کہ اذن ابصار کے ولیمے کی تقریب کے ساتھ ہی نویان ابصار کے فرض سے بھی سبکدوش ہو جائیں لیکن ان دونوں نے ہی اس بات سے انکار کر دیا، بقول کنزیٰ وہ اپنے بھائی اور دوست کی شادی انجوائے کرنا چاہتی تھی جو دلہن بننے کی صورت میں کبھی نہ کر پاتی۔

لہٰذا چونکہ اگلے دن عید تھی لہٰذا اس دن اذن ابصار اور انابت رقیم کا نکاح ہونے طے پایا، اگلے دن بہت جلدی اور افراتفری کے باوجود ردا نے اس کے لئے ڈھیروں ڈھیر شاپنگ کر ڈالی، تمام قریبی رشتہ داروں اور دوستوں کو شہوار ابصار مدعو کر چکے تھے۔

مرد حضرات عید نماز سے فارغ ہو کر آئے تو کنزیٰ اور کھنک نے انہیں گھیر لیا۔

’’عیدی نکالیں اذن بھائی۔‘‘ کنزیٰ نے ہتھیلی پھیلائی۔

’’یار میں اپنا والٹ گھر ہی بھول گیا تھا میں لے کر آتا ہوں۔‘‘ اس نے اسے تنگ کرنا چاہا۔

’’کوئی بہانہ نہیں چلے گا، جلدی سے دیں یہ ہمارا حق ہے۔‘‘ کھنک نے چہک کر کہا۔

’’اب دے بھی دیں اذن بھائی۔‘‘ اسے پاکٹ ٹٹولتے دیکھ کر کنزیٰ جھنجھلائی۔

’’تم میرے پیچھے کیوں پڑی ہو، جاؤ اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شوہر نامدار سے ساری عیدیاں وصول کرو۔" کنزیٰ جو بہت شوق سے کھڑی تھی اتنے غیر متوقع جملے پر سٹپٹا کر رہ گئی۔

"اوہ......ہم تو ہر حساب بے باق کرنے پر تیار ہیں محترمہ مانیں تو سہی۔" نویان ابصار نے نجانے کہاں سے سر نکال کر جملہ پھینکا تھا، کنزیٰ نے وہاں سے ہٹ جانے میں ہی عافیت جانی۔

"رکو کہاں جا رہی ہو، میں تو مذاق کر رہا تھا۔" اذن ابصار نے اسے بازو سے پکڑ کر روکا۔

"یہ لو یہ تمہارے لئے اور یہ میری گڑیا کھنک کے لئے۔" اس نے چند ہرے ہرے نوٹ اسے اور کھنک کو تھمائے، کھنک خوشی سے نعرے لگاتی ہوئے باہر نکل گئی۔

"یہ لیں جناب اپنی امانت سنبھالیں، ہم تو چلے۔" کنزیٰ کو عین نویان کے سامنے کھڑا کرتے ہوئے اس نے گویا بھائی اور دوست ہونے کا فرض نبھایا۔

"ابھی وقت نہیں آیا اذن بھائی، امانتیں اتنی آسانی سے نہیں مل جاتیں۔" بہت پھرتی سے وہ لاؤنج سے باہر نکلی تھی لیکن جاتے ہوئے جواب دینا نہیں بھولی تھی، اس نے شرارت سے نویان کی طرف وکٹری کا نشان بنایا جو مصنوعی خفگی سے اسے گھور رہا تھا۔

"کافی شارپ ہو گئی ہے یار۔" اس نے تبصرہ کیا۔

"اب ہر کوئی تمہاری طرح گھامڑ ہی تھوڑی رہتا ہے۔" اذن ابصار نے جواباً پر مزاح انداز میں کہا تو نویان کا قہقہہ لاؤنج میں گونج اٹھا۔

☆☆☆

بیوٹیشن نے اسے ابصار ہاؤس آ کر تیار کیا تھا، میرون لہنگا جس پر ڈل گولڈن کام ہوا تھا اس کے متناسب سراپے پر خوب جچ رہا تھا، ہمرنگ جیولری پہنے اور میک اپ سے چمکتے چہرے کے ساتھ اس پر نظریں ٹھہر نہیں رہی تھیں، ردا نے بے ساختہ کالا ٹیکہ اس کے کان کے پیچھے لگایا۔

قبول وایجاب کا مرحلہ طے پایا، مبارک سلامت کا شور اٹھا اور وہ چند لمحوں میں انابت رقیم سے انابت اذن ابصار بن گئی، اس کا دل نجانے کیوں بھرنے لگا تھا، ارم اور رقیم حاشر کی کمی دل میں سوئیاں چبھونے لگی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد اسے اذن ابصار کے پہلو میں لا کر بیٹھا دیا گیا، موتیا کلر کے راجستھانی شلوار سوٹ میں وہ ہمیشہ کی طرح سحر طاری کر رہا تھا، اس کے اتنے قریب بیٹھنے پر انابت رقیم کا دل جیسے سینے کی دیواریں توڑ کر باہر آنے کو بے تاب تھا، دھڑکنوں نے الگ شور مچایا تھا، پلکیں لرز لرز کر بے حال تھیں تو پیشانی عرق آلود ہو چکی تھی، اس کے پہلو میں بیٹھی وہ کسی سلطنت کی شہزادی لگ رہی تھی، لوگ ان کی جوڑی کو آئیڈیل کپل قرار دے رہے تھے، کتنی ہی توصیفی نگاہیں اور توصیفی جملے اس نے سنے تھے۔

ہر ایک نے ان کو سراہا تھا، لیکن اذن ابصار نے ایک نگاہ بھول کر بھی اس پر ڈالنا گوارا نہیں کیا تھا، دیکھ لیتا تو شاید اپنا ہر اختلاف بھلا دیتا، میرب اور نویان کے کیمرے کھٹا کھٹ اس خوبصورت منظر کو قید کرنے میں مصروف تھے۔

رات گئے تک رسم ورواج کا سلسلہ جاری رہا، ازن کو ایمرجنسی میں آفس جانا پڑا تھا وہ تو پہلے ہی جان چھڑا رہا تھا یوں یہ بہانہ کام آ گیا اور وہ کسی کی سنے بغیر آفس چلا گیا، رات کے آخری پہر کہیں اسے کمر سیدھی کرنے کا موقع ملا، وہ فریش ہو کر بڑی فرصت سے بیڈ پر آ کر لیٹ گئی، کمر اور اعصاب نجانے کیوں ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھے، کئی گھنٹوں سے وہ ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی رہی تھی، اس نے خالی خالی نظروں سے اپنے مہندی رچے ہاتھوں کو دیکھا، بہت ہی خوبصورت

رنگ آیا تھا، اس کے سفید ہاتھوں نے حنائی رنگ اختیار کر کے اس کو عجیب سا حسن عطا کر دیا تھا۔

آنسوؤں کے گرم گرم قطرے جنہیں وہ صبح سے پیچھے دھکیل رہی تھی اب رخسار بھگونے لگے۔

"یہ کیسی شادی ہے پاپا، آپ کے اور ماما کے بغیر۔" اس کے ندر ہی اندر درد کا شدید احساس ہچکولے لے رہا تھا۔

"ایک بوجھ کی طرح اتار پھینکا مجھے، کیسے التجاء کی ہو گی آپ نے انکل سے؟ کہ وہ مجھے اپنا لیں، میرا بیٹی ہونا کس قدر ذلت کا باعث بنا آپ کے لئے۔" وہ بے آواز رو رہی تھی، اپنا وجود کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا، رہ رہ کر یہ احساس اسے مارے ڈال رہا تھا کہ وہ زبردستی ان کے سر پر مسلط کی گئی ہے، کرب اور اذیت کے کوڑے اس کی روح چھلنی کر رہے تھے، اس کے آنسوؤں نے شدت اختیار کی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن ولیمے کی تقریب تھی، ردا نے اس کے لئے نارنجی پشواز اخریدی تھی، جسے پہن کر وہ کوئی باربی ڈول لگ رہی تھی، عین ولیمے کی تقریب کے وقت ارم اور رقیم حاشر آئے تھے۔

انابت رقیم اپنی پوزیشن کی پرواہ کیے بغیر ان سے لپٹ گئی، اتنے دنوں کا غبار ایک لمحے میں آتش فشاں کی طرح نکلا تھا، وہ اتنا روئی تھی کہ ردا اور صبا سمیت خود ارم اور رقیم حاشر سے اسے چپ کروانا مشکل ہو گیا۔

رات کے تقریباً ایک بجے اسے روایت کے مطابق اذن ابصار کے کمرے میں پہنچا دیا گیا، موتیے اور گلاب سے آراستہ پورا کمرہ رات کے فسوں اور دلفریبی میں گھویا عجیب سا سماں باندھا گیا، اس نے پرسکون ہو کر ٹانگیں بیڈ پر پھیلائیں اسے اذن ابصار سے کسی جذباتی رویے کی امید نہیں تھی، جبکہ اول روز سے ہی وہ اسے متاثر کرنے میں ناکام رہی تھی، ایک طرف یاسیت تھی تو دوسری طرف عجیب سی سرشاری تھی، جیسا تھا اب وہ اس کا تھا، جسے چپکے چپکے دل کے من مندر میں چھپا کر رکھا وہ اسے بن مانگے مل گیا وہ اس کی محبت کی ڈور میں بندھتی جا رہی تھی، نجانے نکاح کے دو بولوں کی کشش تھی یا اس کی دل کی خواہش کہ جذبات خود بخود لے بدلتے جا رہے تھے۔

"میں سارے اختلافات مٹا دوں گی، اپنی وفا سے میں آپ کی ہر غلط فہمی دور کر دوں گی، کہتے ہیں پیار سچا ہو اور لگن پختہ ہو تو جیت پیار کی ہی ہوتی ہے، میرا پیار بھی سچا ہے، میں اپنی وفا اور محبت سے آپ کو تسخیر کر لوں گی۔" اس کا معصوم دل عہد باندھ رہا تھا، اذن ابصار کے دل میں بھرے زہر کے زہریلے پن کی شدت جانے بغیر۔

☆☆☆

"اذن جو ہونا تھا وہ ہو چکا، اب تم خود کو ایڈجسٹ کر لو حالات کے مطابق۔" نویان نے رسانیت سے کہا تو وہ بھڑک اٹھا۔

"کتنا مشکل ہوتا ہے کسی ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنا جسے آپ سب سے زیادہ ناپسند کرتے ہوں، تم نہیں جانتے۔" اس نے غصے سے رخ پھیرا۔

"یار! تمہیں کیوں اتنی نفرت ہے اس سے؟"

"تمہیں نہیں معلوم؟" اذن ابصار کی طنز میں گھلی آواز نویان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"تم اسے چینج کر سکتے ہو۔" انابت رقیم قدرے بے باک واقع ہوئی تھی رہی سہی کسر امریکن طرز زندگی نے پوری کر دی تھی۔

"مجھے کسی کو نہیں بدلنا۔" وہ ضدی پن سے گویا ہوا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہم خود ہی تو ترقی، ترقی کا شور مچاتے ہیں، اب جب ہمارے ملک کی عورتیں آگے بڑھ رہی ہیں تو بھی ہمیں ہی اعتراض ہے۔" نویان نے اسے دوسرے پہلو سے سمجھانا چاہا۔

"میں نے حقوق نسواں یا ان کے ترقی کے کردار سے کب انکار کیا ہے، ٹیکنالوجی ہے، سائنس ہے، آرٹ ہے اس طرف تو کوئی ترقی کرتا نہیں، البتہ فیشن کو ضرور سب دھڑا دھڑا اڈاپٹ کر رہے ہیں، ہم چادر کے اندر رہ کر بھی ترقی کر سکتے ہیں نویان۔" اس نے اتنے غصے میں کہا کہ نویان کو خاموش ہونا پڑا۔

"اگر میں یہ سب نظر انداز کر بھی دوں تو اس کی عمر، محض اٹھارہ برس، کم از کم آٹھ سال بڑا ہوں میں اس سے۔" اس نے دوسرا نکتہ اٹھایا۔

"اتنا ایج ڈفرینس تو چلتا ہے اذن۔" اس نے اعتراض رد کیا۔

"کتنی بچکانہ حرکتیں کرتی ہے وہ، گیارہ بجے آئسکریم، بارہ بجے لانگ ڈرائیو بلی کے بچوں سے کھیلنا۔"

اذن ابصار نے اس کے شاندار کارنامے گنوائے جو اس کے علم میں تھے دو تین وہ حذف کر گیا تھا جن کی وجہ سے وہ زیادہ بدگمان ہوا تھا۔

"یہ اس کی عمر کا تقاضا ہے یار، جیسے جیسے وقت گزرے گا وہ سمجھ دار ہو جائے گی۔"

"تب تک میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر وقت گزرنے کا انتظار کروں۔" اس نے کلس کر کہا۔

"اتنی نفرت کی وجہ تو بتا۔" اس نے اپنا سوال دہرایا۔

"جو گنوائیں ہیں وہ کم ہیں۔" وہ بھنا کر بولا۔

"تم کنزلی سے محبت کرتے ہو؟" انداز تیکھا تھا۔

"آف کورس کرتا ہوں۔" نویان نے شرارتی انداز میں جواب دیا۔

"کوئی وجہ۔" انداز سنجیدہ تھا۔

"محبت کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔" اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر جواب دیا۔

"تو پھر نفرت کی بھی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"جاؤ اب آرام کرو، ٹائم کافی نکل گیا ہے۔" نویان نے بات لپٹی کہ اندر انابت رقیم اس کے انتظار میں بیٹھی تھی، وہ چپ چاپ اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا تو نویان نے بھی اپنی راہ لی۔

وہ کمرے میں داخل ہوا تو سوا چار ہو رہے تھے، فجر کی اذان کی صدائیں چاروں طرف سے بلند ہونے لگیں تھیں کمرے کی لائٹ جل رہی تھی، انابت رقیم اس کے آنے تک سو چکی تھی، نارنجی رنگ کے پشوار میں وہ بلب کی طرح جگ مگا رہی تھی، لپ اسٹک سے سجے یاقوت کے دانوں جیسے شنگرفی ہونٹ نرمی سے بند تھے، بڑی بڑی پلکیں آنکھوں پر سایہ بنا گئیں تھیں، بے خبری میں سوتی انابت رقیم کسی کو بھی بے بس کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی، اذن ابصار ٹرانس کی سی کیفیت میں بیڈ کے قریب آیا اور اس کے سامنے کنارے پر ٹک گیا، انابت رقیم کو دیکھ کر اس کے چشم تصور میں حیا اتر آئی، گو کہ انابت رقیم اس سے کہیں زیادہ حسین و جمیل تھی مگر حیا کے چہرے کا تقدس، اس کی جھکی پلکیں، اس کی جھجک، اس کا وقار، اس کی شخصیت کا ٹھہراؤ ایسی چیزیں تھیں جن کا اذن ابصار خواہش مند تھا، دوسری طرف انابت رقیم تھی، ضدی، منہ پھٹ، لاابالی چونچال طبیعت کی مالک، ابھی تک بچپنے کے کناروں میں قید۔

اس نے ایک باوقار جیون ساتھی کی تمنا کی تھی مگر سارے خواب چکنا چور ہو گئے، ایک دم وہ اس کے سحر سے نکلا تھا، سارا افسوں کہیں غائب ہو گیا تھا، وہ تیزی سے بیڈ سے اٹھا، ایک اچٹتی نگاہ اس کے پر بہار سراپے پر ڈالتا وہ واش روم میں گھس گیا۔

☆☆☆

صبح جب انابت رقیم کی آنکھ کھلی تو سورج کی شعاعیں چھن چھن کر گلاس ونڈو سے صبح ہونے کا پیغام دے رہی تھیں وہ آنکھیں مسلتی ہوئی اٹھ بیٹھی، قدموں کی چاپ اور نقرئی قہقہوں نے شہادت دی کہ تمام لوگ بیدار ہو چکے ہیں، اس نے اضطراری انداز میں اذن ابصار کی تلاش میں کمرے کے چاروں اطراف نگاہیں دوڑائیں مگر وہ کہیں نہیں تھا، صوفے پر پڑا اس کا بلیک تھری پیس گواہی دے رہا تھا کہ وہ رات کو آیا تھا، اس کے دل میں کوئی بے چینی سرائیت کرنے لگی، چند لمحے وہ یونہی خالی پن سے بیٹھی رہی، پھر چینج کرنے کی غرض سے واش روم میں گھس گئی، سی گرین کلر کا خوبصورت سا سوٹ پہلے سے وہاں لٹکایا گیا تھا، نہا کر وہ خود کو کافی تازہ دم محسوس کر رہی تھی، دوپٹہ کندھے پر لٹکاتے ہوئے اس نے بال خشک کیے اور پھر آئینے کے سامنے بیٹھ گئی، ہلکے ہلکے گیلے بال اس کے چہرے کے اطراف میں بکھرے تھے اور رات کے میک اپ کے اثرات چہرے پر کہیں کہیں باقی تھے بہر حال وہ سادگی میں بھی دلکشی کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔

وہ بالوں کو برش سے سنوارنے میں مگن تھی جب ہلکی سی چرچراہٹ سے دروازہ کھل گیا، اندر آنے والا اذن ابصار تھا۔

وہ خاموشی سے آ کر بیڈ پر بیٹھ گیا، کچھ اس طرح کہ آئینے میں انابت رقیم کو اس کا عکس نظر آ رہا تھا، بدلے ہوئے رشتے کو محسوس کر کے وہ نجانے کیوں گھبرانے لگی تھی۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" سرد لہجے میں کہتا وہ اس کی سانسیں منجمد کر گیا تھا۔

وہ رخ موڑ کر اس کی طرف ہوئی، اب وہ عین اس کے سامنے تھی، اس نے ڈرتے ڈرتے نگاہ اٹھا کر دیکھ تو اسے اپنی طرف ہی متوجہ پایا، آنکھوں کے گرد پڑے ہلکے سے حلقے اور آنکھوں کی سرخی اس کے رت جگے کی داستان سنا رہے تھے، وہ بلیک اور آف وائٹ کنٹراسٹ کے پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا، اس نے دوسرے ہی لمحے نظروں کو جھکایا۔

"یہ شادی کن حالات میں ہوئی تم بخوبی سمجھتی ہو، میرے نزدیک تمہارے کیا خیالات تم ان سے بھی آگاہ ہو ازدواجی لحاظ میں تمہیں کبھی وہ مقام نہیں دے پاؤں گا جو تمہارا حق ہے، لیکن میں تمہیں قانونی تحفظ ضرور فراہم کروں گا، ہو سکتا ہے آگے چل کے مجھے اس رشتے میں کوئی کشش محسوس ہو لیکن فی الحال میرے لیے یہ ایک اضافی بوجھ ہے اور کچھ نہیں، میں چاہتا ہوں اگر تمہارے دماغ میں کچھ اس نئے تعلق کی وجہ سے امیدیں وابستہ ہیں تو تم مائنڈ میک اپ کر لو۔" اجنبیت سے بھرپور لہجے میں وہ کہتا اس کے سارے خواب نوچ کر لے گیا، اسے یقین تھا کہ اذن ابصار اسے بے مراد تہی دامن ہی رکھے گا مگر انجانے کیوں درد کا احساس نیا تھا۔

اس کی نگاہوں نے بے ساختہ اٹھ کر اذن ابصار کے برفیلے تاثرات جانچے تھے، اس کی آنکھیں بھیگ گئیں اس نے آنسو روکنے چاہے، وہ اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی مگر پھر بھی موتیوں نے راہ بنا لی تھی۔

"اور پلیز اب بے کار میں رونا دھونا شروع مت کر دینا مجھے آنسوؤں سے بہت چڑ ہوتی ہے اور تمہارے آنسو تو مجھے بالکل بھی متاثر نہیں کر پائیں گے۔" اس کی بے زاری اپنے عروج پر تھی اور کسی کی نہ سننے والی انابت رقیم چپ چاپ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی سن رہی تھی، اسے لگا تھا جیسے عمر بھر کی قید کا سودا ہوا ہے، درد کے دائرے نے وسعت پکڑی تھی، اس کے چہرے پر تبدیلی کا موسم آیا تھا، مگر اذن ابصار کے پاس فرصت کہاں تھی اس گرتی پڑتی لڑکی کو سنبھالنے کی، بہت کوشش کے باوجود اس کے آنسو تھم نہیں رہے تھے، وہ کل سہاگن ہوئی تھی اور اسے لگا تھا آج ہی اس کی سیج لٹ گئی ہو، اذن ابصار اپنی بات مکمل کر کے رکا نہیں تھا، اپنے الفاظ کے سنگلاخ میں اسے لہولہان ہونے کے لئے تنہا چھوڑ گیا تھا۔

☆☆☆

یونہی شب و روز بے بسی اور کرب میں کٹنے لگے تھے، وہ اس کی دسترس میں ہونے کے باوجود اس سے میلوں فاصلے پر تھا، ارم اور رقیم حاشر اکثر انابت سے ملنے آتے رہتے، اس کی مسکراہٹ انہیں مطمئن کرنے کو کافی تھی، سب لوگ حقیقت سے بے خبر اذن ابصار کے دھوکے میں جی رہے تھے، وہ اپنے پاپا سے کیا عہد نبھا رہا تھا محض اپنا نام انابت رقیم کے ساتھ جوڑ کے زندگی یونہی چل رہی تھی کہ۔

اگلی صبح ایک اور ہنگامہ آرائی لیتے نمودار ہوئی، چوہدری کریم حاشر اپنے ساتھیوں سمیت ابصار ہاؤس آ دھمکے اور انابت رقیم کا مطالبہ کیا، ابصار فیملی کا ملک کے بڑے ناموں میں سے ایک نام تھا، دوسرا وہ انابت رقیم پر قانونی حق رکھتے تھے لہٰذا چوہدری کریم حاشر کو خالی ہاتھ واپس جانا پڑا، چونکہ وہ نکاح سے لاعلم تھے، مگر ان کے غیض و غضب سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ خاموش نہیں رہیں گے، دوسری طرف ارم اور رقیم حاشر پر قہر کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، چوہدری کریم حاشر کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

☆☆☆

اور پھر وہ ہو گیا جس کا اذن ابصار کو گمان بھی نہیں گزرا تھا شہوار ابصار کی گاڑی سروس کے لئے ورک شاپ گئی تھی، بہ مجبوری انہیں اذن کی گاڑی استعمال کرنی پڑی اور کچھ ہی دیر بعد ان کی گاڑی پر قاتلانہ حملہ ہونے کی اطلاع ملی، دو گولیوں نے ان کے پیٹ کو نشانہ بنایا تھا جبکہ ایک گولی ٹانگ کو چھو کر نکل گئی، فوری طبی امداد کے لئے انہیں ہسپتال پہنچا دیا گیا، ابصار ہاؤس کے مکینوں کو یہ خبر سایہ دار شجر سے نکال کر چلچلاتی دھوپ میں لے آئی، وہ آگے پیچھے گاڑیوں میں بہ عجلت ہسپتال روانہ ہوئے تھے، اپنی بھگدڑ میں انہیں انابت رقیم کا بھی خیال نہ رہا، جو اوپر کمرے میں اذن ابصار کے کپڑے پریس کر رہی تھی، نیچے لاؤنج سے موصول ہوتی آہ و بکا اور واویلا سن کر اس نے استری کا پلگ نکالا اور تیزی سے نیچے چلی آئی، مگر اس کے پہنچنے تک لاؤنج پر سکوت طاری ہو چکا تھا۔

''سب لوگ کہاں گئے ثمینہ؟'' اس نے ملازمہ سے دریافت کیا اور پریشان حال ملازمہ سے جو اطلاع اسے سننے کو ملی وہ اس کے اوسان خطا کرنے کو کافی تھی، وہ ڈگمگاتے ہوئے وہاں ڈھے سی گئی۔

''یہ سب کیا ہو گیا، آخر اور کتنے امتحان باقی تھے۔'' اس کا ننھا سا دل سینے میں ہی مچل کر رہ گیا۔

''اے میرے خالق پاپا کو زندگی بخش دے اگر انہیں کچھ ہو گیا تو میں یہ دکھ ساری زندگی برداشت نہیں کر پاؤں گی میرا وجود تو ان کے احسانات کے زیر بار ہے میں ان کے احسانوں کا بوجھ برداشت کر سکتی ہوں مگر ان کے طنز و تشنیع رویے کا بوجھ کبھی نہیں سہہ پاؤں گی۔''

اس کا وجود مٹی کے ڈھیر کی طرح ساکت تھا، لب خاموش تھے تو آنکھیں پتھر، لیکن دل دھڑک رہا تھا عجیب کرلاہٹیں مچا رکھی تھیں، شہوار ابصار کی زندگی کے طویل ہونے کی دعائیں بھی مانگ رہا تھا، نجانے کتنے پہر وہ لاؤنج میں تنہا ساکت و صامت بیٹھی رہی۔

☆☆☆

''خدا پر بھروسہ رکھیں بھابھی! شہوار بھائی کو اللہ نے چاہا تو کچھ نہیں ہو گا۔'' آنسو بہاتی ردا کو صبا نے تسلی دی۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' ان کے بہتے آنسوؤں نے اس دعا کے سچ ہو جانے کی دہائی دی، شہوار ابصار کا فوری طور پر آپریشن کر کے گولیاں نکال دی گئیں تھیں لیکن ابھی تک وہ بے ہوش تھے اور ڈاکٹرز کے مطابق جب تک وہ ہوش میں نہیں آتے خطرہ برابر موجود تھا، انہیں آپریشن کے بعد آئی سی یو شفٹ کر دیا گیا تھا آئی سی یو کے باہر موجود تمام نفوس ان کی زندگی کے لئے دعا گو تھے ہونٹوں پر دعا کے الفاظ پھسل رہے تھے تو آنکھیں اشکبار تھیں۔

''یہ کیا ہو گیا نویان! پاپا کے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟'' اذن ابصار بہت ضبط کے باوجود نویان کے سامنے ضبط ہار گیا تھا، نویان کا حال بھی تو کچھ مختلف نہ تھا لیکن اذن ابصار، شہوار ابصار سے بہت محبت کرتا تھا، بچپن سے لے کر آج تک وہ ان کا لاڈلا بیٹا رہا تھا، انہیں تکلیف میں دیکھ کر وہ جیسے خود درد سے بلبلا رہا تھا۔

''ہمت کرو اذن! تم پاپا کا مان ہو، ان کا فخر ان کی ہمت ہو، تو ایسے بی ہیو کرو گے تو کیسے چلے گا، مما کو ہمارے حوصلے کی ضرورت ہے، میرب کھنک، کنزئی، چاچو، چاچی سب ہمارے ہمت و حوصلے سے امیدیں وابستہ کیے ہیں، ہمیں ان کا زور بازو بڑھانا ہے اذن۔'' وہ رسانیت سے اسے سمجھا رہا تھا لیکن نویان کی آنکھوں کا گھیراؤ کرتی سرخی اس کی گریہ وزاری کا ثبوت تھیں۔

''اس گاڑی میں، میں کیوں نہیں تھا نویان، میں نے پاپا کو کیوں جانے دیا خود چلا جاتا، ان کے حصے کے غم اپنے سینے میں دفن کر لیتا، خود اپنی ذات پر یہ گولیاں سہہ جاتا۔'' اس کا دل جیسے ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا، وہ حال سے بے حال ہو رہا تھا۔

''ایسی باتیں مت کرو اذن، پاپا کی صحت یابی کے لئے دعا کرو، قدرت کے امور میں ہمیں عمل دخل کا کوئی حق نہیں۔'' نویان نے اسے محبت سے ڈپٹا۔

''یہ سب انابت رقیم کے باعث ہے نویان، اس کے حصول کے لئے چوہدری کریم حاشر نے میری گاڑی پر حملہ کروایا مگر وہاں میری بجائے پاپا اس کی سفاک سوچ کا نشانہ بن گئے۔'' وہ یکدم طیش میں آیا تھا۔

''تم کیوں اس معصوم کو اس سب کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہو؟'' نویان جھنجھلایا۔

''تو پھر ہماری ان جاگیرداروں سے کیا کوئی ذاتی خلش ہے، یہ سب اس کی وجہ سے ہے، میں اسے اپنے گھر میں رہنے ہی نہیں دوں گا میں اس کی خاطر اپنا آشیانہ اجڑنے نہیں دوں گا۔'' پہلی بار وہ ایسے لوگوں سے خوف زدہ ہوا تھا اپنوں کی زندگی کیسے انسان کو کمزور بناتی ہے اس کا اندازہ اذن ابصار کو اسی پل ہوا تھا۔

''بزدل مت بنو اذن! ہم ان کی بات کا منہ توڑ جواب دیں گے، ہم انہیں بے نقاب کر دیں گے ان کی سفاک سوچ کھلے عام ظاہر کر دیں گے۔'' نویان نے نئی راہ دکھائی۔

''ہاں میں بزدل ہوں نویان، اپنے پاپا کو موت کے قریب کھڑا دیکھ کر میں بزدل ہو گیا ہوں، اگر انابت رقیم کو بسانے کی قیمت میری زندگی ہوتی تو میں بخوشی یہ قیمت ادا کر دیتا، مگر اپنے پاپا کو کھو کر میں یہ عہد نہیں نبھا سکتا، انابت رقیم کے تحفظ کے بدلے میں اتنا بھاری تاوان ادا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں کر سکتا۔" وہ چیخ اٹھا تھا اس کے اعصاب تھکنے لگے تھے، شہوار ابصار اس کی کمزوری تھے اس کا خاندان اس کی کمزوری تھا اور وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔

"اگر پاپا کو کچھ ہو گیا تو میں بھی نہیں جی سکوں گا۔" وہ بے بسی کی انتہا پر تھا۔

"مایوسی کی باتیں مت کرو اذن، پاپا ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں گے۔" نویان ابصار نے اسے مستحکم آواز میں یقین دلایا۔

☆☆☆

تقریباً بارہ بجے صبا کو انابت رقیم کا خیال آیا تھا کہ وہ ابصار ہاؤس میں تنہا تھی، اپنی افراتفری میں وہ اس کی موجودگی بالکل فراموش کر گئے تھے، صبا چاہتی تھی کہ کنزیٰ، میرب اور کھنک کچھ دیر کے لئے گھر چلے جائیں مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے، لہٰذا انہوں نے اذن ابصار کو انابت کے پاس جانے کو کہا۔

"میں بابا کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔" وہ ہٹیلے پن سے بولا۔

"سمجھا کرو اذن وہ تمہاری بیوی ہے، اس کے حقوق کا خیال تمہیں ہی رکھنا ہے، وہ نجانے کب سے گھر میں اکیلی ہے تھوڑی دیر کے لئے اس کے پاس چلے جاؤ کچھ ہی دیر میں، میں کنزیٰ اور نویان کو بھیج دوں گی پھر تم دونوں آ جانا۔"

انابت رقیم کے ذکر پر اس کے تیکھے چتون مزید تن گئے اور دل میں بدگمانی کے بادل مزید گہرے ہوئے تھے، صبا نے بہت مشکل سے سمجھا بجھا کر اسے گھر روانہ کیا ورنہ وہ تو ایک لمحے کے لئے بھی آئی سی یو کے دروازے سے ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔

☆☆☆

جب وہ ابصار ہاؤس پہنچا تو انابت رقیم دائیں بائیں لاؤنج میں مسلسل چکر کاٹ رہی تھی، اس کی سوجی ہوئی آنکھیں اور ستا ہوا چہرہ اس کے مسلسل جاگنے اور رونے کی گواہی دے رہا تھا، اسے دیکھتے ہی اذن ابصار کا دل چاہا تھا کہ لمحہ کی تاخیر کیے بغیر فساد کی اس جڑ کو گھر کی دہلیز سے نکال باہر کرے۔

اذن ابصار پر نظر پڑتے ہی وہ دیوانہ وار اس کی طرف لپکی۔

"پاپا کیسے ہیں اب؟" ارم اور شہوار ابصار کے بہت اصرار پر اس نے انہیں اذن ہی کی طرح ممی، پاپا کہنا شروع کر دیا تھا۔

"آپ نے مجھے کچھ بتایا بھی نہیں کب سے آپ کو کال کر رہی ہوں آپ نے میری کال بھی ریسو بھی نہیں کی معلوم ہے میں کتنا پریشان ہو رہی ہوں مجھے ساتھ بھی نہیں لے کر گئے۔" اس کی موجودگی کو فراموش کیے وہ یوں تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا جا رہا تھا جیسے اس کے علاوہ دوسرا کوئی نفس موجود نہ ہو، وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے تیز تیز بولتی ہوئی بڑھتی جا رہی تھی۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے آپ سے؟ پاپا کیسے ہیں اب؟" اس کی مسلسل خاموشی سے جھلا کر اس نے تن کر اس کے سامنے آ کر پوچھا۔

"کیا بتاؤں تمہیں، بولو یہ کہ تمہاری وجہ سے پاپا زندگی اور موت کے مابین جھول رہے ہیں وہ مجھ سے بات نہیں کر رہے انابت ان کی آنکھیں بند ہیں تو سانسیں مدھم وہ اپنے بیٹے، بیوی، اپنے بھائی کسی کے احساس کو محسوس نہیں کر رہے وہ ہماری پکار نہیں سن رہے۔" اس نے ایک لمحے میں ضبط کھویا تھا، وہ شیر کی طرح دھاڑا تھا، انابت رقیم اس کا اضطراب سمجھنے کے باوجود ڈر سی گئی وہ سر ہاتھوں پر گرا کر کنپٹیاں مسلنے لگا تھا۔

"پاپا ٹھیک ہو جائیں گے، مجھے اپنی دعاؤں پر یقین ہے۔" اس نے اذن ابصار کو تسلی دینے کے لئے اپنا مخروطی ہاتھ اس کے شانے پر رکھا

جسے اس نے زور دار جھٹکے سے پیچھے کیا، انابت رقیم گرتے گرتے بچی۔

"تمہاری تسلی و تشفی کے الفاظ میرے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے، میرے پاپا کو اس حال تک پہنچانے والی تم ہو، اگر انہیں کچھ ہو گیا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔" وہ اس کے کان کے پاس پھنکارا، انابت رقیم سہم سی گئی، اس کی نگاہوں سے چھلکتی بے گانگی اسے ڈرا رہی تھی۔

"میں پاپا کی زندگی کے لئے دعا کروں گی، چاہے آپ کو ضرورت ہو یا نہ ہو۔" انابت رقیم کی پلکیں بھیگنے لگی تھیں اذن ابصار کا اجنبی رویہ اسکی برداشت سے باہر تھا۔

"کیوں کرو گی تم دعا؟" اسے جیسے اختلاف ہوا، وہ ایک دم آگے بڑھا اور انابت رقیم ایک قدم پیچھے۔

"میں ان سے محبت کرتی ہوں جیسی میں اپنے پاپا سے کرتی ہوں۔"

"محبت تو تم مجھ سے بھی کرتی تھیں، کچھ عرصہ پہلے تم مجھ سے محبت کی دعویدار تھیں۔" وہ زہر خند لہجے میں بولا، وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا تھا اور انابت رقیم ہولے ہولے پیچھے، اچانک اس کے قدم تھم گئے تھے اس کے عقب میں دیوار نے رکاوٹ ڈال دی تھی وہ پوری طرح دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی، مگر اذن ابصار کے قدموں کی پیش قدمی جاری تھی، فاصلہ کم ہونے لگا تھا، قدموں کی دوری سمٹنے لگی تھی، اس نے اگلی آنے والی ساعت دیکھنے سے قبل ہی آنکھیں موند لیں۔

"بولو۔" اس کی بازگشت پر اسرار سناٹے میں ابھری تو اس نے نگاہیں وا کیں۔

"میں تو اب بھی آپ سے محبت کی دعویدار ہوں۔" اس نے بے بسی سے اعتراف کیا، اذن ابصار استہزائیہ ہنسا۔

"کیسی محبت؟" اس کی تیز نگاہیں انابت رقیم کے وجود پر جمی تھیں جو ہولے ہولے تھرتھرا رہا تھا، اس کی نگاہوں کے شعلے انابت رقیم کو جلا کر خاکستر کر دینا چاہتے تھے، نجانے کیوں اذن ابصار آج اسے بہت اجنبی لگ رہا تھا، رات کی پراسراریت اور اذن ابصار کے بدلے اطوار، دونوں مل کر اس کے حواس مختل کر رہے تھے۔

"میں آپ کی خوشی چاہتی ہوں اور کوئی تشریح نہیں ہے محبت کی میرے پاس۔" اس کی آواز سرگوشیوں میں ڈھلنے لگی تھی۔

"میری خوشی؟" اس نے سوالیہ انداز اپنایا اور اپنے مابین ایک قدم کا فاصلہ بھی ختم کر دیا، اس نے دونوں ہاتھ دائیں بائیں دیوار پر اس کے شانوں کے اوپر یوں جمائے کہ اس کے ہاتھ، انابت رقیم کے کانوں کی لوؤیں چھونے لگے تھے، ان کے درمیان دو انچ کا فاصلہ تھا، جو وہ دانستہ چھوڑ گیا اس کے سانسوں کی گرمی انابت رقیم کو اپنے چہرے پر بڑی واضح محسوس ہوئی تھی، اس کی بے پناہ قربت پر وہ موم کی طرح پگھلنے لگی تھی، اسے اپنا وجود نجانے کیوں جلتا محسوس ہوا تھا۔

"میری خوشی اسی میں ہے کہ تم ہماری زندگی سے کہیں دور چلی جاؤ، اذن ابصار کے دل و دماغ میں کسی انابت رقیم کے لئے کوئی جگہ نہیں۔" اس کا گمبھیر آواز میں کہا گیا اگلا مطالبہ اس کی روح قبض کرنے کو کافی تھا، ایک لمحے میں وہ اس کی شخصیت کے سحر اور قربت کے احساس سے آزاد ہوئی تھی، بہت بے یقین نگاہوں سے اس نے اذن ابصار کو دیکھا تھا جس کی آنکھوں کی جوت میں نفرت کی لپک تھی، چہرے کے تاثرات میں ناپسندیدگی کی چھاپ تھی اور دیوار پر جمے ہاتھوں میں اسے ختم کر دینے کی سختی تھی۔

"ایسا ظلم مت کریں، میں آپ سے دور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں رہ سکتی۔'' نگاہیں نیچی رکھتے ہوئے اس نے گویا فریاد کی، آنسوؤں نے آنکھیں دھندلا دی تھیں۔

''بس کرو انابت، یہ جھوٹے آنسوؤں اور دعوے کسی اور کو دکھانا۔'' وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہوا تھا، انابت رقیم کے آس پاس اس شخص کے احساس سے جلتی آگ بجھی تھی، اس نے سر اٹھا کر دیکھا وہ دور جا چکا تھا، ابھی نہیں وہ تو ہمیشہ سے ہی اس سے دور تھا، اس کی دسترس سے دور، نا قابل رسائی۔

''اگر میں یہاں سے چلی جاؤں تو آپ میرے جذبوں کی پاکیزگی اور سچائی پر ایمان لے آئیں گے۔'' وہ ایک بار پھر قسمت آزما رہی تھی نگاہوں میں امید و یاس کے دیے جل رہے تھے، بہتے آنسوؤں سمیت وہ اس کے سامنے تھی اذن ابصار اسے دیکھ کر ٹھٹھک گیا تھا، اس کی متورم آنکھیں اور تھکے تھکے نڈھال وجود کو بہت غور سے دیکھا۔

''ٹھیک ہے اگر آپ کا یہی تقاضا ہے تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی مجھے آپ کی خوشی کے لئے جدائی کا یہ سودا منظور ہے۔'' غمگین آنسوؤں کے درمیان یہ الفاظ کیسے اس کی زبان سے ادا ہوئے تھے یہ صرف انابت رقیم جانتی تھی، دھڑکنوں میں عجیب اشتعال برپا تھا تو دل میں ایک لاشعوری پکڑ دھکڑ مچی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا اس کا موبائل بیل کرنے لگا تھا۔

''ہاں بولو نویان...... کیا...... تم سچ کہہ رہے ہو، پاپا کو ہوش آ گیا، میں آ رہا ہوں، میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔'' وہ خوشی سے لبریز لہجے میں بولا، وہ جیسے اک پل میں ہر شے بھول بیٹھا تھا، اس کے ہر انداز سے بے پناہ خوشی چھلک رہی تھی، اسے جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی تھی، وہ بہت پر جوش انداز میں باہر نکل گیا، وہ ایک بار پھر اسے فراموش کر گیا تھا، اب کی بار اسے انابت رقیم کی دہلیز پر واپس نہیں آنا تھا، وہ اسے دائمی الوداع کہہ گیا تھا، اس کا اندازہ انابت رقیم کو اپنے اندر کرلاتے بین کو سن کر ہوا تھا، وہ شکست خوردہ سی کارپٹ پر بیٹھتی چلی گئی۔

☆☆☆

چند دنوں بعد شہوار ابصار کو ہاسپٹل سے ڈسچارج کر دیا گیا، ارم اور رقیم حاشر بلا ناغہ ان کی مزاج پرسی کے لئے آتے تھے، جس دن شہوار ابصار گھر آئے اسی دن اس نے رقیم حاشر کے ساتھ گھر جانے کا عندیہ سنا دیا۔

اتنے غیر متوقع فیصلے پر تمام جملہ افراد حیران تھے، حالات کی پیچیدگی وہ بخوبی سمجھتی تھی، وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر اس نے سب کو یہ بتا دیا کہ وہ کبھی واپس نہ آنے کے لئے جا رہی ہے تو کسی نہ کسی طرح تاویل، دلیل یا دہائی ضرور اس کے قدم روک لے گی۔

''اس گھر کو تمہاری ضرورت ہے۔'' ردا نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اسے روکنا چاہا، ان حالات میں انابت کا جانا انہیں بہت عجیب لگ رہا تھا۔

''میں جلدی واپس آ جاؤں گی مما...... پاپا پلیز مجھے اجازت دے دیں۔'' اس کا رخ اب شہوار ابصار کی طرف تھا، انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''جانے دیں ردا، انا بیٹی جلد ہی لوٹ آئیں گی، آپ میری وجہ سے ہچکچا رہی ہیں تو یہ خیال چھوڑ دیں، اس گھر میں بہت سے لوگ ہیں میری دیکھ بھال کے لئے، اب تو ویسے بھی میں بھلا چنگا ہو گیا ہوں۔'' ان کے الفاظ پر انابت رقیم کو اپنا آپ جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا ندامت کے بوجھ تلے اس کا وجود جھکتا جا رہا تھا۔

''پاپا آپ کو میرے ارادوں کی کیا خبر،

آپ کے بیٹے سے کیا وعدہ بھی مجھے پورا کرنا ہے۔''

اسے اذن ابصار کی الفت میں اپنا گھر اور رشتے سب سے دستبردار ہونا پڑ رہا تھا، فرداً فرداً سب سے مل کر وہ اذن ابصار کے سامنے جا کھڑی ہوئی جو رقیم حاشر سے بغل گیر ہو چکا تھا، آخری بار وہ اس کا نقش نقش چرا لینا چاہتی تھی اس نے بہت لاچار اور تشنہ نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر پل بھر میں لڑکھڑاتے قدموں اور کرلاتے دل کی دہائیاں دباتی اذن ابصار کے آشیانے کو الوداع کہہ گئی اور کچھ دن کا کہہ کر جانے والی انابت واپسی کا راستہ بھول گی، اس نے اذن ابصار کے ساتھ رہنے سے معذوری ظاہر کر دی، اس کے مطالبے پر انصار ہاؤس کے مکین حق دق رہ گئے، مگر وہ طلاق لینے کے موقف پر بدستور قائم تھی۔

شہوار ابصار اسے خود لینے گئے تھے مگر اس نے بہت کٹھور پن سے انکار کر دیا اور تو وہ تہی داماں لوٹ آئے۔

چوہدری کریم حاشر کو یہی گمان گزرا تھا کہ ان کے غیض و غضب سے ڈر کر چوہدری رقیم حاشر نے انابت رقیم کو واپس بلوا لیا ہے، مگر وہ اپنی بیٹی کے سامنے مجبور تھے، لہٰذا چوہدری کریم حاشر گزشتہ ایک برس سے طلاق پر زور دے رہے تھے مگر چوہدری رقیم حاشر ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے کہ شاید ان کی بیٹی کی ضد ٹوٹ جائے، ایک طرف چوہدری کریم حاشر کا صبر جواب دے گیا تھا تو دوسری طرف انابت رقیم اپنا فیصلہ بدلنے پر راضی نہیں تھی۔

☆☆☆

''طلاق یافتہ انابت بی بی نہ سہی، بیوہ تو ہم لے ہی جائیں گے۔'' چوہدری کریم حاشر کے بے حس الفاظ اس کے وجود سے جیسے ہر احساس جھٹکنے لگے تھے، وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی، ایک بے بس کرتا خوف اسے اپنے حصار میں جکڑ رہا تھا، چوہدری کریم حاشر نے محض دھمکی نہیں دی تھی ان الفاظ اور ارادوں میں چٹانوں کی سی مضبوطی تھی انہوں نے کہا تھا تو وہ یہ سب کر گزریں گے، جس کا عملی مظاہرہ وہ ایک سال قبل دیکھ چکی تھی۔

''کیوں لوگ چاہتے ہیں کہ آپ کا نام بھی میرے ساتھ نہ ہے۔'' اس کی محبت نے بہت دکھ سے آرزو کی تھی۔

''جب آپ کے بغیر رہنا ہی ہے تو نام سے کیا ہوتا ہے، آپ کی زندگی کے عوض مجھے یہ سودا بھی کرنا ہی پڑے گا اور آپ کو تو کوئی فرق نہیں پڑے گا، انابت رقیم آپ کے بغیر جیئے یا آپ کی یادوں کے بھنور میں ڈوب کر مر جائے آپ کی تو اول روز سے یہی خواہش رہی ہے۔''

وہ اس کی محبت اور چاہت کی شدت سے نا واقف تو نہ تھا، اس کی دیوانگی سے خوب باخبر تھا۔

تمہاری یاد کی خوشبو مجھے رونے نہیں دیتی
کسی درد بھرے گیت کی صورت
اداسی پھیل جاتی ہے۔
تمہاری یاد شام غم میں۔
آنسوؤں کے گلے لگ کر
پہروں بیٹھی رہتی ہے
سانسوں میں جمی درد کی صورت
بوسیدہ ڈائری میں سجے اجنبی لفظ
ادھوری رات کا پورا چاند
تیری یاد کے بستر پر مجھے سونے نہیں دیتا
پلکوں پہ سجے نوخیز خواب
بے تکے انتظار میں گم آنکھیں
تیری ہی کھوج میں رہتی ہیں
اڑتے بادلوں کے سینے میں
بھیگی ہوئی سوچیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہر طرف پھیلی ہوئی
اپنے ہی خول میں سمٹی ہوئی
انتظار کی گرد میں لپٹی ہوئی
مدھم تصویریں
میں چاہوں بھی تو مجھے
کھونے نہیں دیتی
صدیوں سے جاگتے لمحے
چپکے سے کہتے ہیں میرے کان میں آ کر
بدلتے موسموں میں
انتظار کی اس شدت سے
کوئی بے خبر تو نہیں

☆☆☆

''رقیم نے طلاق کے پیپرز بھجوائے ہیں انا خلع چاہتی ہے، وہ واپس آنے کے لئے تیار نہیں۔'' شہوار ابصار نے قدرے بجھے ہوئے لہجے میں اطلاع فراہم کی، اذن ابصار کا پانی کی طرف بڑھتا ہاتھ ایک ساعت کے لئے ساکت ہوا تھا، اس کی ضد سے وہ بے خبر تو نہ تھا، اسے معلوم تھا کہ وہ کبھی واپس نہیں آئے گا، اس نے خود انابت رقیم کو اپنی زندگی سے بے دخل ہونے کو کہا تھا اور اس کی چاہت کی سچائی اور جذبات کی صداقت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی تھی کہ وہ اس کے ایک بار کہنے سے اپنی محبت کے پھولوں کو اپنے ہی قدموں تلے مسلتی، اپنے خوابوں کی عمارت کو اپنے قدموں تلے کچلتی، اس کی زیست کے اوراق سے اپنا ذکر مٹا گئی تھی۔

وہ خود ایسے ہی حالات کا متمنی تھا، وہ چاہتا تھا کہ انابت رقیم سے اس کا تعلق باقی نہ رہے تو پھر دیر کس بات کی تھی، تو اپنی ہی خواہش پر عمل درآمد کرنے میں اسے کیوں ایک سال کا عرصہ بیت گیا، وہ چاہ کر بھی اسے اپنی زندگی سے خارج نہیں کر پایا تھا، آخر وہ کس چیز سے بھاگ رہا تھا۔

''اذن بیٹا، میں نے کچھ پوچھا ہے؟'' اسے گم صم دیکھ کر شہوار ابصار نے گویا یاد دہانی کروائی۔

''جی پاپا، کیا کہا آپ نے؟'' اس نے گڑبڑا کر دوبارہ پوچھا۔

''تم طلاق کے پیپرز پر سائن کر دو تا کہ میں واپس بھجوا سکوں۔'' اس کی کھوئی کھوئی کیفیت بھانپ کر شہوار ابصار نے کھلے لفظوں میں بات کی۔

''جی پاپا میں کر دوں گا۔''

وہ بدقت تمام کہتا جلدی سے اپنی نشست چھوڑ گیا، اس نے افطاری سے بھی ہاتھ کھینچ لیا تھا، وہ گاڑی نکال کر بے مقصد سڑکوں پر گھومنے لگا تھا، مگر اضطراب تھا کہ پھیلتا ہی جا رہا تھا درد تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا، سب کچھ حسب منشاء تھا تو میرے پھر یہ بے کلی کیوں؟ وہ خود سمجھنے سے قاصر تھا، نجانے کتنی دیر وہ بے قرار سا سڑکیں ناپتا رہا، تھک کر اس نے قدرے سنسان کنارے پر گاڑی روک دی اور سیٹ سے سر ٹکا دیا۔

کچھ ہی دیر بعد سیل کی مخصوص ٹون بجنے لگی تھی اس نے اکتا کر سیل فون دیکھا، نمبر غیر شناسا تھا کسی مصلحت کے زیر اثر اس نے کال ریسیو کر لی۔

''ہیلو۔'' وہ بیزاری سے گویا ہوا، دوسری طرف گہری خاموشی تھی، وہ اکتا کر کال ڈسکنکٹ کرنے والا تھا جب اچانک اس کے دماغ میں جھماکا سا ہوا، وہ حیران سا سیدھا ہوا، لمحوں میں دل نے دوسری طرف انابت رقیم کے ہونے کی گواہی دی۔

''انا پلیز انا بولو یہ تم ہو نا۔'' وہ تصدیق کے لئے مچل اٹھا، اس کی آنکھیں سرخی مائل ہو رہی تھیں، ضبط کی طنابیں گویا چھوٹنے کو تھیں دوسری طرف سے ہلکی ہلکی سسکیوں کی صدائیں بلند

ہونے لگی تھیں۔

وہ بولنے کا قصد کر رہی تھی مگر آواز حلق میں ہی دم توڑ گئی اذن ابصار کی آواز میں بے تابیاں بڑھنے لگی تھیں، چند لمحے اسے پکارنے کے بعد وہ خاموش ہو گیا تھا، وہ بہت غور سے اس کی ڈوبتی ابھرتی سانسوں کے زیر و بم کو محسوس کرنے لگا تھا، اس کی آواز کی شکل اختیار کرتی سسکیوں کو کسی رس کی طرح کانوں میں انڈیلنے لگا تھا، دل پر جیسے سکون کا بادل منڈلانے لگا، ایک دم ہی اس کو قرار آیا تھا، بے چینیوں کو راحت ملی تھی، وہ چپ چاپ موبائل کان سے لگائے پورے ایک سال بعد اپنی منکوحہ کے احساس کو محسوس کر رہا تھا۔

''پلیز مجھے طلاق دے دیں۔'' ہچکیوں کے مابین اس نے بہت ہمت مجتمع کر کے کہا، اس کی آواز نے اذن ابصار کے اطمینان میں ہلچل مچا دی تھی، اس کے لہجے میں ایسا درد تھا اذن ابصار تڑپ کر رہ گیا، اس کا اندر تک چھلنی ہو گیا، اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے کال کاٹ دی، شاید مزید ضبط کی تاب نہ تھی اس میں۔

اذن ابصار کتنی ہی دیر خالی خالی نگاہوں سے موبائل کی جگمگاتی اسکرین دیکھتا رہا، جو بات اسے گزشتہ ایک برس میں سمجھ نہیں آئی تھی، وہ بات انابت رقیم کی ایک سسکی سمجھا گئی تھی، تمام گتھیاں سلجھ گئی تھیں راستے شفاف تھے، اذن ابصار کو بس قدم بڑھانا تھے۔

کتنی عجیب بات تھی کہ حیا اس کے چشم تصور، اس کی سوچ کے دائرے، ذہن کے پردے دل کی دھڑکن میں کہیں بھی نہیں تھا، وہ کہیں نہیں تھی پہلے نہ اب۔

☆☆☆

''تم نے سائن کر دیئے؟'' شہوار ابصار نے اگلا جملہ ادا کیا۔

''نہیں۔'' اس نے کہا اور پلیٹ پر جھک گیا۔

''میں اسے طلاق نہیں دوں گا۔'' اس نے پرسکون انداز میں اطلاع دی۔

''مگر انا آنے کے لئے راضی نہیں۔'' شہوار ابصار الجھے۔

''وہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں، آپ بس کل جا کر اپنی بہو کو لے آئیں۔'' اس نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا جیسے سب کچھ پہلے سے طے شدہ ہو۔

''اگر اس نے آنے سے دوبارہ انکار کر دیا تو تمہارے پاپا کو مایوس لوٹنا پڑے گا۔'' شہوار ابصار کے بجائے ردا نے کہا، ان کی آواز میں پہلے تجربے بول رہے تھے، خدشات بھی تھے اور واہمے بھی۔

''میں نے کہا نا مما...... انشا اللہ اب ایسا نہیں ہو گا۔'' وہ پر یقین انداز میں بولا۔

تین دن بعد چاند رات تھی اور پھر عید، اس کے پاس وقت بہت کم تھا، اس نے فون کر کے تمام صورت حال رقیم حاشر کو سمجھا دی تھی کہ انابت رقیم کو ہر صورت شہوار ابصار کے ساتھ رخصت کیا جائے۔

باقی چوہدری کریم حاشر کا وہ مکمل طور پر بندوبست کر چکا تھا قانونی طور پر بھی اور اپنے طور پر بھی اور انابت شہوار ابصار کو ایک بار پھر اپنے گھر دیکھ کر وہ ششدر رہ گئی ان کے روبرو انکار کرنے کی ہمت اس میں باقی نہ تھی وہ الٹے قدموں واپس لوٹ آئی۔

''اپنے باپ کی عزت کی لاج رکھ لو انا بیٹی۔'' رقیم حاشر کے یہ الفاظ اسے ندامت سے چور کر گئے، وہ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹی، اس کی ذات کی بقاء کے لئے اس کو دکھ کی پرچھائیوں سے بچانے کے لئے اس کے والدین نے کیا کیا نہ کیا تھا بدلے میں اس نے انہیں اذیت کے اور کچھ بھی تو نہیں دیا تھا، مگر وہ یہ اذیت دینے پر بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجبور تھی، اس کے باپ کو اس کی وجہ سے نجانے کس کس کے سامنے سر جھکانا پڑا تھا اور کن کن حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

''میں ساری زندگی تمہاری ٹھوکروں میں گزارنے کو تیار ہو اذن ابصار مگر اس پل میں اپنے باپ کو نامراد نہیں بھیج سکتی ایک دفعہ اپنے باپ کی بات مان کر تم نے مجھے اپنایا تو آج اپنے پاپا کی بات مان کر میں خود سے اور تم سے کیا عہد توڑ رہی ہوں۔''

''تمہارے نام کا تو مطلب ہی عاجزی ہے تو پھر یہ اکڑ کس لئے انابت بی بی، جاؤ خود کو وقت کے دھارے پر چھوڑ دو کسی اچھے کی امید مت رکھنا۔'' اس نے بے حسی سے سوچا۔

''پاپا! میں آپ کی لاج ہوں تو میں آپ کی لاج ضرور رکھوں گی۔'' اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

''میں واپس آ رہی ہوں اذن ابصار پہلے سے بھی زیادہ ذلت اور رسوائی سہنے کے لئے۔''

اس کا دل درد سے بھینچا جا رہا تھا، عجیب توڑ پھوڑ مچی تھی، گزرے زخم پھر تازہ ہونے لگے تھے، وہ شہوار ابصار کے ساتھ ابصار ہاؤس روانہ ہونے کو تھی جب چوہدری کریم حاشر کے زبردست ایکسیڈنٹ نے ان کے حواس مختل کر دیئے، وہ سب الٹے قدموں ہسپتال پہنچے تھے، چوہدری کریم حاشر کی ریڑھ کی ہڈی بری طرح متاثر ہوئی تھی۔

عجیب لاچاری اور بے بسی کی زندگی شروع ہونے والی تھی رقیم حاشر، ارم اور انابت کی تڑپ دیکھ کر وہ نادم ہوئے جا رہے تھے، خدا کی بے آواز لاٹھی کا مطلب انہیں سمجھ آنے لگا تھا۔

صدیوں سے جو سلوک انہوں نے اس معصوم مخلوق کے ساتھ روا رکھا، وہ بد دعاؤں کی صورت میں ان کے آس پاس گونجنے لگا تھا۔

احساس ایک ایسی دولت ہے جو اس سے سرفراز ہو جائے، وہ محبتوں کا پجاری بن جاتا ہے اور جس سے وہ خدائے بزرگ و برتر چھن لے وہ تمام عمر تڑپتا ہے۔

چوہدری کریم حاشر بھی اپنی ناانصافی اور دکھ کی تقسیم بھانپ گئے تھے، انہوں نے ہاتھ پھیلا کر انابت رقیم سے معافی طلب کی، اپنے کیے پر وہ پچھتاوا محسوس کر رہے تھے گو کہ اذن ابصار تمام بندوبست کر چکا تھا مگر اسے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی، کہ خدا سب سے بڑا کارساز ہے قدرت نے تمام گنجلک کھول دیئے تھے، راستوں کے ساتھ دل بھی صاف ہو چلے تھے اور جو کام قدرت الٰہی کرے وہ زیادہ بہتر اور حکمت سے بھرا ہوتا ہے انابت رقیم چاند رات کو ابصار ہاؤس کے مکینوں اور چوہدری کریم حاشر کے بہت اصرار پر ان کی دعاؤں اور رضا تلے رخصت ہو کر پورے ایک سال بعد اپنے حقیقی مسکن کو لوٹ آئی۔

چوہدری کریم حاشر اپنی زندگی میں اسے خوش باش دیکھنا چاہتے تھے بقول ان کے اسے خوش دیکھ کر وہ سمجھیں کے کہ ان گناہوں کی کچھ حد تک تلافی ہو گئی ہے، وہ ابصار ہاؤس آ چکی تھی، جہاں ایک اور محاذ اس کا منتظر تھا۔

☆☆☆

''دیکھو پچھلے سال بھی میں نے ہی تمہارے ہاتھوں پر مہندی لگائی تھی اور اس سال بھی میں ہی لگا رہی ہوں۔'' کنزیٰ نے اسے یاد دلایا تو وہ خوبصورت یاد تبسم بن کر اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔

ابصار ہاؤس میں اس کا بہت پرجوش استقبال کیا گیا تھا تمام افراد نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا، جگمگاتے چہرے اس کی آمد پر خوشی کی مہر ثبت کر رہے تھے، سب لوگ اپنی اپنی جگہ مطمئن

تھے بے کل تھی محض انابت رقیم کی ذات جو کسی صورت اذن ابصار کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی اس کا دل اس کے سامنے کا سوچ کر ابھی سے گھبرانے لگا تھا۔

اگلا دن عید کا تھا، مسرتوں اور چاہتوں سے لبریز، خوشیوں اور راحتوں کی خوشبوؤں میں گندھا، سارا دن مصروفیت کی نذر ہو گیا، مہمانوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، وہ صبح سے کنزیٰ کے ساتھ کچن میں مصروف تھی، اِدھر اُدھر بے تکلف سی حکم چلاتی، بھاگتی دوڑتی وہ برسوں سے اسی گھر کی مکین لگ رہی تھی، عشاء کی نماز کی ادائیگی کے لئے اپنے کمرے میں آئی تھی صد شکر کہ اذن ابصار باہر اپنے دوستوں کے ساتھ مصروف تھا، اس نے جلدی جلدی نماز ادا کی اور ایک بار پھر کچن کا رخ کیا، یہی بہترین پناہ گاہ تھی۔

''تم میری شادی پر نہیں آئی نا۔'' کنزیٰ نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔

''تم رک جاتیں نا آخر تو میں نے آنا ہی تھا، لیکن تمہیں تو خود نویان بھائی کے پاس جانے کی جلدی تھی۔'' اس نے بھی برابر جواب دیا تھا تو کنزیٰ شکوہ کر کے گھبرائی۔

''بہت منہ پھٹ ہو گئی ہوا، ابھی اذن ابصار کو بھیجتی ہوں کہ سنبھالیں اپنی بیوی کو۔'' برتن کیبنٹ میں رکھتے ہوئے اس نے دھمکی دی تو انابت رقیم کے مسکراتے لب خود بخود سکڑ گئے۔

تاریکی بڑھتی جا رہی تھی وقت سرکتا جا رہا تھا، مگر وہ کمرے میں جانے کے احساس سے ہی گھبرا رہی تھی جہاں اذن ابصار کی موجودگی یقینی تھی، کنزیٰ کو اس نے زبردستی کچن سے رخصت کیا اس وعدے کے ساتھ وہ بھی جلد ہی اپنے کمرے میں چلی جائے گی۔

''ایک کپ چائے کنزیٰ۔'' اذن ابصار نے کچن میں جھانک کر کہا تو کنزیٰ کی جگہ انابت رقیم کو پا کر خفیف سا ہو گیا۔

''چلو تم ہی لے آؤ۔'' حکم صادر کرتے ہوئے وہ چلتا بنا، سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کنزیٰ اسے مل گئی۔

''کچھ خیال کرو کنزیٰ، نئی نویلی دلہن کو صبح سے کام پر لگایا ہوا ہے۔''

''نئی نویلی نہیں ہے اذن بھائی، ایک سال پرانی ہے، لیکن کیا کریں آپ کو تو ہر منٹ ہر لمحہ محترمہ نئی ہی لگیں گی۔'' اس نے معنی خیزی سے کہا تو اذن ابصار مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا، اذن ابصار کے حکم پر انابت رقیم کلس کر رہ گئی۔

''اتنی رات کو چائے کی کیا طلب۔'' اس نے تپ کر سوچا، تمام لوگ سونے کے لئے جا چکے تھے، ملازم اپنے کوارٹرز میں تھے، کوئی ذی نفس نہ تھا جس کے ہاتھ وہ چائے بجھواتی، جلتی کڑھتی وہ خود ہی چائے بنا کر اوپر تک چلی آئی، مگر اندر جانے کے خیال سے ہی اسے جھرجھری سی آ گئی، بہرحال بوجھل قدموں سے اس نے خود کو گھسیٹ کر اندر جانے پر آمادہ کیا۔

وہ ٹیرس پر فضا کی ٹھنڈک سے محو گفتگو تھا، اس کی موجودگی کا احساس کر کے مڑا، اس نے خاموشی سے چائے پیش کر دی، اس نے ٹرے سے کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

''میرا ٹیسٹ خراب ہو گیا ہے یا تمہارے ہاتھوں میں ذائقہ آ گیا ہے۔'' اس کی آواز نے انابت رقیم کے واپسی کے لئے مڑتے قدم روک دیئے وہ کمرے میں آ چکا تھا اور مصنوعی حیرت سے پوچھ رہا تھا، جواباً وہ لب کچلتی رہی۔

''چائے بہت اچھی بنی ہے۔'' وہ تعریف کر رہا تھا اس کا انداز دوستانہ نہیں تھا تو بھڑکیلا بھی نہ تھا، اس نے چائے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور بھرپور انداز میں اس کی طرف متوجہ ہوا، آخر وہ گھڑی آ ہی گئی جس سے انابت رقیم بھاگ رہی تھی، اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگا تھا وہ ابھی ذلیل کر کے اسے اس کمرے سے باہر نکال دے گا، مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے انابت رقیم کا بایاں ہاتھ تھام لیا، اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو، شرعی اور قانونی دونوں حق محفوظ رکھتا ہوں۔'' اس نے جیسے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''اوہ تو اذن ابصار سمجھوتہ کرنے پر راضی ہو گئے ہیں، ایک بار پھر اپنے اور میرے خاندان کی خاطر۔'' ایک سوچ رخصت ہوئی تو فوراً دوسری نے جگہ بنائی۔

''میں آپ کو سمجھوتے پر مجبور نہیں کروں گی، آپ مجھے اب کی بار اضافی بوجھ مت سمجھیں۔'' اس نے دوٹوک انداز میں کہا، نا چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز میں نمی گھل گئی۔

''تمہیں لگتا ہے کہ یہ سمجھوتہ ہے؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھا اور ایک قدم آگے بڑھایا، اذن ابصار نے بہت اچانک اس کا ہاتھ چھوڑ دیا، اس نے خوف زدہ انداز میں اپنے ہاتھ کو دیکھا۔

''تو کیا واقعی ہی سمجھوتہ ہے؟'' وہ خود حیران تھی۔

''ہاں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔'' وہ مزید گویا ہوئی۔

''پیار بھی تو ہو سکتا ہے۔'' وہ بہت غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ہاں ہو سکتا ہے۔'' اس نے اتفاق کیا۔

''لیکن میرے لئے انہیں حیاء کے لئے، انابت رقیم کی دیوار ہمیشہ آپ کے اور اس کے مابین تنی رہی ہے۔'' اس نے پلکیں جھپک جھپک کر آنسو پیچھے دھکیلے، اذن ابصار جی بھر کر بدمزہ ہوا تھا۔

''اور اگر میں کہوں کہ اس دل کے ہر کونے پر حیا نہیں انابت، دن ابصار کی محبت کے دیئے روشن ہیں تو کیا تم میرے جذبوں کی صداقت پر ایمان لے آؤ گی۔'' مدھم سی روشنی میں وہ اس کے تاثرات دیکھ نہیں پائی تھی لیکن اس کے لہجے کی شدت ضرور محسوس ہو گئی تھی، ایک بار اس نے اپنی چاہت کا یقین دلانا چاہا اور اذن ابصار نے اسے دھتکار دیا تھا اور اب وہ اس سے اسی یقین کا مطالبہ کر رہا تھا، وقت کا پہیہ الٹی رفتار سے گھوم رہا تھا۔

''ہاں انا، مجھے اقرار کر لینے دو یہ مجھے تم سے محبت ہے آج سے نہیں اس وقت سے جب پہلی بار تمہارا عکس میری آنکھوں میں جھلملایا، میں انکاری تھا تو محض اس وجہ سے کہ میں اپنے اور حیاء کے رشتے میں بے ایمانی نہیں چاہتا تھا میں اپنے اصولوں سے ہٹ کر کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا، میں ہر رشتے کے ساتھ انصاف کرنا چاہتا تھا، باقی رشتوں کو انصاف کے ترازو میں تولتے تولتے میں خود اپنے ساتھ ناانصافی کر گیا تھا، اپنی محبت کو اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی سے بے دخل کر کے تکلیف صرف تمہیں نہیں پہنچائی، میں نے خود پر بھی خوشیاں حرام کر لی تھیں، تم سے شادی اور پھر پاپا پر اٹیک، یہ ایسے حالات تھے جب میں کمزور پڑنے لگا تھا، میں بہت ڈر گیا تھا انا، پاپا کو کھونے کا حوصلہ مجھ میں نہیں تھا، میں نے اپنا سارا خوف تمہارے وجود میں منتقل کر دیا، مگر یہ سچ ہے انابت اذن ابصار کے بغیر، اذن ابصار بھی ایک لمحہ کے لئے چین سے نہیں رہ سکا، اس کی راتیں بھی بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدلتے گزری ہیں، انا کی سسکیوں، اس کی بے پایاں محبت نے اس کا ہر دم پیچھا کیا تھا، وہ ایک لمحہ بھی اسے فراموش نہیں کر پایا، شاید خدا نے مجھے آزمائش میں ڈالا تھا تاکہ تمہارے محبت کی جڑیں میرے سینے میں مضبوط سی جگہ بنالیں، اگر انابت نے پل پل تڑپتے میں

گزارا ہے تو جی اذن ابصار بھی نہیں رہا تھا۔'' وہ دھیرے دھیرے اپنی شکست تسلیم کر رہا تھا اور وہ دم سادھے اس کا اقرار اپنے دل میں اتار رہی تھی، اختلاف کی گنجائش کہاں تھی وہ خود اس کی محبتوں کے سحر میں جکڑی تھی۔

''مجھے جھوٹے بہلاوے مت دیں، میں اب کوئی شیشے کا خواب نہیں سجانا چاہتی، اب کے جو یہ خواب چکنا چور ہوئے تو میں سنبھل نہیں پاؤں گی، میں ان طوفانوں کی عادی ہو گئی ہوں، مجھے انہی تھپیڑوں میں رہنے دیں، مجھے اپنی عارضی پناہوں کی عادت مت ڈالیں۔'' وہ ضبط کرتے کرتے چیخ اٹھی تھی، اس نے انابت رقیم کے کندھے کے گرد اپنا بازو حمائل کیا اس نے اپنے قریب کیا اور چلتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگائے اندر لے آیا اذن ابصار نے اسے بیڈ پر بٹھا دیا، اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی وہ بے آواز سسکتی رہی۔

''چلنا تو ہمیں ساتھ ہی ہے، لیکن میں زبردستی نہیں کروں گا، تم چاہو تو اپنا فیصلہ بدل سکتی ہو۔'' وہ رک کر مخاطب ہوا۔

''بولو انا، مجھے تمہاری ہر سزا منظور ہے تم مجھے انتظار کرنے کو کہو گی تو میں تمہارے لوٹنے کا منتظر رہوں گا جب تک تم چاہو میں تب تک تمہارا انتظار کروں گا۔'' وہ پوچھ رہا تھا اور وہ چپ چاپ بہتے آنسوؤں سے اس ساحر کو دیکھ رہی تھی جسے دیکھتے ہی اس کا دل بغاوت کرنے لگتا تھا، پیار میں جزا و سزا کہاں ہوتی ہے وہ اس سے محبت کرتی تھی، اس کی ہر دھڑکن وہ شخص کسی ساز کی طرح سنائی دیتا تھا تو پھر سزا کیسے دیتی، اس نے بہت محبت سے اس کے رخساروں سے دو پانی کے موتی چن لئے۔

''کیا تمہیں اذن ابصار سے محبت ہے۔'' وہ بہت گمبھیرتا سے پوچھ رہا تھا۔

''یہ بھی بھلا پوچھنے والی بات ہے۔'' اس نے کلس کر سوچا۔

''کیا اب بھی میرے اقرار کی ضرورت ہے۔'' آنکھیں رگڑتے ہوئے وہ تیکھے پن سے بولی۔

''شکر ہے تمہاری زبان تو کھلی ورنہ میں تو سمجھا تھا سچ مچ سزا سوچنے بیٹھ گئی ہے۔'' اس نے لمحوں میں رنگ بدلا۔

''پہلے تو بہت پٹر پٹر زبان چلتی تھی، محبت کے اظہار میں تمہیں ایک لمحہ نہیں لگتا تھا اب کیوں تالے پڑے ہیں زبان پر جب میرا دل اقرار سننے کو بے تاب ہے۔'' وہ شرارت سے مسکرایا تو، وہ بے طرح سٹپٹا گئی، اس کے شوخ انداز محسوس کر کے اس کے ارادے دم توڑنے لگے تھے۔

''آپ بہت برے ہیں۔'' اس نے مان بھرا شکوہ کیا۔

''جیسا بھی ہوں صرف تمہارا ہوں۔'' اسی نے جذبات سے پر لہجے میں کہا تو وہ جھینپ کر رخ موڑ گئی۔

''ہیپی ویڈنگ اینی ورسری۔'' ایک رنگ پاکٹ سے نکال کر اس نے انابت رقیم کی انگلی کی زینت بنا کر کہا۔

''تمہیں یاد ہے اسی دن تم میرے پلے پڑی تھیں۔'' وہ مسلسل اسے چڑا رہا تھا اور وہ سچ مچ چڑ گئی۔

''اتنا ہی بڑا بوجھ ہوں تو واپس کیوں بلایا۔'' وہ برا مان گئی۔

''بس یار اب غلطی کی ہے تو بھگتنی بھی پڑے گی ہی نا۔'' وہ مسلسل اسے ستا رہا تھا، وہ منہ پھلا کر ایک طرف ہو گئی۔

''اچھا سنو!''

''عید مبارک۔'' اس نے بازو سے پکڑ کر اسے سامنے کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ کو بھی۔'' اس کی چمکتی نگاہوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ بولی۔

''چلو اب میری عیدی نکالو۔''

''میں...... میں کیا دوں؟'' وہ ہڑبڑائی۔

''سب کچھ تمہارے پاس ہے اسی لئے تو تم سے مانگ رہا ہوں۔'' دھمکی دیتے ہوئے وہ آگے بڑھا اور ایک لمحے میں اس کا مخروطی ہاتھ تھام لیا۔

''میں واپس آ گئی ہوں کیا یہ کسی عیدی سے کم ہے۔'' ہاتھ کو اس کی گرفت سے آزاد کروا کر وہ اک ادا سے بولی۔

''اسی لئے تو تم سے مانگ رہا ہوں۔'' اس کا ذومعنی انداز سے اس کے اعصاب چٹخنے لگے تھے۔

''جو آپ نے میرے ساتھ کیا ہے، اس کے بعد تو منہ دھو رکھیں کسی عیدی کی توقع نہ رکھیں۔'' وہ بھی حساب بے باق کرنے میدان میں نکل آئی۔

''اوہ ہو، شیرنی کے پنجے نکل آئے ہیں۔'' اس نے اسے مزید تپایا۔

''آپ مجھے لڑاکا کہنے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' وہ سب کچھ بھول بھال کر اس سے الجھنے لگی، مگر اس کے جذبات میں مچلتے ارادے اور بے لگام ہوتی نگاہیں اسے سمٹنے پر مجبور کر گئیں، اس کی چلتی زبان کو ایک دم بریک لگی تھی، وہ فرار کی راہ تلاش کرنے لگی۔

''میں...... وہ۔''

''تم بس میرے پاس رہو۔'' مخمور سے لہجے میں فرمائش آئی۔

''میں تمہیں ہمیشہ خوش رکھوں گا اتنا...... بس تم......'' وہ اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی کافی دیر بعد اس کی مسلسل خاموشی پر انابت نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''بس تم مجھ پر جگ بھر بھر کر پانی کے مت انڈیلنا۔'' انابت کے چہرے پر پھیلی الجھن اس کے شریر جملے کے آخر میں غصے میں تبدیل ہوئی تھی اور اذن ابصار کا بے ساختہ قہقہہ اسے زچ کرنے کو کافی تھا۔

''اذن...... آپ۔'' اس نے تنبیہی انداز اپنایا مگر اذن ابصار اس کا جملہ کاٹ گیا۔

''بدتمیز لڑکی، کیا تمہیں پتہ نہیں مشرقی لڑکیاں اپنے شوہر کا نام نہیں لیتیں۔''

''تو پھر کیا کہہ کر بلاتی ہیں۔'' اس نے بہت معصومیت سے پوچھا۔

''ہاں ابھی تو ہمارے چنٹو بنٹو، ببلو، ببلی ٹائپ ننھے منے بھی نہیں کہ تم مجھے ان کے پاپا کہہ کر بلا لو، چلو تم مجھے جان...... جانو وغیرہ کہہ لیا کرو جیسے اکثر لوگ کہتے ہیں۔'' اس کی شرارت بھری کھلکھلاہٹیں اس کے جذبات گدگدا رہی تھیں، اس نے بازو سے پکڑ کر اسے خود میں سمویا تھا وہ کھنچتی ہوئی اس کے حصار میں قید ہو گئی، برسوں کی مسافت جیسے ختم ہوئی تھی، ایک سرشاری رگ و پے میں سرائیت کر گئی۔

اب جب محبت کا یقین اس کے ہمراہ تھا تو دیر کس بات کی تھی، اذن ابصار کا ساتھ اس کی زندگی کی سب سے قیمتی متاع تھی، وہ اسے دوسری بار کھونے کا حوصلہ خود میں نہیں پاتی تھی، اس نے محبت کے مسافر کا ہاتھ تھام لیا تھا فرار بھی وہی تھا اور پناہ گاہ بھی اسی کے پاس تھی، اس کے شریر جملوں پر اس سے فرار ہو کر وہ اسی کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی، اس کے باوجود میں پناہ ڈھونڈ رہی تھی، اذن ابصار اسے بانہوں میں سمیٹے مطمئن تھا تو انابت رحیم سرشار تھی، رات کے بھیگتے چاند نے ان کے ساتھ کے دائمی ہونے کی بے ساختہ دعا مانگی تھی اور ستاروں نے آمین کہا تھا۔

☆☆☆

بارش وار برس ڈھولا

تحسین اختر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سسٹر پلیز جلدی سے آئیں میری امی جان کو پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے ان کا سانس اکھڑ رہا ہے۔'' مریم ابھی وارڈ کا راؤنڈ لگا کر آئی ہی تھی اور اس نے اکڑی ہوئی کمر ذرا دیر کو کرسی سے ٹکائی تھی کہ بیڈ نمبر چار کی مریضہ کی بیٹی حواس باختہ سی اس کے پاس آئی تھی، مریم نے اٹھتے ہوئے کلاک کی طرف نگاہ ڈالی تھی سوا تین ہو رہے تھے ساری دنیا اپنے نرم گرم بستروں میں دبکی یقیناً خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی اور وہ اپنے جیسی ساتھی نرسز کی طرح تڑپتے سسکتے مریضوں کے آرام کی خاطر اپنا آرام تج کر خدمت کو کمربستہ تھی۔

''میں نے آپ سے کہا ہے نا کہ آپ گھبرائیں مت، ان پر استھما کا شدید اٹیک ہوا تھا ٹریٹ منٹ ہم کر رہے ہیں انشاء اللہ صبح تک یہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔'' اس نے بیڈ نمبر چار کی مریضہ کو چیک کر کے اس کی بیٹی کو تسلی دی تھی جو ماں کی حالت دیکھ کر بہت پریشان ہو جاتی تھی۔

''سسٹر جب یہ اکھڑے اکھڑے سانس لیتی ہیں تب میری تو جان نکل جاتی ہے۔'' اس لڑکی نے کہا تھا۔

''یہ اب صبح تک سکون سے سوئیں گی۔'' مریم نے اسے سکون آور انجکشن لگا دیا تھا۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو، میں تو اپنی ماں کی حالت دیکھ کر بہت گھبرا گئی ہوں، مجھے تو اپنے بچے بھی یاد نہیں ہیں شام سے جن کو اپنی ساس کے پاس چھوڑ کر آئی ہوں۔'' مریم کا نرم رویہ دیکھ کر وہ لڑکی اپنے دل کا حال بیان کرنے لگی تھی۔

''آپ اکیلی ہی شام سے ان کے پاس ہیں، کیا آپ ان کی اکلوتی اولاد ہیں۔'' مریم نے پوچھا تو یوں بھی اس کی عادت تھی کہ وہ دوائیوں سے ہی مسیحائی نہیں کرتی تھی، اپنی خوبصورت باتوں اور نرم لہجے سے بھی اگلے بندے کی پریشانی حل کر دیا کرتی تھی۔

''کہاں جی! میرے دو بھائی بھی ہیں، مگر اس وقت وہ اپنی بیویوں کے ساتھ آرام کر رہے ہوں گے، ماں کی صحت سے زیادہ انہیں بیویوں کا آرام عزیز ہے، میں بھی شادی شدہ ہوں میرا گھر امی کے گھر کے قریب ہی ہے مجھے تو ملازمہ نے ان کی طبیعت کی خرابی کا بتایا تھا اور میں انہیں ہسپتال لے آئی، دونوں بھائیوں نے فون پر پوچھ لیا ہے کہ امی جان کا کیا حال ہے اب شاید وہ صبح ہاسپٹل آئیں۔'' وہ لڑکی دکھ سے مریم کو بتانے لگی تھی۔

''جانے کیوں ہم لوگ بیٹیوں کی پیدائش پر روتے اور بیٹوں کے ہونے پر گھی کے چراغ جلاتے ہیں، بیٹے نہ ہوں تو ان کے لئے منتیں مانگتے ہیں چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور انہیں خدا سے بلک بلک کر مانگتے ہیں اور پھر وہیں بیٹے ماں باپ کو جب ٹھوکر مارتے ہیں ان سے برا سلوک کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے، پھر بیٹیاں ہی ہوتی ہیں جو ماں باپ کے کام آتی ہیں۔''

''بالکل صحیح کہہ رہی ہیں آپ، ہمارے معاشرے کا وہی المیہ ہے۔'' وہ دونوں باتیں کرنے لگیں تھیں اور اس کی امی غنودگی میں چلی گئی تھیں۔

''خوش قسمت ہیں آپ کہ ماں کی خدمت کر رہی ہیں، آخرت میں یہی عمل آپ کی فلاح کرے گا۔'' مریم نے اس لڑکی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا اور پھر اپنے کمرے میں آ گئی تھی، ماں کے بارے میں سوچ کر آنکھیں بھر آئی تھیں۔

☆☆☆

''اوئے ہوئے بڑی ٹور ہے، بلے بھئی بلے بڑا نخرہ ہے، نخرہ کیوں نہ ہو حسن بھی تو کم نہیں ہے۔'' وہ رات کی ڈیوٹی بھگتا کر تھکے تھکے قدموں سے چلتی ہوئی گھر کی طرف آ رہی تھی

جب دو آوارہ لڑکے اس کے پیچھے لگ گئے تھے، پہلے تو وہ ان کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے چلتی رہی تھی ایسے لوگوں کو نہ چھیڑنا ہی بہتر تھا، مگر جب ان کی شوخیاں حد سے بڑھ گئیں تو وہ غصے میں ان کی طرف مڑی تھی۔

''کیا تکلیف ہے، کیوں تنگ کر رہے ہو۔''

''ارے سرکار تنگ تو نہیں کر رہے، ہماری کیا مجال کہ ہم آپ کو تنگ کریں۔'' وہ خباثت سے مسکرائے تھے۔

''شرم نہیں آتی کسی کی بہن بیٹی کو تنگ کرتے ہوئے۔'' وہ کہہ کر تیزی سے آگے بڑھ گئی تو کیونکہ اب اس کا محلہ شروع ہو گیا تھا اور اب ان کو واپس مڑ جانا تھا کیونکہ اپنے محلے میں سبھی اس کے جاننے والے تھے وہ کسی کو بھی آواز دے کر بلا سکتی تھی۔

''اس معاشرے میں تو عورت کی کوئی عزت ہے ہی نہیں۔'' وہ دنیا کی نظروں سے خود کو بچاتے ہوئے جلدی سے گھر میں داخل ہو گئی تھی۔

''گھر کیسا بھی ہو مگر کیسا تحفظ کا احساس دیتا ہے، گھر کی بنیادیں کمزور بھی ہوں ریت پر دیواریں بھی کھڑی ہوں تب بھی گھر دنیا کے سرد و گرم سے بچا لیتا ہے۔'' اکثر باہر سے آتے ہوئے اسے اپنے گھر کو دیکھ کر ایسا ہی احساس ہوتا تھا بے شک اب اپنے ہی گھر میں اس کی حیثیت پہلے جیسی نہیں رہی تھی مگر نام کا ہی سہی گھر تو تھا نا، ساری سوچیں ذہن سے جھٹک کر وہ تیزی سے کچن کی طرف بڑھی تھی آج بھوک بھی زوروں کی لگ رہی تھی، ساری رات ہاسپٹل کے لمبے لمبے برآمدوں میں چلتے چلتے ٹانگیں شل ہو جاتی تھیں اور صبح تلک چائے پی پی کر آنتیں بھی جواب دے جاتی تھیں، آدھی روٹی اور ایک کٹوری میں تھوڑا سا سالن پڑا تھا اس نے فریج میں دیکھا آٹا بھی نہیں تھا، اس نے خاموشی سے وہ آدھی روٹی ہی کھائی اور اپنے کمرے کی طرف چل پڑی، یہ ایک دو گھنٹے ہی سونا نصیب میں ہوتا تھا باقی سارا دن گھر کے کام ہی ختم نہیں ہوتے تھے اس وقت بچوں کو اسکول اور ان کے ابو کو آفس بھیج کر سلمٰی بیگم خود سو رہی ہوتی تھیں اس لئے اسے بھی چند گھڑیاں سکون کی مل جاتی تھیں۔

''مہارانی صاحبہ! اٹھ چکو اب، دوپہر بھی ڈھلنے والی ہے اور ادھر نیندیں ہی پوری نہیں ہو رہی ہیں۔'' گیارہ بجے سلمٰی بیگم کی آنکھ کھلی تھی اور مریم کو سوتے دیکھ کر ان سے کہاں کچھ برداشت ہوتا تھا۔

''جی بھابھی اٹھ رہی ہوں۔'' جب سے راجدھانی سلمٰی بیگم نے سنبھالی تھی تب سے اس نے تابعداری اور فرمانبرداری کو ہی وطیرہ بنا لیا تھا، یہ ایک طرح سے اس کی مجبوری بھی تھی نہ بناتی تو وہ اسے اپنی راجدھانی سے نکال باہر کرتیں اس پر جان چھڑکنے والے بھائی صاحب والدین کے گزر جانے کے بعد یوں بھی اب سلمٰی بیگم کی آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے لگے تھے۔

''دوپہر کے لئے کیا بنانا ہے بھابھی۔'' وہ منہ ہاتھ دھو کر کچن کی طرف آ گئی تھی، ایک ڈیوٹی ہاسپٹل کی تھی اور دوسری گھر کی تھی جس کی انچارج سلمٰی بیگم تھیں، دونوں میں کوتاہی کا کوئی امکان نہیں تھا، اس لئے وہ جس طرح ہاسپٹل میں چاک و چوبند اور مستعد رہتی تھی اس طرح گھر میں بھی پوری تندہی سے اپنے کام سرانجام دیتی تھی۔

''کریلے منگوائے ہیں وہی پکا لو اور ہاں ساتھ کیری کی چٹنی لازمی بنانا۔'' وہ کپڑے اٹھا کر واش روم کی طرف نہانے جا رہی تھیں اسے روک کر حکم صادر کرنے لگی تھیں، جان لیوا گرمی میں سلمٰی بیگم کو یوں ہی وقت طلب اور دقت طلب کام کروانے میں مزہ آیا کرتا تھا، وہ حکم کی غلام تھی سر جھکا کر کریلے چھیلنے لگی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اماں آج پھر کریلے، مجھے نہیں کھانی یہ کڑوی بد مزا سبزی۔'' وہ اسکول سے لوٹی تھی بھوک زوروں کی لگ رہی تھی اس لئے کچن میں جا کر برتن پٹخنے لگی تھی۔

''ارے صرف کریلے نہیں ہیں قیمہ بھی تو ڈالا ہے۔'' اماں نے بلند آواز میں کہا تھا۔

''ہاں تو قیمہ بھی کڑوا کر دیا ہوگا، آپ کو بھی پتہ نہیں کیا شوق ہے آئے دن کریلے پکا کر بیٹھ جاتی ہیں، مجھے بہت بھوک لگی ہے مجھے انڈا فرائی کر کے دیں۔''

''ارے صبر تو کر، ایک ہی سانس میں سب کچھ گنوائے جا رہی ہے، یہ لے پکڑ قیمہ میں نے جب کریلوں میں ڈالنے کے لئے بھونا تھا تو تھوڑا سا تمہارے لئے الگ نکال لیا تھا مجھے پتہ تھا نا کہ تم کریلوں کو دیکھ کر اسی طرح شور مچاؤ گی۔'' اماں کچن میں آئی تھیں اور ایک چھوٹی سی کٹوری جو چھپا کر رکھی گئی تھی اس کے سامنے لا رکھی تھی، بھنا ہوا قیمہ دیکھ کر اس کی بھوک اور چمک اٹھی تھی۔

''جیو اماں۔'' اس نے نعرہ لگایا تھا اور کھانے پر ٹوٹ پڑی تھی۔

کریلوں کی ساری کڑواہٹ اب اس کے اندر گھل گئی تھی ماں نہ رہی تھی تو سارے ناز و نعم بھی جیسے بھول گئے تھے، وہ اب چپ چاپ سب کچھ کھا لیتی تھی، ناپسندیدہ کھانا بھی بچا ہوا اور ٹھنڈا ٹھار کھانا بھی۔

☆☆☆

''آج کی ہاٹ اور بریکنگ نیوز، ڈاکٹر منان نے سسٹر مشعل سے کورٹ میرج کر لی ہے۔'' وہ سٹاف روم میں بیٹھی ہوئی تھیں جب عینی نے آ کر گویا دھماکہ کیا تھا۔

''کیا؟'' سب کے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے تھے۔

''ارے اس میں اتنا چونکنے کی کیا بات ہے جس طرح ڈاکٹر منان اور مشعل کا افیئر چل رہا تھا اس کو مد نظر رکھتے ہوئے تو ایک نہ ایک دن ایسا ہونا ہی تھا۔'' رابعہ نے گویا یہ بات سن کر کان پر سے مکھی اڑائی تھی۔

''مگر یہ اچھا نہیں ہوا، پہلے ہی لوگ اس پروفیشن کو اچھا نہیں سمجھتے، اس کے بارے میں طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں، کوئی اچھا ہو یا برا سب کو ایک ہی چھڑی سے ہانکتے ہیں، مشعل کو اپنے پیشے کا تقدس پامال نہیں کرنا چاہیے تھا اور پھر ڈاکٹر منان کو دیکھو اچھے خاصے میچور ہیں۔'' مریم جسے بھابھی سمیت بہت سے دوسرے لوگوں سے بھی اپنے پیشے کے بارے میں عجیب عجیب باتیں سننا پڑتی تھیں وہ کہنے لگی تھی۔

''آج کل کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے کون سوچتا ہے بس ہر کوئی اپنا مفاد دیکھتا ہے، مشعل کو ڈاکٹر منان سے اچھا پروپوزل اور کوئی نہیں مل سکتا تھا۔'' تہمینہ جس کی دو بہنیں عمر زیادہ ہونے کے باوجود ابھی تک کنواری بیٹھی ہوئی تھیں اس نے اپنی رائے دی تھی۔

''تو تہمینہ اس کے لئے کیا ضروری ہے کہ کورٹ میرج کا ہی راستہ اپنایا جائے، سیدھے سبھاؤ بھی شادی ہو سکتی ہے۔'' مریم نے پھر کہا تھا۔

''یار ان کے گھر والے نہ مانتے ہوں گے، ویسے بھی روکھی پھیکی شادی تو ہر کوئی کر لیتا ہے مگر رنگین ملاقاتوں، مہنگے تحفے تحائف کے تبادلوں اور خوبصورت یادوں کے ساتھ شادی کوئی کوئی کرتا ہے۔'' عینی جو حد سے زیادہ شوخ تھی، اس نے اپنی ہی سنائی تھی۔

''ڈیئر عینی آج کل تو معاشرہ جس طرف جا رہا ہے وہاں اب ایسی ہی رنگین و سنگین شادیاں ہو رہی ہیں۔'' مریم نے طنز سے کہا تھا اور اٹھ کر اپنی چیزیں سمیٹنے لگی تھی آج سینئر سرجن ڈاکٹر شہباز کے ساتھ اس کی ڈیوٹی آپریشن تھیٹر میں لگی ہوئی تھی اور سرجن صاحب ایک منٹ کی تاخیر بھی

برداشت نہیں کرتے تھے، وہ ٹائم دیکھتی ہوئی کھٹ کھٹ کرتی آپریشن تھیٹر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

''سلمیٰ، مریم کا رشتہ لائی ہوں، آخر جوان جہان نند کو کب تک گھر بٹھائے رکھو گی اتنا اچھا رشتہ مل رہا ہے لڑکا انجینئر ہے، انجینئر میں تو کہتی ہوں اس جمعے کو انہیں گھر بلا لو، باقی کا کام اللہ کرنے والا ہے۔'' اماں رسولاں اس کی امی جان کی سہیلی تھیں اور آج کل رشتے کروانے کا فریضہ انجام دیتی تھیں ان کے پاس ایک رشتہ تھا جو ہر لحاظ سے بہت اچھا تھا چھوٹا سا پڑھا لکھا سلجھا ہوا گھرانہ تھا اور لڑکا بھی نہ صرف شکل و صورت کا اچھا تھا بلکہ انجینئر بھی تھا اس بار مریم کے لئے اس رشتے کو دیکھ کر ان کا دل للچایا تھا کہ مریم کی شادی ادھر ہی ہو جائے، اماں رسولاں دوستانہ نبھا کر مریم کی ماں کی روح کو شانت کر دینا چاہتی تھیں، یہ ایک طرح سے نیکی بھی تھی، بن ماں باپ کی بچی کا گھر بس جاتا انہیں، اس سے زیادہ کیا چاہیے تھا۔

''اماں تم کیا سمجھتی ہو ہمیں اس کی فکر نہیں ہے، یہ تو بھاری سل کی طرح ہمارے سینے پر دھری ہے مگر کیا کریں جو بھی رشتہ آتا ہے اس کے نرس ہونے کا سن کر بھاگ جاتا ہے۔'' انجینئر کا سن کر سلمیٰ بیگم ویسے ہی جل کر راکھ ہو گئی تھیں، اماں رسولاں کو کیا جواب دیتی ہمیشہ کی طرح مریم کی ذات میں ہی کھیڑے نکالنے لگی تھیں۔

''اے لو بہو تم نے بھی خوب کہی، مریم نرس ہے کوئی جن بھوت تو نہیں جو آنے والوں کو چمٹ جاتی ہے، یا خوانخواستہ نرس ہونا کوئی عیب تو نہیں، یہ بے چاریاں تو ایسے ایسے دکھی لوگوں کی مدد کرتی ہیں ان کے رستے زخموں کو مرہم عطا کرتی ہیں جن کو اپنے بھی چھوڑ جاتے ہیں اپنا آرام کر تج کر ان کو آرام دیتی ہیں پھر تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو۔''

اماں رسولاں کو سلمیٰ بیگم کی بات نے آگ لگا دی تھی، کچن میں چائے بناتی مریم کا دل خوش ہو گیا تھا۔

''جا رہی ہوں، جب تمہارا میاں گھر پر ہوگا تب آؤں گی اس سے بات کرنے تمہیں تو اپنی بات سمجھانا مشکل ہی ہے۔'' وہ چادر سر پر ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''خالہ چائے بن گئی ہے۔'' مریم جلدی سے کچن سے باہر نکلی تھی۔

''میری بچی تکلف نہ کیا کرو، . یہاں کون سا کھانے پینے آئی ہوں۔'' وہ مریم کے سر پر ہاتھ پھیر کر باہر نکل گئی تھیں۔

''ہونہہ اس کے بھائی سے بات کروں گی میں بھی دیکھتی ہوں کیسے اس کی شادی ہوتی ہے ایک انجینئر سے۔'' مریم خالہ کو دروازے پر چھوڑنے گئی تھی تب تک سلمیٰ بیگم کا غصہ عروج پر پہنچ چکا تھا۔

''اب بند کر کے اسے اندر بھی آ جاؤ، جانے دروازے پر کھڑے ہونے کا کیسا چسکا ہے جو پورا ہی نہیں ہوتا، تمہاری تاکا جھانکی کی یہ عادت تمہارے شریف بھائی کو ایک دن ضرور ذلیل کروائے گی۔'' خالہ رسولاں کا سارا غصہ اب مریم پر نکلنے والا تھا۔

''اماں رسولاں آئی تھیں، مریم کے لئے کوئی رشتہ لے کر، میں نے تو صاف منع کر دیا، جانے کیسے لوگ ہوں اور لڑکے کے بارے میں بھی جو انہوں نے بتایا مجھے عجیب ہی لگا، اب آپ ہی بتائیں مریم جیسی بھی ہے ہماری ذمہ داری ہے اب ہم کیسے اسے کان سے پکڑ کر باہر نکال دیں، یا اس کا ہاتھ کسی ایسے ویسے کے ہاتھ میں تھما دیں، اماں رسولاں ٹھہریں رشتے کروانے والی، انہیں کسی کے اچھا یا برا ہونے سے کیا غرض، انہوں نے تو بس دونو طرف سے مال پانی کھرا کرنا ہے۔'' اسی روز سلمیٰ بیگم نے کمال ہوشیاری سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شوہر کے دماغ میں بات ڈال دی تھی کہ جب اماں رسولاں وہ رشتہ لے کر دوبارہ آئیں تو یوسف صاحب ان کو جواب دے دیں۔

''تو تمہیں کس نے کہا ہے کہ ہم محض اماں رسولاں کے کہنے پر مریم کے لئے کوئی رشتہ قبول کرلیں گے، تمہیں مریم کے لئے جو بھی مناسب لگے تم وہی کرو، آخر مریم ہماری ذمہ داری ہے اماں رسولاں کی تو نہیں۔'' سلمٰی کو شوہر سے اسی جواب کی توقع تھی اس نے اطمینان سے کھانے کے خالی برتن سمیٹے تھے اور کچن کی طرف چل پڑی تھی، ویسے بھی شوہر کے سامنے وہ دکھاوے کو تھوڑا بہت کام کر بھی لیتی تھی کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ سارا کام اس کی بہن ہی کرتی ہے۔

☆☆☆

''کیا بات ہے آج بہت پریشان ہو۔'' سسٹر تہمینہ اپنی ڈیوٹی نمٹا کر آئی تو اسے اسٹاف روم میں گم صم بیٹھے دیکھ کر اس سے پوچھنے لگی تھی۔

''نہیں تو، میں کیوں پریشان ہونے لگی۔'' وہ مشکل سے اپنے چہرے کے تاثرات پر قابو پا کر بولی تھی۔

''کوئی بات تو ہے تو تم چھپا رہی ہو، نہیں بتانا چاہتی تو تمہاری مرضی، ویسے جہاں تک میرا اندازہ ہے یقیناً بھابھی بیگم نے کوئی نئی گل افشانی کی ہو گی، ورنہ ہماری مریم اداس ہونے والوں میں سے نہیں ہے، بہت بہادر ہے۔'' تہمینہ اس کی پریشانی کا اندازہ کرتے کرتے صحیح مقام تک جا پہنچی تھی ویسے بھی اس کی چند قریبی کولیگیز کو اس کے گھریلو حالات کا پتہ تھا اور یہ بھی کہ وہ ماں باپ کی وفات کے بعد بھابھی کے ستم و کرم پر ہے، بھابھی بھی ایسی جو اس پر زندگی تنگ کئے رکھتی ہے۔

''نہیں یار کچھ نہیں ہے بس طبیعت ٹھیک نہیں ہے، موسم بدل رہا ہے نا اسی کا اثر ہے۔''

''ہاں موسم تو بدل رہا ہے مگر تمہارے گھر کا موسم بھی بدلے تب ہے نا۔'' تہمینہ اٹھ کر اپنے اور مریم کے لئے چائے بنانے لگی تھی، مریم نے ممنونیت سے اسے دیکھا تھا اس وقت چائے سے زیادہ کسی اور چیز کی طلب تھی بھی نہیں۔

بھابھی کا بھائی آ رہا تھا، بھابھی کل رات سے بہت خوش تھیں اور مریم اسی حساب سے پریشان، بھابھی کا یہ بھائی جاب کے سلسلے میں دوبئی میں مقیم تھا اس لئے آج تک مریم کی اس سے ملاقات نہ ہو سکی تھی، مریم اب پریشان تھی کہ جانے وہ شخص کس قماش کا ہوتا ہے یقیناً بھابھی تو اپنے بھائی کو گھر میں کھلی چھٹی دے دیں گی اور ایسے میں مریم کے لئے مشکل ہو گی، آج صبح دس بجے تک اسے آ جانا تھا، ڈیوٹی آف کرنے کے بعد مریم کا گھر جانے کو دل ہی نہیں کر رہا تھا، مگر گھر تو جانا تھا، وہ مرے مرے قدموں سے بیگ اٹھا کر چل پڑی تھی۔

''مریم کپڑے بدل کر جلدی آؤ، کھانے میں دیر ہو رہی ہے۔'' وہ ابھی گھر میں داخل ہوئی تھی جب اس نے بھابھی کی آواز سنی تھی، آج خلاف توقع بھابھی کچن میں تھیں، مریم کپڑے بدل کر منہ ہاتھ دھو کر کچن میں چلی آئی تھی۔

''ادھر آؤ جلدی سے یہ سالن دیکھو، میں ذرا دو گھڑی سانس لے لوں، کب سے اکیلی ہی لگی ہوئی ہوں اور ہاں سلاد بھی ساتھ ساتھ بنا لینا اور دوسرے چولہے پر یخنی ابل رہی ہے چاول ڈال دینا، یہ کام کر کے پھر ٹیبل لگا دینا۔'' وہ کوک فریج سے نکال کر کھڑے کھڑے غٹ غٹ پیتے ہوئے اسے کام بھی بتائے جا رہی تھیں، مریم ہر بات بھلا کر تیزی سے ہاتھ چلانے لگی تھی کہ ابھی بہت سا کام باقی تھا اور اسے بھی زوروں کی بھوک لگ رہی تھی، ٹیبل لگا کر اور اپنے لئے ٹرے میں کھانا لے کر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔

''پھپھو پاپا بلا رہے ہیں۔'' اس نے ابھی پہلا لقمہ توڑا تھا کہ مرینہ اسے بلانے چلی آئی تھی۔

''کیوں؟ کوئی چیز چاہیے کیا۔'' باہر ڈائننگ ٹیبل پر برتن اٹھانے اور رکھنے کی آوازیں آنے لگی تھیں جس کا مطلب تھا کہ کھانا شروع ہو چکا ہے وہ پوچھنے لگی تھی۔

''نہیں، پاپا کہہ رہے ہیں آپ باہر آ کر سب کے ساتھ کھانا کھائیں۔'' مرینہ اسے پیغام پہنچا کر چلی گئی تھی، بھیا کا حکم تھا ناچار اسے اٹھنا پڑا تھا، وہ اپنی ٹرے وہیں چھوڑ کر اٹھ گئی تھی، وہاں تو اسے بھیا کے کہنے پر بیٹھنا تھا کھانا تو اسے اپنے کمرے میں ہی آ کر کھانا تھا۔

احتشام الحق، بھابھی کا بھائی، جو دیکھنے میں بالکل ان سے مختلف تھا، اس نے بس سرسری نظر اس پر ڈالی تھی اور سلام کر کے چاول اپنی پلیٹ میں ڈال کر دانہ دانہ کھانے لگی تھی جبکہ وہ بھیا کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا اور اپنی باتوں سے وہ اتنا میچور لگ رہا تھا کہ مریم کو حیرت سی ہونے لگی تھی کہ بھابھی کا یہ بھائی ایسی سوچ بھی رکھ سکتا ہے۔

''مریم گرین ٹی بنا کر لے آؤ، ہم ٹی وی لاؤنج میں جا رہے ہیں۔'' احتشام الحق اور بھیا پہلے اٹھ گئے تھے، بھابھی نے کھانا ختم کر کے اسے فوراً حکم دیا تھا، وہ گرین ٹی بنانے کے لئے اٹھ گئی تھی بعد میں اسے برتن بھی تو سمیٹنے تھے۔

☆☆☆

احتشام الحق کو آئے آج تیسرا روز تھا اور مریم کے سب بدترین خدشات ریت کی بھربھری دیوار ثابت ہوئے تھے جیسا اس نے سوچا تھا اس بار بالکل بھی ویسا نہیں ہوا تھا، احتشام الحق اس کی سوچوں کے برعکس نکلا تھا، وہ بہت سلجھی ہوئی اور صاف ستھری شخصیت کا مالک تھا، اس نے ایک بار بھی غلط نظر اٹھا کر مریم کو نہیں دیکھا تھا، وہ اپنی بہن کے کمرے یا پھر گیسٹ روم تک ہی محدود رہتا تھا، مریم کی ساری پریشانی دور ہو گئی تھی، وہ بہت پرسکون ہو کر اپنے معاملات زندگی سرانجام دینے لگی تھی۔

''مریم اگر تکلیف نہ ہو تو ایک کپ چائے تو بنا دیں۔'' وہ کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی، بھابھی ذرا دیر ہوئی پڑوس میں گئی تھیں، ویسے بھی آج کافی دنوں بعد وہ گھر سے نکلی تھیں، احتشام کی وجہ سے وہ زیادہ تر گھر میں ہی رہتی تھیں، مریم نے پیچھے مڑ کر دیکھا احتشام دروازے میں کھڑا تھا۔

''تکلیف کیسی، میں بنا دیتی ہوں۔'' جب وہ اس کی عزت کرتا تھا تو مریم کا بھی حق بنتا تھا کہ وہ اس کی عزت کرے وہ نرمی سے بولی تھی۔

''شکریہ۔'' وہ واپس مڑ گیا تھا۔

''یہ چائے۔'' وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا جب مریم چائے اور ساتھ میں کباب لے کر اس کے پاس پہنچی تھی، اس نے ٹرے میز پر رکھ کر اسے مخاطب کیا تھا۔

''اگر فارغ ہیں تو کچھ دیر بیٹھ جائیں، میں تو اکیلے بیٹھے بیٹھے بور ہو گیا ہوں۔'' وہ سیدھا ہوتے ہوئے بولا تھا، مریم کچھ سوچ کر سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

''آپ کی جاب تو بہت ٹف ہے، پھر میں نے دیکھا ہے آپ تقریباً گھر کا سارا کام بھی کرتی ہیں، آپا کو تو آپ نے بہت ریلیکس کر رکھا ہے اسی لئے ان کا وزن اتنا بڑھ گیا ہے، کچھ کام انہیں بھی کرنے دیا کریں۔''

''گھر کا کام ہوتا ہی کتنا ہے۔'' وہ کہنا تو چاہ رہی تھی آپ کی آپا نے خود ہی سارا کام میری اکیلی جان پر مسلط کر رکھا ہے ورنہ مجھے کیا شوق ہے جانوروں کی طرح صبح سے رات گئے تک جتے رہنے کا، مگر وہ ایسا کہہ نہ سکی تھی، آخر بھائی تو انہی کا تھا ظاہری بات ہے اپنی آپا کی ہر طرفداری کرتا۔

''خیر ایسے تو نہ کہیں آپ، کام تو بہت ہوتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے، میرے سامنے آپ صبح سے رات گئے تک لگی رہتی ہیں۔" وہ اس کے دل کی بات جان گیا تھا یا شاید اپنی آنکھیں کچھ زیادہ ہی کھلی رکھتا تھا۔

"وہ تو عادت ہو گئی ہے۔" وہ عاجزی سے بولی تھی تبھی داخلی دروازہ کھلا تھا اور بھابھی اندر داخل ہوئی تھیں، مریم کو احتشام کے پاس بیٹھے دیکھ کر تو انہیں پر لگ گئے تھے وہ گویا اڑتی ہوئی ٹی وی لاؤنج میں آئی تھیں۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو، جاؤ کچن کا کام دیکھو۔" انہوں نے سانس بھی بعد میں لیا تھا منظر سے مریم کو پہلے ہٹایا تھا، مریم خالی کپ اور ٹرے اٹھا کر کچن کی طرف چلی گئی تھی، اسے بھی احتشام کے پاس بیٹھنے کا کوئی خاص شوق نہیں تھا۔

"شامی کہیں گھوم پھر آتے، گھر میں کیوں گھسے بور ہو رہے ہو۔" اب انہوں نے لہجہ بدل کر بھائی کو مخاطب کیا تھا، انہیں تو گھر میں اس چلتی پھرتی قیامت سے خوف سا آنے لگا تھا، بلاشبہ مریم کا ملکوتی حسن اچھے اچھوں کے چھکے چھڑوا سکتا تھا اور احتشام تو ویسے بھی بہت حسن پرست تھا۔

"کہاں جاؤں، آپ کے شہر میں مجھے جانتا ہی کون ہے۔"

"ارے سعدیہ خالہ کی طرف ہو آتے، ویسے بھی کل انعم کا فون آیا تھا تمہیں پوچھ رہی تھی۔"

"میرا دل نہیں کرتا وہاں جانے کو، انعم کسی ڈرامے کی ہیروئن کی طرح سر پر ہی سوار رہتی ہے، مجھے اس فیشن کی ماری ہوئی کو دیکھ کر بہت کوفت ہوتی ہے آپا۔"

"لو بھئی شامی تمہاری بھی ہر بات الٹی ہی ہوتی ہے، آج کل جو چل رہا ہے وہ بے چاری اسی کے مطابق تو رہتی ہے۔" انہوں نے جلدی سے اپنی سگی خالہ زاد کی طرف داری کی تھی۔

"بس اپنی اپنی پسند کی بات ہے نا۔"

احتشام کے دل و دماغ میں سادگی میں بھی غضب ڈھاتی مریم کا سراپا گھوما تھا، آپا کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی سی بج اٹھی تھی حالانکہ احتشام نے انہیں کچھ نہیں کہا تھا۔

"یہ آج کل نرسنگ کا شعبہ کیا گل کھلا رہے ہے، ساتھ والی پڑوسن مجھے بتا رہی تھی کہ اس کی ایک کزن بطور نرس کسی نجی اسپتال میں جاب کرتی تھی وہاں کے مالک کو پھنسا کر اس سے شادی کر بیٹھی جبکہ وہ پہلے سے شادی شدہ اور تین بچوں کا باپ تھا، خدا کی پناہ یہ لڑکیاں بھی نا ذرا اپنے کام کا لحاظ کرتی ہوں۔" انہوں نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے اور اپنی طرف سے احتشام کا دل مریم کی طرف سے کھٹا کرنے کی کوشش کی تھی یہ جانے بغیر کہ انہوں نے نہایت ہی غلط بات نہایت غلط انداز میں احتشام کے سامنے پیش کی ہے۔

"ایسی لڑکیاں ہر شعبے میں اور ہر جگہ پائی جاتی ہیں، صرف نرسنگ کا شعبہ مخصوص نہیں ہے آپا، یہ تو بہت مقدس پیشہ ہے اور پھر جس طرح نرسیں دن رت مریضوں کی خدمت کرتی ہیں وہ تو قابل تحسین ہے۔" احتشام نے رسان سے کہا تھا کچن میں کھڑی مریم کا دل باغ باغ ہو گیا تھا جبکہ آپا منہ بنا کر وہاں سے ہٹ گئی تھیں، اگر احتشام کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ منہ توڑ جواب دیتیں۔

☆☆☆

ایسے لگتا ہے
جیسے آہنگ نو بہ نو کا کوئی دریچہ سا کھل گیا ہو
شجر سمندر پہاڑ وادی...... ہوا کی پائل
اداس تنہا سڑک، بیاباں کی ریت، ساحل
مکان...... ان کی چھتیں، دریچے اور ان کے چھجے
گلی کی جانب کو کھلنے والی ہر ایک کھڑکی اور اس کے
شیشے!
ہر اک شے سے برستی بارش کی گفتگو کا مزا جدا ہے
نیا ہے الفاظ کا چناؤ، نرالی بندش، نوا جدا ہے

ہر اک سے باتیں الگ الگ ہیں
ہر اک سے لہجہ جدا جدا ہے

آج کی رات عجیب خوبصورت رات کا لبادہ پہن کر آئی تھی، رم جھم بارش کی آواز مریم کو اپنے کمرے کی کھڑکی پر کوئی ساز بجاتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی، احتشام الحق بھابھی کا بھائی تھا، اس کے لئے شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتا تھا، مگر پھر بھی اسے اچھا لگنے لگا تھا، وہ آج جس طرح اس کی حمایت میں بولا تھا اس بات نے تو مریم کے دل کی پتھریلی زمین کو ہموار کرنے میں ایک پل بھی نہیں لگایا تھا، مریم تو بن مول ہی ایسے خوبصورت جذبے کے آگے بک گئی تھی۔

"آج تو لوگوں کے بات بات پہ دانت نکل رہے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے وارڈ سے باہر نکلی تھی جب آپریشن تھیٹر کے باہر کھڑی تہمینہ نے عینی کو کہنی مار کر کہا تھا اور اس کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ مریم سن سکتی تھی۔

"یار عینی دنیا کیسی ہے نہ تو روتوں کو دیکھ سکتی ہے اور نہ ہنستے ہوؤں کو۔" مریم نے بھی جواباً حملہ کیا تھا۔

"نہیں جناب یہ دنیا ایسی ہے کہ اسے اپنے یاروں کو روتے دیکھ کر تشویش ہو جاتی ہے اور ہنستے کھلکھلاتے ہوئے دیکھ کر تسلی ہوتی ہے خوشی ہوتی ہے۔" تہمینہ نے خلوص سے کہا تھا۔

"کہیں اس خوشی کا تعلق کسی اور بات سے تو نہیں۔" عینی متجسس ہوئی تھی۔

"ایسا ہی سمجھ لو۔" مریم ان کو تذبذب میں ڈال کر ٹک ٹک کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی، جبکہ تہمینہ اور عینی اس کو پکڑنے اس کے پیچھے لپکی تھیں۔

☆☆☆

"میری بات کان کھول کر سن لو، میرے بھائی کو اپنی ادائیں دکھانے کی ضرورت نہیں ہے، تم جو سوچ کر بیٹھ گئی ہو میں ایسا نہیں ہونے دوں گی، اس لئے جتنا اس سے دور رہو اتنا ہی اچھا ہے۔" وہ ذرا دیر کو کمرے میں ستانے کو لیٹی تھی جب بھابھی اس کے سر پر آ کر گرجنے لگی تھیں۔

"کک...... کیا مطلب ہے بھابھی آپ کا۔" وہ ایسی نہیں تھی اس لئے بھابھی کے ایسے الزام پر تڑپ گئی تھی۔

"مطلب تو تمہیں اچھی طرح سمجھ آ گیا ہو گا، اتنی معصوم نہیں ہو۔" وہ خود کو مریم کے سامنے وضاحت دینے کا پابند نہیں سمجھتی تھیں اس لئے پھنکارتے ہوئے کمرے سے نکل گئی تھیں۔

"کیا احتشام نے بھابھی کو کچھ کہا ہے۔" اس نے تو ابھی اپنے دل کی بدلی حالت کی خبر خود کو بھی اچھی طرح نہ ہونے دی تھی کہ بھابھی نے الزامات کی بوچھاڑ کر دی تھی، وہ سوچنے لگی تھی، مگر احتشام کے دل کی مجھے کیا خبر ہے، اس نے خود ہی اپنی سوچ کو جھٹکا تھا۔

"کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔" بھابھی بازار گئی تھیں، وہ اپنے کپڑے پریس کر رہی تھی جب احتشام اس کے کمرے کے دروازے پر کھڑا اس سے اجازت مانگ رہا تھا، بھابھی کی غیر موجودگی میں اب وہ اپنے کمرے سے کم ہی نکلتی تھی، بدنام ہو جانے سے احتیاط اچھی چیز ہے۔

"آیئے، کچھ کام ہے کیا۔" احتشام کو دیکھ کر شرٹ اس کے ہاتھ سے پھسل گئی تھی، وہ جلدی سے پوچھنے لگی تھی۔

"کام...... کام تو کوئی نہیں ہے، بس آپ سے باتیں کرنے کو دل کر رہا تھا۔" وہ اس کے کمرے پر طائرانہ سی نگاہ ڈالتے ہوئے بولا تھا، آج پہلی دفعہ وہ اس کے کمرے کا دیدار کر رہا تھا۔

"لیکن میں تو فارغ نہیں ہوں، آپ ایسا کریں باہر چل کر بیٹھیں میں باہر آتی ہوں۔"

وہ اس کے کمرے میں کھڑا تھا، بھابھی اگر اچانک گھر آ جاتیں تو اس بات پر جی بھر کر ناراض

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتیں اسی خیال سے مریم کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے تھے۔

''مریم میں کوئی جن تو نہیں ہوں جو تمہیں کھا جاؤں گا، تمہاری ہی طرح کا گوشت پوست کا انسان ہوں، پھر اتنا ڈر کیوں رہی ہو۔'' وہ اس کی اڑی اڑی رنگت دیکھ کر بولا تھا۔

''آپ...... آپ پلیز باہر چل کر بیٹھیں، بھابھی آ جائیں گی تو انہیں برا لگے گا۔'' وہ فرصت سے کھڑا تھا اور مریم کو اس کی منت کرنا پڑ رہی تھی۔

''او کے، باہر چلا جاتا ہوں، مگر تم اپنی حالت کو سنبھالو، لگتا ہے آپا نے کافی ڈرا دھمکا کر رکھا ہوا ہے۔'' وہ باہر جاتے جاتے اسے دیکھ کر شرارت سے کہہ گیا تھا، مریم بیڈ پر بیٹھ کر لمبے لمبے سانس لینے لگی تھی۔

''تم کیا جانو تمہاری آپا کیا چیز ہیں۔'' مریم نے دل میں سوچا تھا اور اپنے آپ کو نارمل کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

ساون رت اور اڑتی پروا تیرے نام
دھوپ نگر سے ہے یہ تحفہ تیرے نام
سرخ گلاب کے سارے موسم تیرے لئے
خوابوں کا ہر اک دریچہ تیرے نام
چاند کی آنکھیں پھول کی خوشبو بہتی رات
قربت کا ہر اک وسیلہ تیرے نام
برف میں پھیلا شام کا دھندلکا تیرے لئے
ہر اک صبح کا پہلا اجالا تیرے نام
ہنستی ہوئی سی تیری آنکھیں میرے لئے
بہتی جھیل میں پھول کنول کا تیرے نام
تیری یاد کا بہتا دریا میرے لئے
چاہت کا یہ تنہا جزیرہ تیرے نام
دنیا بھر میں جتنے منظر اچھے ہیں
ان کا حسن اور شور ہوا کا تیرے نام

اختشام کی طرف سے محبت و چاہت اور پسندیدگی کا بڑا واضح اظہار ہوا تھا مریم کو لگا تھا وہ ایک خواب دیکھ رہی ہے، ایسا خواب جو آنکھ کھلنے پر کسی پرانی عمارت کی طرح مسمار ہو جائے گا، وہ اس شام سارا وقت آنکھیں بند کیے بستر پہ پڑی رہی تھی، ڈر تھا آنکھ کھلے گی اور حسین خواب ٹوٹ جائے گا، بھابھی تک یہ خبر پہنچی تھی کہ اس کی طبیعت ناساز ہے، وہ کچن میں برتنوں کو پٹخ رہی تھیں مریم ڈھیٹ بنی لیٹی رہی تھی اور اختشام اس طبیعت کی خرابی کے پیچھے جو محرک کارفرما تھا اس سے بخوبی آگاہ تھا اس لئے مطمئن سا اِدھر اُدھر پھرتا رہا تھا۔

''اختشام صاحب یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔'' رات پر پھیلائے بیٹھی تھی، سب لوگ کھانا کھا کر چھت پر چلے گئے تھے، جہاں موسم کی تبدیلی کے پیش نظر سونے کے لئے بستر لگائے گئے تھے وہ مطلع صاف پا کر بستر سے اٹھ کر کچن میں بھوک مٹانے چلی آئی تھی، مگر اسے کیا خبر تھی کہ اختشام کمرے سے نکل کر کچن کے دروازے پر آ کھڑا ہو گا، اسے دیکھ کر جہاں دل نے دھڑکنوں کا انداز بدلا تھا وہیں وہ بے ساختہ بول گئی تھی، اشارہ دوپہر والے اظہار کی طرف تھا۔

''مریم آپ مجھے سب کی طرح شامی کیوں نہیں کہتیں، پورا نام کیوں لیتی ہیں۔'' سوال کچھ تھا جواب کچھ اور آیا تھا، شاید اسے یہ سوال فضول لگا تھا اس لئے سننے والے نے سرے سے ہی گول کر دیا تھا۔

''میں آپ سے کچھ اور کہہ رہی ہوں۔'' اس نے انا کا علم بلند کیا تھا۔

''بتایئے نا، اختشام کی بجائے شامی میں اپنائیت ہے۔'' وہ شرارت سے بولا تھا۔

''اور مجھے شامی کہنے سے اپنائیت کی بجائے شامی کباب کی خوشبو آتی ہے۔'' وہ سمجھ گئی تھی کہ اس کا مدعا نہیں سنا جائے گا اس لئے ہنستے ہوئے کہہ کر جھپاک سے اپنے کمرے میں گھس

گئی تھی، اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر زندگی کی گھٹن زدہ کوٹھڑی میں تازہ ہوا کا کوئی روزن کھلنا چاہتا ہے تو اسے کھول دینا چاہیے۔

اختشام کی سماعتوں میں قل قل کرتی ہنسی محفوظ ہو کر رہ گئی تھی، وہ اداس آنکھوں والی اس لڑکی کی یہ ہنسی ہی تو سننا چاہتا تھا۔

''کیا بکواس ہے یہ میں اپنے جیتے جی تو یہ نہیں ہونے دوں گی۔'' اختشام اب واپس جانا چاہتا تھا اور جانے سے پہلے اس نے آپا کے کانوں میں یہ بات ڈال دینا ضروری سمجھا تھا۔

''مگر کیوں آپا، اس میں آخر برائی ہی کیا ہے، مریم میں کس چیز کی کمی ہے۔'' وہ مریم کے لئے اپنا کیس لڑ رہا تھا اور آپا کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اختشام کا منہ کس طرح بند کر دیں، وہ اپنے لاڈلے بھائی کے منہ سے مریم کا نام بھی سننا نہیں چاہتی تھیں کجا کہ اس کو بھابھی کے روپ میں دیکھنا، کل تک جو لڑکی ان کی دست نگر تھی جس کو وہ ایک چیونٹی سے بھی زیادہ اہمیت دینے پر تیار نہیں تھیں آج وہی لڑکی کس مقام سے کس حیثیت سے کھڑا ہونا چاہتی تھی انہیں تو آگ لگ گئی تھی۔

''شامی تم اس بات کو یہیں ختم کر دو، آئندہ اس کا نام مت لینا، تمہارے لئے اچھی لڑکیوں کی کمی نہیں ہے اور ہاں اماں کا فون آیا تھا وہ تمہیں بہت یاد کر رہی ہیں۔'' سلمیٰ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس ڈائن مریم کی وجہ سے یہ وقت بھی آئے گا کہ وہ اپنے بھائی کو اپنے گھر سے جانے کا کہہ دے گی، ایسا بے شک انہوں نے دل پر پتھر رکھ کر کیا تھا مگر شامی کو اس چڑیل سے بچانے کے لئے یہ حفاظتی قدم اٹھانا بہت ضروری ہو گیا تھا۔

''مریم بھی ایک اچھی لڑکی ہے، آپ نے کیسے اس کو اس کیٹگری سے باہر نکال دیا تھا۔'' وہ تلملا اٹھا تھا۔

''وہ ایک نرس ہے، بھانت بھانت کے لوگوں سے سارا دن ملتی ہے، ہزار مردوں سے دن بھر اس کا پالا پڑتا ہے پھر ہمیں کیا پتہ وہ کیسی ہے، کسی کے ماتھے پر تو نہیں لکھا ہوتا کہ وہ ایسا ہے یا معصوم صورت دیکھ کر کردار کا اندازہ تو نہیں لگایا جا سکتا نا۔''

''آپا مجھے بہت افسوس ہے آپ کی سوچ پر، نرس ہونا کوئی عیب نہیں اور مریم کے بارے میں ہر کوئی گواہی دے سکتا ہے کہ وہ کیسی لڑکی ہے کس کردار کی مالک ہے پھر آپ کا دل کیوں نہیں۔''

''شامی تم اس کے لئے اپنی آپا سے بحث کر رہے ہو۔'' سلمیٰ بیگم نہایت دکھ سے بولی تھیں۔

''آپا میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا بس جو حقیقت ہے وہ بتا رہا ہوں۔'' وہ ان کے قریب بیٹھ کر ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نہایت نرم لہجے میں بولا تھا، سلمیٰ بیگم نے ناراضگی سے اس کا ہاتھ پرے ہٹا دیا تھا۔

☆☆☆

''پریشان مت ہونا، میں جلد ہی لوٹ کر آؤں گا۔'' اگلے دن ہی اس نے جانے کا قصد کر لیا تھا، وہ آپا کی نظر بچا کر مریم کو اک نئی آس اک نیا انتظار سونپنے آ کھڑا ہوا تھا، مریم کیا کہتی بس خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

''مجھ پر اعتبار رکھنا، میں ضرور لوٹ کر آؤں گا۔'' وہ جلدی میں تھا مگر پھر بھی اپنی گرم انگلیوں کا لمس اس کے دہکتے رخساروں پر چھوڑ گیا تھا۔

تو نہیں تیرا استعارہ نہیں
آسماں پر کوئی ستارا نہیں
وہ میرے سامنے سے گزرا تھا
پھر بھی میں چپ رہا پکارا نہیں
وہ نہیں ملتا اک بار ہمیں
اور یہ زندگی دوبارہ نہیں
ہر سمندر کا ایک ساحل ہے
ہجر کی رات کا کنارا نہیں
ہو سکے تو نگاہ کر لینا
تم پہ کچھ زور تو ہمارا نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھ پر اعتبار رکھنا۔'' یہ ایک سرگوشی آنے والے دنوں کا حاصل بن گئی تھی، مریم کی زندگی تو بس اس ایک فقرے کے اردگرد گھومنے لگی تھی، دوسری طرف سلمیٰ بیگم تھیں جنہوں نے مریم پہ زندگی اور تنگ کر دی تھی، پہلے تو وہ سانس اپنی مرضی سے لے سکتی تھی مگر اب تو اسے لگتا تھا سانس بھی بھابھی بیگم کی مرضی سے لینے پڑے گی۔

اٹھتے بیٹھتے ہر آئے گئے کے سامنے اسے وہ طعنے ملتے تھے کہ وہ خود سے بھی شرمندہ ہو جاتی تھی، بھائی کے سامنے اس کے ایسے ایسے عیب چن چن کر بتائے جاتے کہ ہر نئے دن کے ساتھ ساتھ بھائی جان کا پارہ اوپر سے اوپر چڑھنے لگا تھا اور اس سارے سلوک کی ایک ہی وجہ تھی۔

بس محبت، اختشام الحق کی محبت اور مجھ پر اعتبار رکھنا وہ دن کو کڑھتی اور راتوں کو جاگتی، اس کی صحت پہلے سے گرنے لگی تھی، وہ پہلے جیسی مریم تو کہیں سے بھی نہیں لگتی تھی، جینا تو پہلے بھی آساں نہیں تھا مگر اختشام الحق کی محبت نے تو جیسے ہر راہ ہی بند کر دی تھی۔

☆☆☆

''وہ کون تھا جس کے ساتھ آج تو آئی ہے، بتا باہر ہمیں بتائے بغیر کتنے یار بنا رکھے ہیں، اب بول بھی زبان کیوں نہیں کھولتی، جب شریف بھائی کی عزت سڑکوں پر رولتے دیدوں کا پانی نہیں مرا تو اب سچ بتاتے زبان کیوں بند ہو گئی ہے۔'' آخری فقرہ دروازے سے اندر داخل ہوتے بھائی جان کو دیکھ کر کہا گیا تھا اور مریم سامنے کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی، یقیناً آج بھابھی کے دل کی نفرت اس کے لئے سانپ بن کر اس کو ڈسنے والی تھی، ابھی سے اس کا جسم نیل و نیل ہونے لگا تھا۔

''بتا اب بولتی کیوں نہیں؟'' وہ پھنکار رہی تھیں۔

''بھابھی وہ لڑکا مجھے نہیں پتہ کون تھا، اس کی ماں کی حالت بہت خراب تھی اس کو کوئی ڈاکٹر نہیں مل رہا تھا تو وہ مجھے انجکشن لگانے کے لئے بڑی التجا کر کے ساتھ لے گیا تھا، بخدا میں کسی غلط نیت کے ساتھ اس کے ساتھ نہیں گئی تھی، میں کسی کی ماں کو مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی اور اس کے ساتھ......'' وہ رندھے ہوئے گلے کے ساتھ بتا رہی تھی۔

''اور اس کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھ کر سیر سپاٹے کرنے چل پڑی، واہ اچھی کہانی گھڑی ہے تم نے، تم کیا ہمیں بے وقوف سمجھتی ہو، تمہارے بد کے چھن تو میں کافی دنوں سے دیکھ رہی ہوں اور تم کہہ رہی ہو تم اس لڑکے کو جانتی نہیں ہو جبکہ میں نے کئی بار آتے جاتے اسے اپنی گلی میں گھومتے دیکھا ہے اب تم یہ بھی کہو گی کہ وہ تمہارے پیچھے نہیں آتا، بی بی یہ چکر کسی اور کو دینا ہم سفید پوش لوگ تو بری مشکلوں سے باپ دادا کی عزت بچا کر بیٹھے ہوئے ہیں مگر یہ تم جیسی لڑکیاں ہی ہوتی ہیں جو بڑوں کے سر میں خاک ڈالی دیتی ہیں۔'' بھابھی نے بڑی دانش مندی سے فرضی کہانی گھڑی تھی اور مریم کو بے قصور ہوتے ہوئے بھی قصور وار بنا دیا تھا، مریم سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایک نیکی اس طرح گلے پڑ جائے گی وہ واقعی اس لڑکے کو نہیں جانتی تھی اور واقعی اس لڑکے کی ماں کی حالت بہت خراب تھی مگر بھابھی کو اس وقت کیسے اور کون سمجھاتا۔

''بھابھی وہ......'' اس نے ایک بار پھر اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا تھا۔

''چٹاخ...... بکواس کرتی ہے بد زبان۔'' بھائی کی غیرت نے بیوی کا لمبا چوڑا مکالمہ سن کر جوش مارا تھا اور بات ابھی مریم کے منہ میں ہی تھی انہوں نے آگے بڑھ کر پوری قوت سے مریم کے منہ پر طمانچہ دے مارا تھا، مریم لڑکھڑا کر دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔

''مت ماریں اسے، جوان لڑکی پر ہاتھ مت اٹھائیں، کیا لوگوں کو تماشا دکھانا ہے۔'' بھائی کی آنکھوں میں خون اتر ہوا تھا، سلمیٰ بیگم نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''اتنا کچھ ہو گیا اور تو ابھی بھی مجھے روک رہی ہے۔''

''ایسے مت کریں، ٹھنڈے دماغ سے کام لیں، ادھر آئیں میری بات سنیں۔'' وہ بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اندر کمرے میں لے گئی تھیں، پھر تھوڑی دیر بعد مریم نے انہیں کچن سے پانی اندر لے جاتے دیکھا تھا، بھائی بے حد غصے میں تھے اور بھابھی مزید گوہر افشانیاں کر رہی تھیں، مریم بس یہی جانتی تھی، اس کی قسمت کا فیصلہ ہونے جا رہا تھا یہ مریم کے وہم گمان میں بھی نہ تھا، وہ بے بس کر اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گئی تھی۔

''کل شام کو تیرا نکاح ہے اب تو گھر سے نہیں نکلے گی، تمہارا بھائی عبدالقدوس کے ہاتھ میں تیرا ہاتھ دے کر آزاد ہونا چاہتے ہیں پھر وہی کرنا جو وہ چاہے گا۔'' کئی گھنٹوں کے بعد بھابھی نے دروازے پر کھڑے ہو کر اسے ایسی اندوہناک خبر سنائی تھی جس نے مریم کو لرزا دیا تھا۔

عبدالقدوس بھائی کی دکان کا ملازم تھا، بے حد کرخت اور خوفناک صورت والا پکی عمر کا عبدالقدوس جس نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی، جبکہ اس کے بارے میں مشہور تھا اس کی بیوی اسے چھوڑ کر بھاگ گئی ہے، اجڈ اور گنوار سا عبدالقدوس مریم کے جوڑ کا نہ تھا مگر بھابھی نے اپنے لاڈلے بھائی کی محبت سے ایسا انتقام لیا تھا کہ مریم کا دل چاہا تھا وہ ابھی اور اسی وقت اپنی زندگی کا خاتمہ کر لے۔

''بھابھی میں عبدالقدوس سے شادی نہیں کروں گی، بے شک مجھے زہر دے کر مار دیں مگر اتنی بڑا سزا نہ دیں۔'' وہ بلک رہی تھی مگر سلمیٰ بیگم دروازہ بند کر کے پلٹ گئی تھیں، اس خوبصورت بلا کو ٹالنے کا اس سے اچھا انتظام ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

☆☆☆

وہ ایک ڈراؤنا خواب تھا یا جانے کیا تھا اختشام سوتے میں اٹھ کر بیٹھ گیا تھا، اس کا سارا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا اس نے مریم کو روتے چیختے اور چلاتے دیکھا بھی تھا اور سنا بھی، کوئی اسے بے دردی سے مار رہا تھا اور وہ فریاد کر رہی تھی، اختشام سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا، پھر اس نے بے تابی سے آپا کے گھر فون گھما ڈالا تھا دل کو کسی صورت قرار جو نہیں آ رہا تھا۔

''ہیلو آپا کیسی ہیں آپ، بھائی کیسے ہیں اور بچے۔'' وہ آپا کے فون اٹھاتے ہی شروع ہو گیا تھا، جو بات پوچھنا چاہ رہا تھا اور جس کے بارے میں، وہ لبوں پر لاتے ہوئے ڈرتا تھا اسے ان دنوں میں مریم کے ساتھ آپا کے سلوک کا اندازہ ہو گیا تھا، اس نے ان کے گھر میں رہتے ہوئے بہت کچھ دیکھا تھا۔

''سب ٹھیک ٹھاک ہیں، تم سناؤ امی جان کیسی ہیں۔'' آپا کا لہجہ ہشاش بشاش تھا۔

''آپا سب ٹھیک تو ہے نا۔'' اس نے ان کو جواب دینے کے بجائے پوچھا تھا، جانے وہ ان سے کس قسم کی تسلی چاہتا تھا۔

''ہاں ہاں سب ٹھیک ہے، تم کیوں فکر مند ہو رہے ہو۔'' آپا اتنی نادان نہیں تھیں کہ اسے کسی بات کی بھنک بھی پڑنے دیتیں اس لئے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے اس کا دھیان بھٹکا کر فون بند کر چکی تھیں۔

مریم کے پاس آج کا آدھا دن اور ایک پوری رات تھی اور بس، اگلا دن اس کے لئے زندگی بھر کی مصیبت لانے والا تھا، اسے اپنے لئے خود کو عبدالقدوس جیسے جنگلی سے بچانے کے لئے جو کچھ بھی کرنا تھا وہ اسی کم وقت اور تھوڑی سی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مدت میں کرنا تھا، بھابھی نے اس کے باہر نکلنے پر پابندی لگا دی تھی اب گھر سے فرار اس کے لئے آسان نہ رہا تھا، وہ ہاسپٹل جاتی تو پھر کبھی لوٹ کر نہ آتی، مگر اب اسے سوچنا تھا کہ وہ کیسے گھر سے نکل سکتی تھی، جبکہ بھابھی اس پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھیں۔

''اس انسانوں سے بھری دنیا میں میرے لئے بہت جگہ ہوگی کوئی تو مجھے پناہ دے ہی دے گا جب اپنے غیر بن جائیں گے رشتے خون کے رشتے بے دید ہو جائیں بہت اپنے نفرت سے آنکھیں پھیر لیں تو پھر غیروں کو آزمانا ہی پڑتا ہے اور پھر میری کہانی سن کر کوئی مجھ پر ترس کھا ہی لے گا۔'' وہ بستر پر لیٹی مختلف انداز سے سوچ رہی تھی۔

جب کبھی زندگی کو سوچتا ہوں
ہر گھڑی تشنگی کو سوچتا ہوں
تیرے ہونے سے سب مکمل تھا
آج تیری کمی کو سوچتا ہوں
خواہشیں راکھ ہو گئیں جس سے
میں اسی بے بسی کو سوچتا ہوں
تجھ سے احساس کا ہے ربط عجیب
کب کہاں میں کسی کو سوچتا ہوں
دل کے صحرا میں جب غبار اٹھے
قطرہ قطرہ میں تجھ کو ہی سوچتا ہوں

''مریم نے جاب چھوڑ دی ہے بس ہوتی ہیں نا کچھ گھریلو مجبوریاں، اب بی بی میں تمہیں تفصیل کیا بتاؤں، ہاں سب کو کہہ دینا، اب وہ ہاسپٹل کبھی نہیں آئے گی۔'' سوچتے سوچتے جب اس کا دماغ شل ہو گیا تو اس نے اپنا دھیان باہر سے آتی بھابھی کی درشت آواز پر لگا دیا جو فون پر کسی سے مخاطب تھیں اور ان کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ فون ہاسپٹل سے آیا تھا، کس نے کیا ہوگا، سب مجھے مس کر رہے ہوں گے، تہمینہ، عینی، ثانیہ، رابعہ کون ہوگی فون پر، اپنی دوستوں کو یاد کر کے اس کے آنسو بہہ نکلے تھے۔

''میرے مریض، میری مسیحائی کے منتظر، سب مجھے یاد کر رہے ہوں گے، وارڈ نمبر دو کے بیڈ نمبر انیس کا بوڑھا مریض تو یقیناً مجھے کوس رہا ہوگا میری شکل میں اسے اپنی مرحوم بیٹی کی صورت نظر آتی تھی وہ تو میرے سوا کسی اور سے دوا بھی نہیں کھاتا تھا۔'' آنسوؤں میں تیزی آگئی تھی، اس نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا تھا، ہر کسی کے ساتھ اچھائی کی تھی، اس کے ماں باپ نے بھی کبھی کسی کو دکھ نہیں دیا تھا کہتے ہیں ماں باپ کا کیا اولاد کو بھگتنا پڑتا ہے اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ آخر وہ کیا کام ہوگا جو اس کے والدین سے سرزد ہوا اور سزا اسے مل رہی تھی اس کی یادداشت میں ایسی کوئی بات ایسا کوئی کام نہیں تھا، پھر اسے یاد آ گیا اس کے ماں باپ کی عظیم الشان غلطی سلمٰی بیگم کا انتخاب، وہ عورت تھی جو غلط انتخاب کے طور پر اس گھر میں آئی تھی اور جس کے آنے سے آج وہ برباد ہونے جا رہی تھی۔

شام آہستہ آہستہ ڈھلنے لگی تھی، سب ذی روحوں کو اپنے اپنے گھر لوٹنے کی جلدی تھی، کیا جانور اور کیا انسان سب سکون کی خاطر گھروں کو واپس جا رہے تھے اور مریم سکون کی خاطر اپنے گھر کو چھوڑنے والی تھی، آج کی رات سب گھروں میں سکون سے سوئیں گے اور وہ شہر کی سڑکوں پر بھٹک رہی ہوگی۔

اس نے ایک شاپنگ بیگ میں اپنے چند جوڑے اور کچھ ضروری سامان رکھ لیا تھا وہ سب کے سونے کا انتظار کر رہی تھی پھر اسے اس گھر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیر آباد کہہ دینا تھا، یہ اب اس کے ماں باپ کا گھر نہیں رہا تھا، سلمٰی بیگم کی راجدھانی تھی جس کے سیاہ و سفید کی وہ مالک تھی۔

''میں کیا کرنے جا رہی ہوں، ایک عورت

کی نفرت کی خاطر اپنے مرے ہوئے ماں باپ کے نام کو بٹہ لگانے، میں اس گھر سے چلی جاؤں گی تو سلمٰی بیگم کی پچھلی تمام باتوں پر تصدیق کی مہر ثبت ہو جائے گی، وہ دنیا والوں کو کبھی نہیں بتائے گی کہ میں نے کس ظلم سے بچنے کی خاطر گھر چھوڑا وہ تو سب کو بتائے گی کہ میں کسی کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی ہوں، لوگ مجھ پر تھوتھو کریں گے میرے بھائی کا سر جھک جائے گا، احتشام الحق کی محبت بے وفائی کا لیبل لگا دے گی اور میرا مقدس پیشہ جس کے ساتھ میں وابستہ ہوں لوگ اس پر بھی کیچڑ اچھالیں گے، میرا ایک غلط قدم میری باقی دوستوں کی بدنامی بن جائے گا۔'' رات گہری ہو گئی تھی وہ گھر سے باہر نکلنے کے لئے دروازہ کھولنے والی تھی مگر یہ سوچیں اس طرح اس پر حملہ آور ہوئی تھیں کہ وہ واپس اپنے کمرے میں آ کر بستر پر گر گئی تھی، اس نے اپنے بڑھتے قدم روک لئے تھے، اسے اب فرار کی ضرورت نہیں تھی وہ اس عورت کے ظلم و ستم کا نشانہ بننے کے لئے تیار تھی، وہ ایک اچھی بیٹی تھی اچھی بہن تھی اور با وفا محبوبہ تھا ای وہ ایسی ہی رہنا چاہتی تھی، وہ کسی کے لئے بھی بدنامی کا سبب نہیں بننا چاہتی تھی، اس کے لئے بے شک اسے عبدالقدوس کے حوالے کیوں نہ کر دیا جاتا۔

☆☆☆

دو گھنٹے بعد اس کا نکاح تھا، بس دو تین لوگوں کو نکاح کے لئے بلایا گیا تھا، سب کچھ ایسی خاموشی سے ہو رہا تھا کہ جیسے کسی کی موت کی تیاریاں ہو رہی ہوں۔

''یہ پہن لینا، نکاح خواں آنے والا تھا ساتھ ہی تمہارا دولہا بھی۔'' اس نے رو رو کر اپنا حشر کر لیا تھا بھابھی اس کے کمرے میں آئی تھیں اور ہلکے گلابی رنگ کا چمکتا ہوا جوڑا اور کچھ چیزیں اس کے قریب پھینک کر چلی گئی تھیں، وہ بے بسی سے اس جوڑے کو دیکھتی رہی تھی اور دل لہو رنگ ہوتا رہا تھا۔

باہر سے باتوں کی آواز آنے لگی تھی یقیناً مہمان آ گئے تھے، مریم نے گھبرا کر کانوں پر تکیہ رکھ لیا تھا وہ ان کی آوازوں سے بچنا چاہتی تھی، وہ کچھ ساعتوں تک تو سکون چاہتی تھی۔

سلمٰی بیگم چیزیں مریم کے پاس پھینک کر جونہی باہر نکلیں تو دروازے سے اندر صحن میں آنے والے شخص نے ان کے ہوش اڑا دیئے تھے، انہیں لگا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہیں، انہوں نے اپنی آنکھیں مل مل کر دیکھا تھا وہ کوئی خواب یا سیراب نہیں تھا، احتشام الحق تھا، جو سفری بیگ تھامے اب صحن کے وسط میں کھڑا تھا اور اسے اپنی آپا کے ساکت و جامد وجود کو دیکھ کر حیرانی ہو رہی تھی، کہ وہ اسے دیکھ کر خوشی کا اظہار کرنے کی بجائے سکتے میں کیوں آ گئی تھیں۔

''آپا آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' اس نے بیگ زمین پر رکھا تھا اور تیزی سے ان کے قریب آیا تھا۔

''تت...... تم کیسے آئے ہو۔'' آج آپا کی طبیعت واقعی ٹھیک نہیں لگ رہی تھی، سوال کچھ تھا جواب کچھ اور آیا تھا۔

''اسے کوچ سے آیا ہوں۔'' اسے مذاق سوجھا تھا، وہ مسکرانے لگا تھا، سلمٰی بیگم کو یہ مذاق ایک آنکھ نہیں بھایا تھا، کیا تھا اگر یہ دو گھنٹے صرف دو گھنٹے اور لیٹ ہو جاتا، انہیں ساری پلاننگ خاک میں ملتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

آپا کے چہرے پر ایسا کچھ تھا کہ احتشام کو کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا، گھر میں بہت سناٹا تھا، مگر اس سناٹے میں بھی ان دیکھی ہلچل سی محسوس ہو رہی تھی۔

''سلمٰی...... سلمٰی بیگم کہاں ہو بھی، مہمان بس آنے والے ہیں، میں یہ چیزیں لے آیا ہوں۔'' اس کے بہنوئی صاحب مختلف شاپر ہاتھ میں تھامے عجلت میں گھر میں داخل ہوئے تھے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احتشام کو دیکھ کر ذرا حیران ہوئے تھے پھر اس کے پاس آ کر اس کی خیریت پوچھنے لگے تھے۔

''کیسے مہمان آ رہے ہیں۔'' احتشام ان سے بغل گیر ہوتے ہوئے پوچھنے لگا تھا۔

''ابھی مریم کا نکاح ہے۔'' احتشام گھر کا بندہ تھا اس لئے اس وقت جب وہ ساری کارروائی اپنی آنکھوں سے دیکھنے والا تھا اسے بتانا ضروری ہو گیا تھا۔

''مریم کا نکاح؟'' اس پر تو آسمان ٹوٹ پڑا تھا، اس کی آواز دور کہیں کھائی سے آئی تھی۔

''ہاں۔''

''مگر اتنی جلد بازی میں کیوں؟ یہ شادی والا گھر تو نہیں لگ رہا، پھر نکاح کیسے اور کس کے ساتھ ہو رہا ہے۔'' وہ بے ربط سا بول رہا تھا، اسے اس ہلچل مچاتے سناٹے کے پیچھے کوئی بڑی کہانی نظر آ رہی تھی۔

''ادھر آؤ میں تمہیں بتاتی ہوں۔'' سلمٰی بیگم اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لے آئی تھیں اور جس طرح شوہر کے کان بھرے تھے انہی الفاظ میں احتشام کو سب کچھ بتانے لگی تھیں، احتشام نے بڑی تسلی سے بہن کی بات سنی تھی اور جیسے ہی ان کی بات ختم ہوئی تھی وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور تیزی سے بہنوئی کی جانب بڑھا تھا۔

''مریم جیسی بھی ہے جس کردار کی بھی مالک ہے جو بھی اس نے کیا ہے میں اس کو اپنانے کو تیار ہوں، بھائی جان اب آپ کا دل چاہے تو عبد القدوس کا پروپوزل مان لیں یا پھر مجھے یہ سعادت بخش دیں۔''

''مم...... مگر احتشام تم......'' مریم جیسی بھی تھی ان کی بہن تھی، احتشام الحق سو نہیں ہزار نہیں لاکھوں درجے عبد القدوس سے بہتر تھا اور پھر اگر وہ سب کچھ جانتے بوجھتے مریم کو اپنانا چاہتا تھا تو انہیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

''میرے لئے اس سے بڑی خوشی کی بات کیا ہو گی۔'' انہوں نے سوچنے میں ایک پل بھی نہیں لگایا تھا اس پل سلمٰی بیگم کے تاثرات دیکھنے والے تھے۔

☆☆☆

اس نے برستی آنکھوں کے ساتھ چمکتا دمکتا گلابی جوڑا پہن لیا تھا، نکاح خواں اندر آیا تھا اور اس سے ایجاب و قبول کے تمام مرحلے طے کروا لئے گئے تھے۔

''مبارک ہو۔'' وہ سر جھکائے بیٹھی تھی جب ایک شناسا سی دل کھینچنے والی آواز سماعتوں کے بے حد قریب سے ابھری تھی، اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا اور وہ دشمن جاں سامنے ہی تو کھڑا تھا، مریم نے اپنی نم آنکھیں اس کے سراپے پر ٹکا دی تھیں جن سے ایک ہی شکوہ پھوٹ رہا تھا کہ موت کی وادی میں جانے کی مبارک باد ساری دنیا دیتی ہے مگر یہ دشمن جاں تو نہ دیتا۔

''میں نے کہا مبارک ہو۔'' وہ اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔

مریم کو اس کے لہجے کی شوخی اس کی اس کے سامنے بیٹھنے کی جسارت ایک آنکھ نہ بھائی تھی، وہ کھسک کر دیوار کے ساتھ لگ گئی تھی، اگر سلمٰی بیگم آ جاتیں تو جانے اب اس کے لئے کیا سزا تجویز کرتیں اسے یہی خوف بہت تھا۔

''کچھ تو بولیں مریم، کیا نہ بولنے کی قسم کھا رکھی ہے۔'' وہ اس کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا تھا۔

''جو کچھ میرے ساتھ ہو رہا ہے، اس کے بعد بھی بولنے کی کچھ گنجائش رہ جاتی ہے۔'' وہ بیٹھی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

''یار اتنا بھی برا نہیں ہوا۔'' وہ شاید مسکرایا تھا۔

''کک...... کیا اس سے زیادہ برا کسی کے ساتھ اور کیا ہو سکتا ہے۔'' اس سے مریم کو وہ

بالکل اپنی اپنی زبان بولتا ہوا لگا تھا، اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی، محبوب ایسا بے وفا نکلے تو دکھ تو بے تحاشا ہوتا ہے۔

''مریم احتشام الحق صاحبہ اگر آپ کو رونے سے فرصت ہوتی اور آپ نکاح نامے پر نظر دوڑا لیتیں تو آپ کو بخوبی پتہ چل جاتا کہ آپ عبد القدوس صاحب کی نہیں بلکہ احتشام الحق کی زندگی میں داخل ہو گئی ہیں۔''

''انکشاف تھا یا دھماکہ۔'' مریم تو اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''آپ میرے ساتھ ایسا مذاق کیوں کر رہے ہیں۔''

''یہ مذاق ہے۔'' اس نے نکاح نامے کی کاپی اس کی آنکھوں کے سامنے لہرائی تھی اور مریم کے اعصاب اتنے مضبوط نہ تھے کہ سب کچھ سہہ جاتے، وہ کھڑے کھڑے لہرا کر بیڈ پر گری تھی، احتشام الحق پانی لینے باہر کو دوڑا تھا۔

☆☆☆

یہاں خاموش نظروں کا سہارا کون بنتا ہے
بہت گہرے سمندر کا کنارا کون بنتا ہے
چلو ہم دیکھتے ہیں خود کو اب برباد کر کے بھی
کہ ان بربادیوں میں بھی سہارا کون بنتا ہے

سلمٰی بیگم نے ان لوگوں سے مکمل بائیکاٹ کر رکھا تھا، اس دن اور اسی وقت احتشام مریم کو ہوش میں آتے ہی ساتھ لے کر اس گھر سے نکل آیا تھا، اس نے اپنی ماں کو آ کر ساری کہانی سنا دی تھی، وہ بیٹی جیسی نہ تھیں بلکہ سلمٰی بیگم جانے کے گھر میں کیسی سوچ لے کر پیدا ہوئی تھیں۔

حیرت ہوئی تھی، احتشام کے گھر میں آ کر مریم کو سب کچھ ملا تھا، محبت بھی عزت بھی اور چاہت بھی، اس نے دوبارہ سے جاب شروع کر دی تھی، کہ احتشام کے نزدیک یہ فرشتوں سا پیشہ تھا، سلمٰی بیگم کو جب جب اپنے میکے میں بستی مریم کی کوئی خیر خبر ملتی تھی ان کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے تھے۔

مگر مریم آج بھی منتظر تھی کہ سلمٰی بیگم اپنے دل کو وسیع کر کے اسے گلے سے لگا لیں۔

''کچھ پھل لینے ہیں اور کچھ مٹھائی۔'' آج وہ احتشام کے ساتھ آؤٹنگ کے لئے باہر نکلی تھی لیکن بازار جا کر اس کا ارادہ بدل گیا تھا اس نے احتشام سے فرمائش کی تھی۔

''وہ کیوں۔''

''بس لیں نا پھر بتاتی ہوں۔'' احتشام نے پھل اور مٹھائی لے لئے تھے۔

''اب بھیا کی طرف چلیں۔'' اگلی فرمائش اور بھی حیران کن تھی۔

''مگر مریم......'' احتشام سنجیدہ سا ہو گیا تھا، اسے مریم کے ساتھ اپنی آپا کا سلوک آج بھی یاد تھا۔

''بس آپ چلیں نا، پہل کسی کو تو کرنا ہے نا، وہ اپنی خود نہیں چھوڑتے تو ہمیں اپنی نہیں چھوڑنی چاہیے۔'' مریم نے بڑے پن سے کہا تھا اور احتشام نے بائیک آپا کے گھر کی طرف موڑ لی تھی جب اس کی بیوی کا ظرف بڑا تھا تو اس کا کیوں چھوٹا ہوتا۔

✕ ✕ ✕

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محبتوں میں حساب کیسا

مدیحہ تبسم

دسویں قسط

''تت...... تم جانتے ہو انہیں؟'' اس کے چہرے کے تاثرات نے نازو کو بے حد ٹھٹکا دیا تھا، اس نے بے یقین نظروں سے صالح کو دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا، جس کی آنکھوں مین حیرت واستعجاب کا دریا امڈ آیا تھا۔

''جی...... کیا یہ حسان کے پاپا ہیں؟'' اس نے خود ہی بے تابانہ انداز میں پوچھا تھا۔

''ہاں۔'' انہوں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے مدھم لہجے میں تصدیق کی تھی، گویا کسی جرم کا اعتراف کر رہی ہوں۔

اگرچہ جواب اس کی توقع کے مطابق تھا، تاہم پھر بھی اسے یوں محسوس ہوا تھا کہ کسی نے اس کے اعصاب پر بم بلاسٹ ہوا ہو، جس کے ذرات کے ساتھ اسے اپنا وجود بھی ریزہ ریزہ ہو کر بکھرتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

''تم نے بتایا نہیں، تم کیسے جانتے ہو

ناولٹ

انہیں۔'' صالح کے چہرے پہ جو زلزلے کے سے آثار تھے، اس نے نازو کو بھی مضطرب کر دیا تھا، بار بار اس کا دل دھڑک کر یہ اعلان کر رہا تھا کہ سامنے بیٹھا لڑکا اس کے لئے اجنبی نہیں، ان دونوں کے بیچ کوئی گہرا تعلق ہے۔

''مم...... م...... مم...... میں۔'' صالح نے اپنی پوری قوت صرف کر کے کچھ کہنا چاہا تھا، لیکن الفاظ ببول کے کانٹوں کی طرح اس کے حلق میں پھنس کر رہ گئے تھے، وہ بیچارہ اپنے لبوں کو کچل کے رہ گیا۔

نازو کی بے چینی تھی کہ حد سے سوا تھی اور صالح کے لب تھے کہ باہم مضبوطی سے ایک دوسرے میں پیوست تھے، کچھ کہنے کی کوشش میں اس کے لب پھڑ پھڑا کے پھر خاموش ہو گئے

''یہ لو، آج تم میرے ہاتھ کی کافی کے ساتھ ساتھ یہ کیک بھی ٹیسٹ کرو، جو اگرچہ میں نے نہیں بنایا، لیکن اگر میں بناتا تو یقیناً اس سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی مزیدار بناتا۔" حسان گرما گرم بھاپ اڑاتی کافی کے مگ کے ہمراہ کیک لئے بڑے خوشگوار موڈ میں اندر داخل ہوا تھا۔

نازو تو اسے اندر آتا دیکھ کر سنبھل کے بیٹھ گئی تھی، جو بھی حقیقت تھی وہ فی الحال حسان سے مخفی رکھنا چاہتی تھی، وہ نہیں جانتی تھی کہ اپنے باپ کے بارے میں کیسی رائے رکھتا ہے، البتہ اس کا اندازہ اتنا ضرور تھا کہ وہ اپنے باپ کے تذکرے پہ بیزار سا ہو جایا کرتا تھا، البتہ نازو کے ادب کا لحاظ کر کے وہ کبھی اسے اس تذکرے سے ٹوک نہیں پایا تھا، لیکن اس کے چہرے پہ جو تناؤ کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی وہ نازو کو پریشان کر دیتی تھی، جسے ہمیشہ وہ جھٹکنے کی کوشش کرتی۔

"مجھے امید ہے کہ اگر میرا بیٹا کیک بناتا تو اس سے کئی گنا اچھا بناتا۔" نازو نے مسکراتے ہوئے کہا، اس کا مقصد حسان کی توجہ اپنی طرف مبذول کروانا تھا، کیونکہ اگر وہ صالح کی حالت پر غور کر لیتا تو یقیناً چونک جاتا۔

یہ بھی شکر تھا کہ وہ کافی بنانے میں مصروف تھا، ان کے مابین ہونے والی گفتگو سے لاعلم تھا، ورنہ وہ ضرور بال کی کھال اتار کے چھوڑتا، نازو کی قصداً کی گئی کوشش کامیاب رہی تھی، وہ نازو کی طرف گھوم گیا تھا، صالح پر اس نے زیادہ غور نہیں کیا تھا۔

"امید کیوں؟ آپ کو یقین کیوں نہیں ہے کہ آپ کا بیٹا بہت مزے کا کیک بیک کر سکتا ہے۔" اس نے گردن کو اکڑاتے ہوئے فخریہ لہجے میں کہا تھا۔

"یقین تو کھانے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے، پہلے تو صرف امید باندھی جاتی ہے۔" نازو نے گویا بڑے پتے کی بات کی تھی۔

"ایسے یقین کا کیا فائدہ۔" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا، پھر کافی کا مگ نازو کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"چلیں یہ کافی تو چکھیں جس کے خوش ذائقہ ہونے کا آپ کو سو فیصد یقین ہے۔"

"بالکل۔" نازو نے مسکراتے ہوئے کافی کا مگ تھام لیا۔

حسان سے گفتگو کے دوران ان کی نظریں گاہے گاہے صالح کا جائزہ لے رہی تھیں، جو ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں گم صم بیٹھا تھا۔

"یہ لو یار! تم بھی پیو۔" حسان کی آواز اسے حقیقت کی دنیا میں کھینچ لائی۔

"تو اسی لئے مجھے اس سے اس قدر اپنائیت محسوس ہوتی تھی کہ اس لڑکے سے میرا کتنا گہرا خونی رشتہ ہے۔" کافی کا مگ پکڑنے کی بجائے وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔

"کیا بات ہے بھئی کہیں میرے سر پہ سینگ تو نہیں اگ آئے۔" اسے یوں ٹکٹکی باندھ کر اپنی طرف دیکھتا پا کر حسان نے اپنے سر پہ نادیدہ سینگوں کو تلاش کرتے ہوئے کہا تھا۔

"صالح بیٹا! آپ کی کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" نازو نے دانستہ ذرا اونچی آواز سے اسے مخاطب کیا تھا۔

وہ چونک کر سیدھا ہوا، نازو کی آنکھوں میں اسے ایک التجا نظر آئی تھی، گہرا سانس بھرتے ہوئے اس نے کافی کا مگ تھام لیا، حسان بھی اپنا مگ لئے اس کے برابر آ کے بیٹھ گیا تھا۔

ابھی اس نے کافی کا ایک گھونٹ ہی بھرا تھا، جب اس کے موبائل پہ بپ ہونے لگ گئی، مگ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے اس نے جینز کی سائیڈ پاکٹ سے سیل نکالا تھا، جس کی اسکرین پر "ماما کالنگ" کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔

"جی ماما! السلام وعلیکم!" اس نے یس کا بٹن پریس کر کے سیل کان سے نکالا۔

"ماما! میں حسان کی طرف ہوں۔" وہ اپنی موجودگی کا بتا رہا تھا۔

"اوکے I am coming۔" سیل

واپس پاکٹ میں ڈالتے ہوئے وہ اب حسان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"اوکے مجھے اب اجازت دو، ماما کا فون تھا، گھر میں کچھ گیسٹ آئے ہیں۔" وہ کہنے کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تھا۔

"تو کیا تم نے مہمان نوازی کرنی ہے۔" حسان بھی اس کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تھا۔

"ممکن ہے کرنی پڑ جائے۔" اس نے ہلکا سا زبردستی مسکرانے کی کوشش کی تھی اور نازو سے سلام لیتے ہوئے حسان کے ہمراہ باہر نکل گیا۔

نازو اپنے دل میں بے چینی کی خلش لئے وہیں بیٹھی رہ گئی۔

"مجھے صالح سے بہت جلد احمد کے بارے میں پوچھنا ہے۔" اس نے دل میں مصمم ارادہ کیا اور صالح سے اگلی ملاقات کے متعلق سوچنے لگی۔

☆☆☆

"آؤ بیٹھو۔" نازو نے اگلے دن ہی صالح کو اپنے بوتیک میں انوائیٹ کر لیا تھا، حسان ان کی اس ملاقات سے بے خبر تھا۔

"تھینک یو۔" اس نے چیئر سنبھالتے ہوئے کہا تھا۔

"چائے لو گے یا کافی؟" وہ انٹر کام کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس سے پوچھنے لگی۔

"کافی تو اب صرف حسان کے ہاتھ کی ہی اچھی لگتی ہے، آپ چائے منگوا لیں۔" وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا، نازو نے نوٹ کیا وہ کافی حد تک خود کو سنبھال چکا تھا، کل والی کیفیت یکسر ختم ہو چکی تھی اور اس بات نے نازو کو بھی کافی حد تک مطمئن کر دیا تھا کہ وہ مضبوط اعصاب کا سمجھدار لڑکا ہے۔

"اوکے۔" سر ہلاتے ہوئے اس نے دو کپ چائے آرڈر کی تھی۔

اگرچہ اس کے اندر بے تابی اور اضطراب کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

تاہم اس نے خود کو بظاہر پرسکون ہی رکھا تھا، پیون چائے رکھ کے جا چکا تھا، نازو نے آداب میزبانی نبھاتے ہوئے اسے چائے بنا کر دی تھی۔

"جی...... اب پوچھیئے آپ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتی ہیں۔" صالح نے چائے کا سیپ لیتے ہوئے نازو سے کہا تھا۔

کل سے وہ خود بھی بہت بے چین تھا، ہزاروں سوال سے اس کے دل و دماغ میں کلبلا رہے تھے، اس نے محسوس کیا تھا، نازو حسان کے سامنے اس موضوع کو چھیڑنا نہیں چاہتی تھی، لہٰذا وہ بہت بے کل ہونے کے باوجود خاموش رہا تھا، وہ خود کسی ایسے موقع کا متلاشی تھا جب حسان گھر نہ ہو اور وہ کھل کر نازو سے بات کر سکے، لیکن نازو نے آج خود ہی اسے فون کر کے اپنے بوتیک پہ انوائیٹ کر لیا تھا، صالح ایک منٹ کی بھی تاخیر کیئے بغیر ماما کو ایک ضروری کام کا کہہ کر اسی وقت نکل آیا تھا۔

"سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ حسان کے پاپا احمد صاحب سے تمہارا کیا رشتہ ہے۔" وہ سوال جو اس کے لبوں پہ مچل رہا تھا اس نے فوراً داغ دیا تھا۔

"وہ میرے ابو ہیں۔" وہ نہایت سکون سے گویا ہوا تھا۔

نازو چند لمحوں کے لئے اپنی جگہ پہ ساکت ہو گئی تھی، اس کی متحیر و بے یقین نگاہیں صالح کے چہرے پہ جم کے رہ گئی تھیں۔

"لیکن...... لیکن میں تو تمہارے فادر سے مل چکی ہوں۔" اس کے حواس کسی قدر ٹھکانے پہ آئے تو فوراً ہی اس کے ذہن میں صالح کے پاپا کی تصویر کسی کوندے کی طرح لپکی تھی۔

ایک تقریب کے موقع پر صالح نے اپنی ماما اور پاپا کا تعارف اس سے کروایا تھا۔

"وہ میرے فادر نہیں میرے چاچو ہیں،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے چاچو نے مجھے ایڈاپٹ کیا تھا، شروع میں ہم سب اکٹھے مل کے رہتے تھے، میری تین بہنیں ہیں، ایک کی وفات بچپن میں ہی ہو گئی تھی اب دو ہیں، میری چھوٹی بہن کی پیدائش کے وقت ڈاکٹرز نے میری امی سے کہا تھا کہ اب وہ دوبارہ کبھی ماں نہیں بن سکتیں، میں ان کا اکلوتا بیٹا تھا، میری ماما یعنی میری چچی کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں ان سے مجھے چھین نہ لیا جائے، کیونکہ ان کے گھر تو کوئی اولاد ہی نہیں تھی، پھر ماما کے بے حد اصرار پر پاپا لنڈن شفٹ ہو گے، میں اس وقت پانچ سال کا تھا۔" وہ کسی غیر مرئی نقطے پہ نگاہیں جمائے اسے اپنے آپ بیتی سنا رہا تھا، جبکہ نازو دم بخود اسے سن رہی تھی۔

"پھر تب سے لے کر اب تک میں کبھی پاکستان نہیں گیا، ماما میری محبت میں بہت زیادہ پوزیسو ہو چکی ہیں، انہیں ابھی تک یہ ڈر ہے کہ اگر میں پاکستان گیا تو میرے والدین مجھے واپس نہیں آنے دیں گے، ان کے جنون کا تو یہ عالم ہے کہ انہوں نے کبھی میری تصویر تک میرے گھر والوں کو نہیں دکھائی مبادا میری شکل انہیں بے چین نہ کر دے، البتہ میرے پاس سب کی تصویریں ہیں، جو میرے کزنز وقتاً فوقتاً مجھے سینڈ کرتے رہتے ہیں۔" ایک گہری سانس بھرتے ہوئے وہ خاموش ہو گیا تھا، نازو کو اس کا لہجہ بھیگا ہوا محسوس ہوا تھا۔

اگرچہ راحیلہ اور سعود نے اسے ہتھیلی کا چھالہ بنا کے رکھا ہوا تھا، اس کے ہر خواہش کو اس کے لبوں پہ آنے سے پہلے ہی پورا کر دیا گیا تھا، لیکن پھر بھی اپنے خونی رشتوں سے ملنے کی خواہش کبھی کبھار اس کی ہر خواہش پہ حاوی ہو جاتی تھی، یہ ایک ایسی خلش تھی جو بچپن سے لے کر اب تک اس کے ساتھ ساتھ پنپتی رہی تھی۔

"تو کیا تم کبھی پاکستان نہیں جاؤ گے؟" نازو نے اس کی یاسیت بھرے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"کچھ کہہ نہیں سکتا، ماما، پاپا مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں، میں ان کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتا، میری خواہشات اپنی جگہ، لیکن ان کا احترام ہر حال میں مجھ پر واجب ہے۔" اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا تھا۔

"احمد کے بیٹے کو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔" اس کی آنکھوں میں نمی پھیل گئی۔

"حسان بھی تو ان کا ہی بیٹا ہے۔" صالح نے کہنا چاہا تھا لیکن وہ کہہ نہیں پایا۔

کل سے ایک بات پھانس کی طرح اس کے سینے میں اٹکی ہوئی تھی، اس کے ابو احمد عبد الرحمن نے دوسری شادی کیوں کی؟ اور وہ بھی خفیہ، پھر ان میں سے ان کا ایک بیٹا بھی تھا، اگر انہوں نے شادی کر ہی لی تھی تو اسے مخفی کیوں رکھا؟

حسان اپنے والد کے بارے میں بغض رکھتا تھا اس نے الگ اسے پریشان کر رکھا تھا، جب اسے علم ہو گا کہ ان دونوں کا باپ ایک ہی ہے تو کیا وہ انتقام لینے سے باز آئے گا؟ سعود تو ہر وقت اپنے بڑے بھائی احمد عبدالرحمن کی تعریفوں سے رطب اللسان رہتا تھا، خود اپنا بیٹا دے کر انہوں نے جو ایثار کی اعلیٰ مثال قائم کی تھی اس کا گواہ تو خود صالح تھا۔

"کہیں کوئی ایسی بات ضرور ہے جو سب کے یا کم از کم میرے علم میں نہیں ہے۔" اس کے دل نے کہا تھا۔

اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ ساری حقیقت اسے حسان کی، ماما کے علاوہ اور کوئی نہیں بتا سکتا اسی لئے وہ آج کے سامنے موجود تھا اور پہلے انہیں اپنی کہانی سنا چکا تھا اور اب ان کی سننے کے لئے بے تاب وہ بے قرار تھا۔

"صالح بیٹا! بہت ساری باتیں ایسی ہیں میں کبھی کسی سے نہیں کہہ سکی، میرے دل پہ بہت

بڑا بوجھ تھا اور میں دن رات اپنے اللہ سے یہ دعائیں کرتی تھی کہ وہ اس بوجھ کو ہلکا کر دے، جب مروں تو پرسکون ہو کے مروں، میرا کسی پہ قرض نہ ہو، نہ ہی میں کسی کے مقروض ہوں آج تمہیں اپنے سامنے دیکھ کر میں پھر اس ذات اقدس کے سامنے سجدہ ریز ہونا چاہتی ہوں، جس نے میری اس خواہش کو بھی پورا کر دیا۔" اس کی آنکھیں احساس تشکر سے اشک بار ہو گئی تھیں۔

"میں نے اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کی کہ حسان کی اچھی تربیت کر سکوں اور شاید میں کسی حد تک اس میں کامیاب بھی رہی ہوں، لیکن پھر بھی مجھے کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنے باپ سے متنفر ہے، اس نے کبھی ایسا کہا تو نہیں لیکن ماں ہوں ناں، میں تو اس کے دل کے اندر تک جھانک لیتی ہوں، میں چاہتی تھی کہ اس کی ذات میں کوئی خلا نہ رہے وہ ایک کامیاب مرد بن کے زندگی گزارے، میں نے اسی لئے اسے کبھی اس کے باپ کے بارے میں نہیں بتایا، لیکن اب مجھے لگتا ہے کہ شاید میں نے غلطی کر دی، مجھے اسے سب کچھ بتا دینا چاہیے تھا، لیکن اب تو پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا، اس بات کا فیصلہ تو اب تمہیں کرنا ہے کہ میں نے صحیح کیا یا غلط۔" وہ چند ثانیے کو حال میں سانس لینے کو رکی کیونکہ اب اسے صالح کے ہمراہ اپنے ماضی میں سفر کرنا تھا۔

بہت طویل
بہت کٹھن
سالہا سال کی آبلہ پائی پہ مشتمل
لفظ لفظ آنسوؤں کی داستان کے ہمراہ
زخم زخم وجود لئے

"میرا نام نازنین ہے، میں ایک چھوٹے سے گاؤں کی رہنے والی تھی، میرے والدین نہایت سادہ تھے، میری ضد پہ میرے ابا نے مجھے کالج میں داخلہ دلوایا تھا، وہاں میری ملاقات نسرین عرف میری سے ہوئی تھی۔" اس نے بالکل ابتداء سے اپنی کہانی کا آغاز کیا تھا۔

کچھ وعدے، قسمیں، یادیں تھیں
کچھ قہقہے تھے فریادیں تھیں
کچھ آنسو تھے جو بہائے تھے
کچھ دھوکے تھے جو کھائے تھے
کچھ لمحوں کی پرچھائیاں تھیں
کچھ دل کو روگ لگائے تھے
اب پاس ہمارے کچھ بھی نہیں۔
اب آس کے مارے کچھ بھی نہیں
بس......
یادوں کی زنجیریں ہیں
کچھ رنگ اڑی تصویریں ہیں
کچھ لفظ مٹی تحریریں ہیں
اک دل جو دید کا پیاسا ہے
بس یہی میرا اثاثہ ہے
بس یہی میرا اثاثہ ہے

نازو اپنی داستان سنا کر خاموش ہو چکی تھی، آنسوؤں کی لڑیاں قطار کی صورت میں اس کے رخساروں پہ بہہ رہی تھیں، اس نے صالح سے کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی، ایک دفعہ پہلے اس نے احمد کو اپنی بپتا سنائی تھی جو بہت وسیع القلب تھا، جس نے اسے ملامت کرنے کی بجائے اس سے رشتہ جوڑا تھا اور کبھی اسے اس کی غلطی پہ عار نہیں دلائی تھی، بلکہ اپنا نام دے کر اسے معاشرے میں معتبر ٹھہرایا تھا اور اپنی نشانی حسان کی شکل میں اسے دے کر تو گویا اس پر احسانات و انعامات کی حد ہی کر ڈالی تھی، وہ احمد عبدالرحمن جیسا شخص ملنے پر ساری زندگی بھی خدا کا شکر ادا کرتی تو کم تھا۔

آج مد مقابل اسی شخص کا بیٹا تھا، جس میں اس نے احمد کی جھلک دیکھی تھی، اس کی خوشبو محسوس کی تھی، صالح کے بہت سے انداز و اطوار احمد سے ملتے تھے، اسی لئے آج اس نے اپنے دل کا بوجھ اس کے سامنے اتار دیا تھا، تا کہ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے مرنے کے بعد کوئی تو اس کے بیٹے کو حقیقت حال سے آگاہ کر سکے، کوئی تو ہو جو اس کی ذات میں موجود خلا کو پر کر سکے۔

صالح کو بھی اپنے گال گیلے ہوتے محسوس ہوئے تھے، کمرے میں قبر کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی، دونوں نفوس ہی اپنے اپنے خیالوں کی یلغار میں پھنسے ہوئے تھے۔

''تمہیں میرا فیصلہ کس حد ٹھیک لگا ہے بیٹا!'' طویل خاموشی کو توڑتے ہوئے بالآخر نازو نے اس سے دریافت کیا تھا، جسے نت نئے انکشافات نے جامد و ساکت کر ڈالا تھا۔

صالح نے گہری سوچوں کے آکٹوپس کو جھٹکتے ہوئے نہایت عقیدت و احترام سے لبریز آنکھوں سے نازو کو دیکھا تھا۔

''آپ نے جس راستے کا انتخاب کیا تھا وہ بہت طویل، کٹھن اور دشوار ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت صبر، حوصلہ اور استقلال بھی مانگتا تھا اور اس امتحان سے آپ کا بخیر و عافیت نکل آنا یقیناً اس میں اللہ تعالیٰ کی خاص مدد و نصرت آپ کے شامل حال رہی ہے۔'' وہ بولا تو اس کے لہجے و انداز سے تحسین آمیز جذبات چھلک رہے تھے۔

اور نازو کو یوں لگا تھا کہ جیسے یہ توصیفی کلمات اس کے سامنے بیٹھے صالح نے نہیں بلکہ احمد نے کہے ہوں، اس کی آنکھوں سے ایک بار پھر تشکر کے آنسوؤں نکل پڑے تھے۔

صالح اپنی جگہ سے اٹھ کر نازو کے پاس آیا، اس کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے نازو کے گود میں دھرے ہاتھوں کو تھاما تھا اور چوم کر نہایت عقیدت سے آنکھوں سے لگاتے ہوئے بولا تھا۔

''جس ماں کے دو جوان بیٹے ہوں، اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں ہونے چاہیے۔'' نازو کے آنسوؤں میں مزید روانی آ گئی تھی، اس نے صالح کو خود سے لگا لیا تھا اور دیوانہ وار اسے چومے جا رہی تھی۔

''میرا صالح...... میرا بیٹا...... میرے احمد کی نشانی...... اے خدا! میں حقیر سی بندی تیرا جتنا شکر ادا کروں اتنا ہی کم ہے، میں ایک بچے کو ترستی تھی تو نے مجھے دو دو بیٹے دے دیئے۔'' اسے لگ رہا تھا آج اس کے دل سے ہر حسرت ہر خلش ختم ہو جائے گی۔

''بس اب آپ نے مزید نہیں رونا۔'' صالح نے ٹشو باکس سے ٹشو کھینچ کر اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بڑی پیار بھری دھونس سے کہا تھا۔

''بیٹا! یہ تو شکرانے کی آنسو ہیں۔'' وہ پیار سے اس کے بال سنوارتے ہوئے بولی۔

''شکرانے کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں، صرف آنسو بہانے سے ہی شکر ادا نہیں ہوتے۔'' وہ ترنت بولا تو نازو بے اختیار ہنس پڑی۔

صالح نے آج پہلی مرتبہ انہیں ہنستے ہوئے دیکھا تھا، ورنہ وہ صرف مسکرانے پہ ہی اکتفا کرتی تھیں۔

''شاباش، میری ماما تو بس ہنستی مسکراتی ہی اچھی لگتی ہیں۔'' اسے ہنستا دیکھ کر وہ بھی خوش ہو گیا تھا۔

''اللہ میرے بیٹوں کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے تہہ دل سے دعا کی تھی پھر ایکدم کچھ یاد آنے پہ صالح سے پوچھنے لگیں۔

''تمہارے پاس تصویریں تو ہوں گی نا میری بیٹیوں کی، جن کا تم بتا رہے تھے کہ تمہاری دو بہنیں بھی ہیں۔'' ان کے لہجے میں محسوس کی جانے والی ممتا تھی۔

''جی ہاں ہیں، میرے کمپیوٹر میں ان کی تصویریں موجود ہیں، میں آپ کو لا کر دکھاؤں گا، میرے ابو اور چچا جان مل کے رہتے ہیں، ان کے بھی دو بچے ہیں، وہب اور ماہا اور میری صائمہ

پھپھو راولپنڈی رہتی ہیں، ان کے بھی دونوں بچے منال اور غوری پڑھنے کے لئے یہیں رہتے ہیں، سب مل جل کر رہتے ہیں اور آئے دن خوب ہلہ گلہ مچائے رکھتے ہیں، میرے پاس ایک فنکشن کی تمام پکچرز سیف ہیں، غوری نے سب سے چوری مجھے سینڈ کی تھیں، میں آپ کو دکھاؤں گا۔'' وہ بچوں کے سے جوش و خروش سے بولا تھا۔

''ضرور...... میں ضرور دیکھوں گی۔'' نازو نے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے تائید کی تھی۔

''ماما! پھر ہم سب مل کر پاکستان چلیں گے بہت مزہ آئے گا، ابو آپ کا اور حسان کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔'' وہ نازو کا ہاتھ پکڑ کے دبے دبے جوش سے بولا تھا، گویا تصور کی آنکھ سے مستقبل کا منظر دیکھ رہا ہو۔

نازو کا چہرہ اس کی خواہش پہ ایک لمحے کے لئے پھیکا پڑا تھا، کچھ بھی تھا وہ آج بھی اپنے ''وعدے'' پہ قائم و دائم تھی، اگر اس نے صالح سے یہ سب شیئر کیا تھا تو اس کا مقصد جان کر احمد کی زندگی کو ڈسٹرب کرنا نہیں بلکہ احمد کے کردار کو صاف کرنا تھا، جو حسان کی خود ساختہ غلط فہمیوں کے نتیجے میں گرد آلود ہو چکا تھا۔

''جو اللہ کو منظور ہوا۔'' وہ آہستگی سے اس کا سر تھپتھپا کے بولی، وہ اسی میں خوش ہو گیا تھا۔

☆☆☆

اب وہ حسان ان کی طرف سے مطمئن و پر سکون ہو گئی تھی، اسے صالح کی صلاحیتوں پہ اعتماد تھا وہ جانتی تھی کہ وقت آنے پہ صالح ہی حسان کی سوچ درست کر سکتا ہے، ویسے بھی آج کل اس کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی، اس کے دل کی بے تحاشہ خواہش تھی کہ وہ ایک بار اپنے پروردگار کا رحمتوں بھرا گھر دیکھ لے۔

حج کا سیزن بھی آنے والا تھا، اس نے حسان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو وہ ایک لمحہ خاموشی کے بعد بولا تھا۔

''ماما! ابھی تو آپ کی طبیعت بھی سیٹ نہیں رہتی، آپ اچھی طرح ٹھیک ہو لیں، پھر نیکسٹ ائیر چلیں گے، تب تک میری ایجوکیشن بھی مکمل ہو جائے گی۔'' حسان ان کی خواہش بہت عرصے سے جانتا تھا، لیکن ہر دفعہ ہی کوئی نہ کوئی پرابلم پیش آ جاتی اور ہر دفعہ ہی ان کا پروگرام کینسل ہو جاتا۔

''پتہ نہیں نیکسٹ ائیر تک کون زندہ رہتا ہے، اس سعادت کو حاصل کرنے کے لئے۔'' ان کے لہجے میں ایسی تشنہ حسرت تھی جس نے حسان کو بھی تڑپا دیا۔

''آپ پریشان مت ہوں ماما! ہم انشا اللہ اسی سال جائیں گے۔'' وہ ان کے ہاتھ تھام کے بولا تو نازو کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''اللہ میرے بیٹے کو ہمیشہ سکھی رکھے۔'' وہ وفور مسرت سے اس کے ماتھے کو بوسہ لیتے ہوئے نہایت محبت سے گویا ہوئیں۔

''دس از ناٹ فیئر ماما! یہ تو خالصتاً لڑکیوں کو دی جانے والی دعا ہے۔'' وہ بسورا۔

''تم میرے بیٹے بھی ہو اور بیٹی بھی۔'' وہ شرارت سے بولیں۔

''کیا...... آ...... آ۔'' وہ احتجاجاً چلا اٹھا، نازو کا پھولا ہوا منہ دیکھ کر ہنس پڑی۔

اسی اثناء میں لاؤنج میں پڑا ہوا فون چیخ اٹھا، وہ مصنوعی ناراضگی سے انہیں دیکھتا لاؤنج کی طرف بڑھ گیا، نازو اس کی چوڑی پشت کو دیکھتے ہوئے مسکرانے لگی۔

''ماما! میں ہاسپٹل جا رہا ہوں۔'' چند سیکنڈ بعد وہ فون سن کے آیا تو نہایت عجلت میں انہیں مخاطب کر کے بولا۔

''خیریت بیٹا! کس کا فون تھا؟'' نازو کا دل دھڑک اٹھا۔

''صالح کا۔'' وہ مختصراً کہتا واپس پلٹ گیا، نازو کا دل ڈوبنے لگا، وہ بھی اس کے پیچھے ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لپکی۔

"سب ٹھیک ہے؟ کون ہے ہاسپٹل میں؟" وہ اپنے کمرے سے کی رنگ لے کر نکل رہا تھا جب نازو نے بے تابی سے دریافت کیا۔

"صالح کے پاپا ہیں، مجھے اپنی خود صحیح صورتحال کا علم نہیں، وہاں جا کر آپ کو انفارم کروں گا، او کے اللہ حافظ۔" تیز تیز لہجے میں کہتا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر کی طرف بڑھ گیا۔

نازو اپنے ڈوبتے دل سمیت اندر آ گئی، صالح اسے بالکل حسان کی طرح عزیز ہو گیا تھا، وہ اٹھ کر وضو کر کے چل دی تا کہ اپنے دوسرے بیٹے کی خوشیاں اللہ سے مانگ سکے۔

☆☆☆

"سعود صاحب کو برین ٹیومر ہے وہ بھی آخری اسٹیج پہ۔" شام کو حسان گھر آیا تو وہ اس کے انتظار میں ٹہل رہی تھی، یہ خبر اس پہ بجلی بن کے گری تھی۔

"اور صالح۔" نازو نے سوالیہ نظروں سے حسان کو دیکھا تو وہ نگاہیں چرا گیا۔

"بہت بری حالت ہے اس کی۔" وہ مدھم لہجے میں بولا۔

"مجھے بھی لے چلو اس مشکل وقت میں ہمیں ان کے کام آنا چاہیے جبکہ ان کا یہاں اپنا کوئی نہیں ہے۔" وہ فوراً جانے کے لئے کھڑی ہو گئی تھی۔

"آپ کی بات ٹھیک ہے ماما! لیکن ابھی اس کے پاپا کے کولیگز وغیرہ وہاں جمع ہیں میں اور صالح صبح سے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں، انہوں نے زبردستی ہم دونوں کو بھیج دیا ہے، میں صبح جاتے ہوئے آپ کو ساتھ لے جاؤں گا۔" حسان نے نرم لہجے میں انہیں جانے سے منع کیا تھا۔

"ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں...... کوئی امید؟" نازو نے رک رک کر خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"ڈاکٹرز نے کہا ہے زیادہ سے زیادہ اڑتالیس گھنٹے کی زندگی ہے ان کے پاس۔" اس نے بتایا تو نازو کو اپنا دل پھٹتا ہوا محسوس ہوا۔

"کتنی عجیب بات ہے ناں ماما! ساری زندگی انہوں نے صالح کو اپنوں سے دور رکھنا چاہا اور آج اس زندگی نے ان سے وفا نہ کی، اب وہ چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی کے آخری سانس وہ اپنے ملک میں، اپنی سرزمین پر، اپنوں کے ساتھ گزاریں لیکن اب ان کے پاس اتنی مہلت نہیں ہے۔" حسان کا لہجہ صالح کے غم سے ٹوٹ رہا تھا۔

"بیٹا! ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ ان کی زندگی دراز......" وہ جو انہیں درازی عمر کی دعا دینے جا رہی تھی حسان نے اس کی بات درمیان سے ہی کاٹ دی۔

"نہیں ماما! ڈاکٹرز کہتے ہیں ان کی زندگی کی بجائے یہ دعا کرو کہ وہ جس تکلیف میں تڑپ رہے ہیں، انہیں اس تکلیف سے نجات مل جائے۔" حسان لب کچلتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

"آپ بھی کچھ دیر آرام کر لیں، آپ کی اپنی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، صبح ہم اکٹھے ہاسپٹل چلے جائیں گے۔" وہ انہیں آرام کرنے کی تاکید کرتا خود بھی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

نازو نے اس نازک موقع پر ان سب کا بہت ساتھ دیا تھا، سب سے زیادہ نازک حالت تو راحیلہ کی تھی، جو اپنے محبوب شوہر کو اس حالت میں دیکھ کر اندر ہی اندر ختم ہوتی جا رہی تھی۔

"کاش! میں اتنی خود غرضی کا مظاہرہ نہ کرتی تو سعود آج اپنوں کے درمیان ہوتے، ان کو کندھا دینے کے لئے اپنے ہوتے، میری خود غرضی نے انہیں اس حال تک پہنچایا ہے۔" راحیلہ، نازو کے کندھے سے لگی زار و قطار رو رہی تھی۔

"ایسی بات نہیں ہے راحیلہ! ہر انسان کو وہی ملتا ہے جو اس کی تقدیر میں درج ہوتا ہے، اگر سعود صاحب کی تقدیر میں درج ہوتا کہ وہ پاکستان جائیں تو تمہاری کوئی کوشش کوئی دعا کام نہ آتی، تقدیر کے آگے ہر حربہ بے کار اور ناکام ہو جاتا ہے، بس ان کی تقدیر میں یہی لکھا تھا۔" نازو نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے اسے دلاسہ دیا تھا۔

واقعی نازو کی باتوں سے اس کے دل کو کس قدر تسلی ہوئی تھی، لیکن اس کے دل کی بے قراری حد سے سوا تھی۔

"میں سعود کے بغیر زندہ رہ کے کیا کروں گی، سعود کے بغیر میرے لئے زندگی بے کار ہے۔" وہ ایک بار پھر تڑپ تڑپ کے رو دی۔

"ایسے نہیں کہتے راحیلہ! تمہارا بیٹا ہے اسے تمہاری ضرورت ہے۔" نازو نے اسے سرزنش کرنے کے ساتھ ساتھ صالح کا حوالہ دیا تھا۔

"وہ بھی میری وجہ سے محرومی کا شکار رہا تھا، اچھا ہو گا جب میں نہ رہوں گی تو اس کے سامنے راستہ بالکل صاف ہو گا، وہ بلا جھجک سب کی محبتوں کو سمیٹ سکے گا۔" وہ تو پتھر دل بن گئی تھی۔

"اتنی مایوسی کی باتیں نہیں کرتے، صالح سنے گا تو اسے کس قدر تکلیف ہو گی خود کو سنبھالو۔" نازو نے نرمی سے اس کے بال سنوارتے ہوئے پیار بھرے انداز میں کہا تھا۔

اس کی بات میں واقعی وزن تھا راحیلہ خاموش ہو گئی تھی، لیکن اس کے آنسو بدستور جاری و ساری تھے۔

"میں ذرا صالح کو دیکھ لوں، پتہ نہیں بچہ بیچارہ کدھر نکل گیا ہے۔" وہ صالح کی تلاش میں باہر نکل آئی۔

لفٹ سے نیچے اترتے ہوئے اسے ایک چہرہ جانا پہچانا سا لگا تھا، پہلے تو اس کے ذہن میں نہیں آیا کہ اس نے اس عورت کو کہاں دیکھا۔

"مونا!" دفعتاً اس کے ذہن میں جھماکہ ہوا، تو وہ دیوانہ وار اس کی طرف لپکی تب تک وہ کافی دور جا چکی تھی۔

"مونا...... مونا...... رکو۔" فاصلہ قدرے کم ہوا تو نازو اسے آوازیں دینے لگی گئی، مونا نے رک کر پیچھے پلٹ کے دیکھا۔

"کیسی ہو مونا!" اس کے قریب پہنچتے پہنچتے نازو کی سانس پھول گئی تھی، تاہم وہ اس کے پاس پہنچ کے ہی رکی تھی۔

"تم نازنین ہو ناں؟" نازو کی توقع کے برعکس اس نے فوراً اسے پہچان لیا تھا۔

"ہاں۔" اس نے سر اثبات میں ہلایا، پھر تعجب آمیز لہجے میں استفسار کرنے لگی۔

"تم نے مجھے اتنی جلدی کیسے پہچان لیا۔" اسے واقعی حیرت ہوئی تھی، کیونکہ اب وہ نوجوانی سے بڑھاپے میں داخل ہو چکی تھی، خود مونا بھی کافی حد تک بدل چکی تھی، جوانی کی خوبصورتی و رعنائی اب ختم ہوتی جا رہی تھی، اسی لئے اسے بھی پہچاننے بھی کچھ وقت لگا تھا۔

"کیونکہ تم آج بھی اتنی ہی خوبصورت ہو۔" مونا نے سفید دوپٹے کے ہالے میں اس چمکتے چہرے کو سراہتی نظروں سے دیکھتے ہوئے قہقہہ لگایا تھا، نازو جھینپ گئی۔

"بھئی اپنے محسن کو کون بھولتا ہے، میں بھی نہیں بھولی۔" وہ کندھے اچکاتے ہوئے اپنے وہی لاپرواہ انداز میں بولی، نازو نے سمجھ نہ آنے والی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"تم جانتی ہو، اندر کمرے میں بستر مرگ پہ لیٹی شخصیت کون ہے۔" اس نے عجب بھید بھرے انداز میں اس سے دریافت کیا تھا۔

"نہیں۔" نازو نے سر نفی میں ہلایا۔

"مہرین، میری Your collage friend۔" مونا کے انکشاف نے اسے ہلا کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھ دیا، اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"Dont warry" میں یہاں اس کی تیمار داری کے لئے نہیں رکی بلکہ اس خبیث (موٹی سی گالی) کی طرف میرے کچھ احباب ہیں، بڑی مشکل سے اس ہاسپٹل کی کھوج لگاتے اس تک پہنچی تھی، آ جاؤ تم بھی مل لو۔" اس کی گالیاں بکنے کی عادت ابھی تک ترک نہیں ہوئی تھی، وہ اس کا ہاتھ پکڑے اندر کمرے میں داخل ہوئی، نازو کو اپنی ٹانگوں سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی، وہ مونا کے ساتھ گھسٹتی ہوئی اندر پہنچی تھی۔

"میری" میری کو دیکھ کر اسے ایک زبردست دھچکا لگا تھا، ہڈیوں کا ڈھانچہ بنی وہ بیڈ پہ لیٹی نظر ہی نہیں آ رہی تھی، وہ چہرہ جو حسن میں اپنی مثال آپ تھا آج عبرت کا نشان بنا ہوا تھا، پچکے گال، اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں، ستواں ناک اب کافی حد تک پھیل چکی تھی، آدھے سے زیادہ دانت بھی گر چکے تھے، اس کا سرا جسم کمزوری و نقاہت کے باعث کپکپا رہا تھا۔

"میرے خدا!" نازو نے بے ساختہ جھرجھری لی، اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ زندگی میں دوبارہ بھی میری سے ملے گی، وہ تو اس باب کو ہی ختم کر چکی تھی، لیکن آج اسے اپنے سامنے اور وہ بھی اس حالت میں دیکھ کر نازو کے دل کی کیفیت بڑی عجیب ہو رہی تھی۔

"اے میری! دیکھو کون آیا ہے۔" مونا نے اس کے قریب جا کر زور سے کہا تھا۔

"بیچاری کو اونچا سنائی دیتا ہے۔" مونا نے استہزائیہ متاسفانہ لہجہ اختیار کیا تھا، نازو اپنے لب بھینچ کے رہ گئی، اس کا دل گویا کسی نے مٹھی میں جکڑ رکھا تھا۔

میری نے آہستگی سے آنکھیں کھولی تھیں اور اونچا ہو کر سامنے دیکھنے کی کوشش کی۔

"اُف......!" نازو نے بے ساختہ اپنی آنکھیں زور سے میچیں، وہ آنکھیں جن میں زندگی بڑے بھرپور طریقے سے گردش کرتی تھی، آج سیاہ اندھیرے غاروں کی مانند بے نور لگ رہی تھیں۔

"نازنین ہے، وہی نازنین جس کی وجہ سے تمہاری قسمت کی کایا پلٹی تھی اور میری بھی۔" مونا نے تعارف کروا کے خود ہی اس کی مشکل کو حل کر دیا تھا، میری بڑے بھرپور طریقے سے چونکی تھی اور پھر اپنی قوت صرف کر کے تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے نیم دراز ہو گئی اس کی نگاہیں نازو پہ جمی تھیں۔

"ناز...... نین۔" اس کے سوکھے پپڑی زدہ لبوں میں جنبش ہوئی تھی۔

"جانتی ہو نازنین! تمہارے جانے کے بعد ان تینوں کا بہت برا حال ہوا تھا، بیچاروں نے بڑی کوشش کی کہ تم انہیں مل جاؤ لیکن تم تو میری دسترس سے بھی نکل چکی تھیں۔" مونا اب نازو کی طرف متوجہ تھی۔

"بیٹھو، میں تمہیں ساری بات بتاتی ہوں۔" مونا نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ کسی ریموٹ کنٹرول ربورٹ کی طرح چیئر پہ بیٹھ گئی۔

"یہ تینوں حسنات راؤ سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ تمہیں ایک ماہ کے لئے اس کے محل میں چھوڑیں گے ویسے بھی ان کے پاس جتنی بھی مراعات تھیں وہ سب حسنات راؤ کی دی ہوئی تھیں، میرے ساتھ تو یہ لوگ پہلے ہی فراڈ کرتے آ رہے تھے، ان کا مقصد یہ تھا کہ اب میں ان کے درمیان سے نکل جاؤں۔"

"خیر جب میں نے تمہیں وہاں سے غائب کروایا تو پہلی رات ان تینوں نے حسنات راؤ سے کوئی بہانہ گھڑ دیا، میرے پاس بدلہ لینے کا بہت اچھا موقع تھا، میں نے حسنات راؤ کو فون کیا اور بتایا کہ ان تینوں نے مل کر کسی اور پارٹی سے پیسے زیادہ لے کر نازو کو اس کے حوالے کر دیا ہے،

حسنات راؤ تو غصے سے پاگل ہو گیا اس نے دو دن تک انتظار کیا، تم نے نہ ملنا تھا نہ ملی، میری بات اس کے دل میں راسخ ہو گئی، بس پھر وہیں سے ان کی بدبختی کا آغاز ہوا، حسنات راؤ نے ان سے تمام مراعات چھین لی، یہ تو میں جانتی تھی کہ وہ اصولوں کا کتنا پکا آدمی ہے، وہ بے ایمانی برداشت نہیں کرتا، بس پھر اس نے ان تینوں کو کوڑی کوڑی کا محتاج کر دیا، یہ کتوں کی طرح آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔

"تینوں نے مل کر پاکستان میں کچھ پراپرٹی خریدی تھی، اب یہی ان کا آخری سرمایہ تھا، دولت کے لالچ میں عدیل ہاشمی نے سکندر کو قتل کر ڈالا، اس کا ارادہ تھا میری کو ٹھکانے لگا کے وہ ساری پراپرٹی سمیٹ لے، لیکن میری نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے اپنا فلیٹ چھوڑ دیا اور تھانے تک پہنچ گئی اور عدیل ہاشمی کو پچیس سال قید بامشقت کی سزا مل گئی، پیچھے تو کوئی تھا نہیں جو اس کا دفاع کرتا، پتہ نہیں جیل میں ہی مر کھپ گیا یا ابھی تک کہیں پڑا ہوا ہے۔"

"رہ گئی میری، تو یہ عدیل ہاشمی کے خوف سے سب کچھ بیچ باچ کر امریکہ چلی گئی، لیکن شاید تمہاری بددعاؤں کا حصار اس کے ساتھ ساتھ تھا، بیچاری نے جو کام بھی کرنا چاہا اس میں نقصان ہی اٹھایا، تھک ہار کر شادی کر لی، شوہر شراب کا رسیا نکلا، جو اسے بھی مار پیٹ کر شراب کے لئے پیسے نکلواتا ہے، دو بیٹے، ایک بیٹی ہے لیکن وہ بھی باپ کے نقش قدم پر ہیں، بیٹی اپنے ہی بھائیوں اور باپ کے ہاتھوں کھلونا بنی ہوئی ہے، امریکہ میں گھر چونکہ اس کے نام تھا لہٰذا اس نے اسے بیچ ڈالا اور لندن آ گئی، لیکن تب تک اسے بیماریوں نے چاٹ ڈالا تھا۔" مونا یوں اسے بتا رہی تھی جیسے کوئی کہانی سنا رہی ہو، اس کے لہجے میں کہیں بھی میری کے لئے تسلی یا ہمدردی نہیں تھی۔

میری نے دونوں ہاتھ گود میں دھرے تھے اور کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح سر جھکائے بیٹھی تھی، آنکھوں کے سوتے خشک تھے، پتہ نہیں وہ کتنا رو چکی تھی کہ اب اس کی آنکھوں میں آنسو بھی نہ رہے تھے۔

"مم...... مجھے...... م...... معاف...... کر...... دو۔" میری نے اپنے رعشہ زدہ ہاتھ اس کے سامنے جوڑتے ہوئے کہا۔

"تمہیں معافی مجھ سے نہیں اللہ سے مانگنی چاہیے کہ وہ تمہاری اگلی منزلیں آسان کرے، حیرت اور افسوس تو یہ ہے کہ تمہیں ہر قدم پہ ٹھوکر ملی لیکن تم نے کسی بھی موقع پر اپنے رب سے رجوع نہ کیا، ابھی بھی موقع ہے ابھی بھی اسے سے معافی مانگ لو۔" میری کو نازو اس وقت بہت شفیق بہت پاکیزہ اور بہت اعلیٰ ہستی لگی تھی، وہ اپنے ہی ہاتھوں پہ سر رکھ کے پھوٹ پھوٹ کے رو دی، پتہ نہیں کب کا خشک سیل رواں پھر سے جاری ہو گیا تھا۔

"میں بہت بری عورت ہوں نازنین! میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتی کہ اس کے تقدس میں مجھے پناہ مل سکے، میرے گناہ حد سے بڑھ چکے ہیں۔" اس کا لہجہ مکمل مایوسی کا غماز تھا۔

"تمہارے گناہ جتنے بھی سہی اس کی رحمت سے بہرحال کم ہی ہیں، مجھے دیکھو میں تو تم سے بھی زیادہ گناہ گار ہوں، لیکن اس رحمن نے میرے ایک دفعہ معافی مانگنے پر ہی میرے عیبوں پر پردہ ڈال دیا، اس سے بڑا گناہ کیا ہوگا کہ میں نے اپنے بوڑھے والدین کے سر میں خاک ڈلوائی، بڑھاپے میں ان کی ذلت و رسوائی کا سبب بنی۔" نازو کی آواز رندھ گئی، وہ جب جب اپنے والدین کے جھکے ہوئے سر کو تصور میں لاتی تب تب اسے اپنا دل کٹتا محسوس ہوتا۔

"نہیں...... نہیں۔" میری نے تڑپ کر اسے ٹوکا۔

"جس دن تم میرے ساتھ گھر سے بھاگی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی، اسی دن واپسی پرتم جس وین پہ جاتی تھی وہ وین ایک ٹرالر سے ٹکرا کر راستے سے گزرتی خان پور کی نہر میں جا گری تھی، کئی لاشیں لا پتہ رہ گئی تھیں، تمہارے گھر والے بھی یہی سمجھتے رہے کہ تم بھی ان میں سے ایک ہو۔" میری کی باتیں سن کر نازو کو اپنی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھاتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"تو کیا یہاں بھی اس کے رب نے اس کی لاج رکھ لی تھی؟" اسے لگا تھا آج یہ آخری پھانس بھی اس کے سینے سے نکل گئی۔

"مجھے عدیلہ نقوی ملی تھی، وہ تمہارے حوالے سے بہت افسوس کر رہی تھی، وہ تمہارے گھر بھی گئی تھی، اس نے مجھے بتایا تھا، میں نے چاہا کہ اسے حقیقت بتا دوں، لیکن کسی نادیدہ قوت نے مجھے ایسا کرنے سے روک لیا۔" میری مزید اسے بتا رہی تھی۔

نازو کو احساس ہوا اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا، اس کے اندر بولنے کی بھی سکت نہیں تھی، اس کے گھر والے اسے مردہ سمجھ کے رو دھو بیٹھے تھے، یہ لاکھوں کروڑوں گنا بہتر تھا اس سے کہ انہیں حقیقت سے آگاہی ہوتی، کم از کم وہ لوگوں کے طعنوں، تشنوں سے تو بچ گئے تھے، آخر کبھی نہ کبھی تو ان کے دل کو قرار آ ہی گیا ہوگا، وہ رب کی رضا سمجھ کر کبھی تو صبر کر ہی بیٹھے ہوں گے۔

"میں تمہاری گناہ گار ہوں نازنین! مجھے معاف کر دو۔" وہ ایک مرتبہ ملتجی لہجے میں گویا ہوئی۔

"تم نے یہ خبر سنا کر میرا ہر درد ختم کر دیا ہے، میں نے تمہیں اپنا ہر قصور معاف کیا اور تمہیں بھی نصیحت کروں گی کہ ابھی بھی وقت ہے نجانے تم نے کتنی زندگیاں برباد کی ہیں ابھی بھی معافی مانگ لو۔" نازو کچھ بولنے کے قابل ہوئی تو نرم لہجے میں اسے ترغیب دینے لگی۔

"بھئی میں نے پہلے ہی اس گھپلے سے توبہ تائب ہو کے ایک فرم میں جاب کر لی تھی، اگرچہ میں تمہاری طرح نمازی نہ بن سکی، لیکن میں نے کسی کی زندگی کو بھی جہنم نہیں بنایا، ان تینوں کے واقعے سے عبرت پکڑ کے میں نے شادی کر لی اور حلال طریقے سے زندگی گزاری شاید یہی وجہ ہے کہ آج میں باعزت زندگی گزار رہی ہوں۔" مونا جو اس سارے وقت میں خاموش بیٹھی تھی میری کی حالت پہ جھرجھری لیتے ہوئے بولی۔

"آپ یہاں بیٹھی ہوئی ہیں اور میں ہر جگہ آپ کو تلاش کر چکا ہوں۔" صالح اسے ڈھونڈتا ہوا یہاں تک پہنچ گیا تھا اور انہیں ایک قریب المرگ عورت کے سامنے بیٹھے دیکھ کر جھنجھلا کے بولا تھا۔

"یہ میرا بیٹا ہے صالح، میرے دو بیٹے ہیں، دوسرا ابھی یہیں ہیں۔" نازو نے ان دونوں سے صالح کا تعارف کروایا تھا۔

میری کی گردن ندامت کے بار گراں سے جھکی ہوئی تھی، وہ اپنا سب کچھ لٹا پٹا کے اگلی منزل کے انتظار میں تھی اور وہ بھی بالکل خالی ہاتھ۔

"صالح بیٹا! یہ میری کالج فیلو مہرین ہیں اور یہ مونا۔" نازو نے اب اس کا تعارف کروایا، تو وہ بے حد چونک کر میری کو دیکھنے لگا، جو دیکھنے والوں کے لئے عبرت کا نشان بن چکی تھی۔

"انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے، قدرت کی لاٹھی بے آواز ہے، چلیں ماما! حسان آپ کا ویٹ کر رہا ہے۔" صالح نے ایک سرد آہ خارج کرتے ہوئے نازو کا ہاتھ پکڑ کے اسے اٹھانا چاہا۔

"اچھا میری! میں رب تعالیٰ سے تمہارے لئے دعا کروں گی اور تم بھی کرنا، ابھی بھی اسے پکار لو، شاید یہی پکار کام آ جائے۔" نازو آنکھوں میں آنسو لئے کھڑی ہوگئی اور مونا سے مصافحہ کرتی ہوئی صالح کے ہمراہ باہر نکل گئی، میری ان دونوں کی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔

"Enjoy your life"۔ سب کو یہ سبق رٹوانے والی کو خود یہ نعرہ بہت مہنگا پڑا تھا، وہ سب کچھ گنوا کے ہی دست و تہی داماں تھی۔

"لیکن نہیں، نازنین کہہ رہی تھی ابھی بھی میرے پاس کچھ وقت ہے۔" اس کے دل کے اندر ایک نئی امید جاگی اور پہلی دفعہ اس نے پچھتاوے کے بجائے گناہ کی ندامت لئے توبہ کے آنسو بہائے تھے۔

جس لڑکی کو اس نے غلاظت کے ڈھیر پہ پھینکنا چاہا تھا وہ جاتے ہوئے اسے روشنی کا راستہ دکھا گئی تھی۔

☆☆☆

بہت کٹھن بہت تکلیف دہ وقت تھا یہ ان سب کے لئے، سعود اڑتالیس گھنٹے بھی گزار نہیں پائے تھے کہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے پھر ایک غم ہوتا تو شاید وہ سب مل جل کے سہار لیتے، لیکن سعود کی وفات کے تیسرے دن ہی راحیلہ اپنے محبوب شوہر کے پہلو میں جا سوئی تھی۔

صالح کے اوپر تو گویا غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا، اس کے دل کو کسی طور چین و قرار نہیں آ رہا تھا، اس کا ہنستا بستا گھر ایک دم اجڑ گیا تھا، وہ گھر جس میں ان تینوں کے قہقہے تھے خوبصورت یادیں تھیں، آج وہاں قبرستان کی سی خاموشی تھی، حسان اور نازو اس کے ساتھ ساتھ تھے، اس کے غم میں برابر کے شریک، صالح تو اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھا تھا، جو کچھ بھی کیا تھا وہ حسان نے ہی کیا تھا اور پھر آنے جانے والی سے نازو نے ملاقات کی تھی، راحیلہ اچھی خاصی سوشل خاتون تھیں، انہوں نے یہاں بہت سے تعلقات قائم کر رکھے تھے۔

صالح کے لئے پاکستان سے بھی مسلسل فونز آ رہے تھے، اس کے اپنے دوہری جدائی کے عذاب میں مبتلا تھے، وہ صالح کو بہت تسلی بہت دلاسہ دیتے تھے۔

کبھی نرمی کبھی گرمی کبھی عجلت کبھی دیر
وقت اے دوست بہرحال گزر جاتا ہے
لمحہ لمحہ نظر آتا ہے کبھی اک اک سال
کبھی لمحے کی طرح سال گزر جاتا ہے

وقت کا تو کام ہی گزر جانا ہوتا ہے، وقت سے بڑا مرہم کوئی نہیں، اس واقعے کو بھی تقریباً ایک مہینہ ہونے کو آیا تھا، صالح نے جیسے تیسے کر کے خود کو تھوڑا بہت سنبھال ہی لیا تھا اور زیادہ وقت اسٹڈی کو دینے لگ گیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھا بزنس کی کوئی کتاب کھولے ہوئے تھا، کتاب سامنے پڑی تھی، لیکن اس کا ذہن کہیں اور ہی محو پرواز تھا، وہ اپنے خیالوں میں مگن تھا جب ڈور بیل کی چنگھاڑتی آواز نے اسے متوجہ کیا۔

"اس وقت کون آ گیا۔" وہ بری طرح اپنی تنہائی میں ڈوبا ہوا تھا، کتاب کو یونہی کھلا چھوڑے وہ بیرونی گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

"السلام و علیکم!" اس نے گیٹ کھولا تو سامنے حسان اور نازو کھڑے تھے، نازو نے سلام میں پہل کی تھی۔

"وعلیکم السلام! آیئے اندر آیئے۔" سلام کا جواب دیتا وہ راستہ چھوڑ کے سائیڈ پہ ہو گیا، حسان بھی اس سے مصافحہ کرتا اندر داخل ہو گیا تھا۔

"میں نے سوچا ذرا اپنے بیٹے کی تو خبر گیری کر کے آؤں۔" نازو نے اندر داخل ہوتے ہوئے صالح کو مخاطب کیا۔

"بلکہ چھاپہ مار کے آؤں کہیں لڑکا بگڑ تو نہیں رہا۔" حسان نے اس کے کان میں سرگوشی کی جو اتنی بلند ضروری تھی کہ نازو بخوبی سن سکتی تھی، صالح کے لبوں پہ بے ساختہ مسکراہٹ رینگ گئی۔

"پھر ہو گئی تسلی۔" اس نے حسان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ابھی کہاں، ابھی تو اس گھر کی ایک ایک چیز چیک کی جائے گی، تمہارا کیا بھروسہ تم کسی حسین دوشیزہ کو مکھی بنا کر دیوار سے چپکا دو اور ہم اسے ڈھونڈتے رہ جائیں۔" حسان نے بڑی باریک بینی سے دیواروں کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا۔

"لندن کی حسین دوشیزہ کم از کم مکھی بننا تو گوارا نہیں کرے گی۔" صالح نے اس کی بات کو انجوائے کرتے ہوئے کہا۔

چند لمحوں کے لئے اس کا ذہن بھی بٹ گیا تھا، اس کا بہت سنجیدہ اور لئے دیئے رہنے والا دوست جب اسے ہنسانے کی خاطر اوٹ پٹانگ باتیں یا حرکتیں کرتا تو اسے اس پر ٹوٹ کر پیار آتا، جب وہ اس کی خاطر اپنا مزاج بدل سکتا تھا تو پھر صالح کا بھی حق بنتا تھا کہ ہر وقت پژمردہ بن کر اس کی حوصلہ شکنی نہ کرے، وہ بھی اس کا دل رکھنے کو مسکرا اٹھتا اور واقعی ایسا کرنے سے اس کے گرد گرد چھائی کثافت چھٹنے لگتی تھی۔

"تم دونوں کے لئے لڑکیاں ڈھونڈتی ہوں اور جلدی سے تمہارا کوئی انتظام کرتی ہوں۔" نازو اب صوفے پہ بیٹھ چکی تھی اور مصنوعی تنبیہی نگاہوں سے دونوں کو گھور رہی تھی۔

"ماما! میں تو بہت شریف ہوں البتہ صالح کی گارنٹی نہیں دے سکتا۔" حسان فوراً سے پیشتر بول اٹھا تھا۔

"اپنے بیٹے کی گارنٹی دینے کے لئے میں جو ہوں۔" نازو نے نہال ہوتی نظروں سے اپنے خوبرو بیٹے کو دیکھا تھا جو ان کا دل رکھنے کو مسکرایا تھا۔

"ماما! آپ اس کو نہیں جانتیں، جن دنوں یہ یونیورسٹی نہیں جا رہا تھا ناں، ان دنوں وہ مس سوئٹزر لینڈ روزانہ مجھ سے اس کا پوچھنے کے لئے آئی تھی۔" حسان نے اپنی طرف سے اس کا بھانڈا پھوڑنا چاہا تھا۔

"وہ تم سے بات کرنے کے بہانے میرا پوچھنے آتی ہو گی۔" صالح نے فوراً حقیقت اگلی تھی۔

حسان کھسیانا ہو کے اسے گھورنے لگا، اس کی حالت دیکھ کر صالح کی ہنسی نکل گئی اسے ہنستا دیکھ کر ان دونوں کا سیروں خون بڑھ گیا تھا۔

"تم تو بڑے میسنے ہو، میں تو تمہیں سیدھا سادا ہی سمجھتا رہا۔" وہ جیسے اپنے ہی خیالات پہ افسوس کر رہا تھا۔

"میسنا نہیں باخبر کہو۔" اس نے تصحیح کی۔

"ایک یہ بات ہے کان کو ادھر سے پکڑ لو یا ادھر سے۔" حسان نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

"اچھا بیٹا! باقی باتیں تو ہوتی رہیں گی ہم دراصل تم سے ملنے آئے تھے۔" نازو نے اپنی آمد کا مقصد بتایا۔

"جی......؟" صالح نے سمجھ نہ آنے والی نگاہوں سے انہیں دیکھا، ملنے تو وہ اسے تقریباً روز ہی آتے تھے پھر یہ کیسا ملنا تھا جس کی وضاحت وہ بطور خاص کر رہی تھیں۔

"دراصل میں اور حسان حج پہ جا رہے ہیں، پرسوں کی فلائیٹ ہے انشاء اللہ۔" انہوں نے بڑے جذب سے بتایا تھا۔

بات تو خوشی کی تھی لیکن پتہ نہیں کیوں صالح کو اپنی ہارٹ بیٹ مس ہوتی محسوس ہوئی تھی۔

"آپ......" کچھ کہنے کی کوشش میں اس کے لب پھڑپھڑا کے رہ گئے۔

"میرا ارادہ تو بہت پہلے سے تھا، لیکن درمیان میں پھر اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا، ایسے میں ہم تمہیں اکیلا تو نہیں چھوڑ سکتے تھے، بس اب پرسوں آخری فلائیٹ سعودیہ جا رہی ہے، حسان بڑی بھاگ دوڑ کے بعد ٹکٹیں حاصل کی ہیں، اللہ تعالیٰ تم دونوں کو صحت تندرستی اور نیک ہم سفر عطا کریں، راحیلہ کی طرح میری خواہش بھی یہی ہے کہ تم اپنی پڑھائی کے بعد اپنوں کے درمیان چلے جاؤ میں نے ساری زندگی اس سرد ملک میں گزاری ہے، یہاں کچھ بھی نہیں ہے، کچھ نہیں، تم تو خوش قسمت ہو کہ تمہارے پاس اتنے پیارے رشتے موجود ہیں، میں تم دونوں کے لئے بہت دعائیں کروں گی۔" وہ بالکل ایسے باتیں کر رہی تھیں جیسے کوئی انسان الوداعی ملاقات پہ کسی سے کرتا ہے۔

حسان بے چینی سے پہلو بدل کے رہ گیا، شاید اس نے بھی وہ بات محسوس کی تھی جو صالح کر رہا تھا، اسی لئے وہ بھی مضطرب ہو رہا تھا۔

"آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں آنٹی! آپ کو واپس ہمارے پاس آنا ہے۔" صالح نے مچل کر کہا تھا۔

صالح کا حسان اور نازو سے کیا رشتہ ہے حسان فی الحال اس سے بے خبر تھا اور یہ بوجھ بھی نازو نے اسی کے ناتواں کندھوں پہ ڈالا تھا کہ صالح اسے ساری حقیقت بتائے گا لیکن ابھی نہیں، اس کے جانے کے بعد، جب مناسب وقت آئے گا، اسی لئے اس کی موجودگی کا لحاظ کر کے اس نے نازو کو آنٹی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

"بیٹا! بڑی مقدس جگہ سے بلاوا آیا ہے، میں تو سالوں سے منتظر تھی کہ کب میری آنکھیں خود پہ ناز کریں گی، کب ان آنکھوں کو وہ مقدس مقامات نصیب ہوں گے، ساری زندگی کی تڑپ کو اب شرف قبولیت ملا ہے، بس اب اللہ پاک دل کی آخری حسرت بھی پوری کر دے، وہاں تا قیامت قیام کے لئے دو گز زمین نصیب ہو جائے، تو مجھ گناہ گار سا کوئی خوش نصیب نہ ہو گا۔" ان کے لہجے میں جو عشق حقیقی کی تڑپ تھی اس نے دونوں کو خاموش کر دیا تھا۔

اور پھر وہ دن بھی آن پہنچا جب ان کی فلائیٹ تھی، صالح ان دونوں کو سی آف کرنے ائیر پورٹ آیا تھا، جانے کیوں اس کا دل بار بار کہہ رہا تھا کہ وہ اب اس چہرے کو دوبارہ نہیں دیکھے گا۔

ڈیپارچر لاؤنج میں پہنچ کر نازو نے ایک خط اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"جب پاکستان جاؤ تو اپنے پاپا کو میرا سلام دینا اور یہ خط انہیں دے دینا اور ہاں میرا حسان تمہارے پاس میری امانت ہے، میرے بعد اس کی دیکھ بھال کرنا، کوشش کرنا اس کو کبھی دکھ نہ ملے، خدا ہمیشہ تمہیں شاد و آباد رکھے آمین۔" انہوں نے ماتھا چوم کر اسے دعا دی تھی، وہ اسی دعا کے حصار میں مقید انہیں دیکھتا رہا تھا، جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

"صالح! کیا بات ہے، تم بہت پریشان لگ رہے ہو۔" اس نے آج کوئی کلاس اٹینڈ نہیں کی تھی، بس سارا دن تنہا ایک گوشے میں دوسرے گوشے میں بیٹھ کر گزارا تھا۔

کل کا سارا دن اور ساری رات بھی اس کی رو کے گزری تھی، ایک پل کے لئے بھی چین نہیں آیا تھا، زندگی میں ایک بار پھر اسے راحیلہ اور سعود کی کمی بے حد شدت سے محسوس ہوئی تھی۔

جوزفین نے صبح اس کی ایک جھلک تو دیکھی تھی لیکن اس کے بعد وہ اسے نظر نہیں آیا، وہ اسے ڈھونڈتی ڈھانڈتی بالآخر ایک گوشے میں اس تک پہنچ ہی گئی تھی، وہ تنہا بیٹھا کسی گہری سوچ میں ڈوبا تھا، جوزفین کے پکارنے پر اس نے خالی خالی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"مائی گاڈ! تمہاری آنکھیں بے حد سرخ ہو رہی ہیں، یقیناً تم کل روتے رہے ہو۔" وہ اس کی شدت گریہ سے سرخ آنکھیں دیکھ کر پریشان ہو اٹھی، اسے حسان سے وابستہ ہر چیز سے عشق تھا اور یہ تو پھر جیتا جاگتا وجود تھا وہ بھی حسان کا اکلوتا اور گہرا دوست۔

"نہیں، ایسا تو کچھ نہیں ہے۔" وہ نظریں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چراتے ہوئے رخ پھیر گیا۔

"صالح! تم تو بہت نرم مزاج ہو، حسان کی طرح مجھے اجنبیت کی مار تو مت مارو۔" اس کے لہجے میں نمی گھل گئی تھی، صالح کا دل فوراً موم ہو گیا۔

"تم کل یونیورسٹی بھی نہیں آئے یقیناً کوئی بات ہے ورنہ حسان کے بعد تم نے بہت ریگولر کلاسز اٹینڈ کی ہیں۔" اس کے چہرے پہ ندامت کے اثرات دیکھ کر جوزفین فوراً پہلے والی بات پر آ گئی۔

"ہاں...... وہ...... جوزفین...... وہ۔" صالح نے کہنا چاہا تھا لیکن آنسوؤں کا پھندا اس کے حلق میں اٹک کے اس کے سارے الفاظ کو گڈمڈ کر گیا، اسے اپنا آپ خالی پرزے کی مانند ہوا میں اڑتا، بکھرتا محسوس ہوا تھا۔

"ہاں...... ہاں...... بولو...... کیا بات ہے۔" جوزفین نے اپنائیت بھرے انداز میں اسے بات آگے بڑھانے کا حوصلہ دیا تھا۔

"وہ...... حسان کی ماما...... نازنین آنٹی...... کل مدینہ منورہ میں...... انتقال کر گئیں۔" اس نے نہایت دقت کے ساتھ اٹک اٹک کر اپنا جملہ مکمل کیا تھا۔

"مائی گاڈ!" جوزفین کو بھی زبردست شاک لگا تھا۔

"مجھے پہلے ہی پتہ تھا جوزفین! وہ واپس نہیں آئیں گی، وہ ہمیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ کے جا رہی ہیں، لیکن...... لیکن وہ ایسی جگہ جا رہی تھیں جہاں ہم انہیں جانے سے روک نہیں سکتے تھے اور ہمارے روکنے سے وہ رک نہیں سکتی تھیں۔" اس کے الفاظ پر آنسو غالب آ گئے تھے۔

"اور حسان......" کافی دیر ٹھہر کے جوزفین نے اس دشمن جاں کے متعلق استفسار کیا تھا۔

"وہ وہیں ہے اس کی فلائیٹ تین دن بعد ہے اس نے مجھے کہا تھا صالح رونا نہیں یہ میری ماما کی آخری خواہش تھی زندگی کی آخری خواہش پورا ہونے پہ رویا نہیں جاتا، شکر ادا کیا جاتا ہے۔" وہ روتے ہوئے اس کے الفاظ دوہرا رہا تھا۔

جوزفین کو احساس نہیں ہوا لیکن اس کی خوبصورت نیلی جھیل سی آنکھیں مسلسل برس رہی تھیں۔

"حسان ٹھیک کہتا ہے صالح! اگر یہ ان کی آخری خواہش تھی تو تمہیں واقعی رونا نہیں چاہیے۔" حسان کی بات سے وہ اختلاف کہاں کر سکتی تھی۔

"لیکن میرے دل کو چین نہیں آ رہا جوزفین!" وہ تڑپ کے اس کی طرف مڑا تھا۔

"مجھے تو نازنین آنٹی کی قسمت پر رشک آ رہا ہے کہ ان کے مرنے کے بعد کتنے لوگ ان سے محبت کرنے والے اور عقیدت رکھنے والے اور ان کے لئے دعا کرنے والے ہیں ایک ہم ہیں......" وہ خود پر استہزائیہ ہنسی

"ہم میں سے کوئی مر جائے تو کسی کے پاس اتنی فرصت نہیں کہ ان کی میت پر بیٹھ کر دو آنسو بہا لئے جائیں۔" گہری سانس اندر کھینچتے ہوئے اس نے اپنا چہرہ صاف کیا، جو آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔

"تمہیں اس وقت آرام کی ضرورت ہے آؤ میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔" وہ کھڑی ہو کر اس سے مخاطب ہوئی، صالح میکانکی انداز میں اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑا تھا۔

"تمہاری گاڑی میں چلتے ہیں، میں واپس آ کر پھر اپنی گاڑی لے جاؤں گی، کی رنگ دو مجھے۔" ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے خود ہی فیصلہ کیا، صالح نے کی رنگ نکال کر اسے تھما دی۔

صالح کا گھر زیادہ دور نہیں تھا، یہ شکر تھا کہ اسے اتنی ہوش تھی جو وہ جوزفین کو راستہ بتاتا آیا تھا۔

گھر پہنچ کر جوزفین نے پہلے اسے سلائس سینک کر دیئے اور ساتھ میں چائے دی، اس کے بعد گرم دودھ کے ساتھ دو پین کلرز دیں، ہیٹر آن کر کے کمبل اس کے اوپر ڈالا، پانی کا جگ، گلاس اور ایک تھرماس میں چائے بھی ڈال کر اس کے بیڈ دراز پہ رکھ دی، وہ نیم غنودگی میں تھا جب وہ واپسی کے لئے تیار ہوئی۔

"اوکے اب میں جا رہی ہوں، میں صبح یونیورسٹی جاتے ہوئے تمہیں پک کر لوں گی، اب آرام کرو، ٹیک کیئر۔" اسے ہدایات دیتی وہ دبے قدموں کمرے سے باہر آئی۔

مین گیٹ اچھی طرح بند کرنے کے بعد وہ مین روڈ پہ کسی کیپ کی تلاش میں نکل آئی تھی۔

☆☆☆

"تم دونوں کے جو لاسٹ لیکچرز مس ہوئے تھے، میں نے سارے احتیاط سے سنبھال کے رکھے ہوئے تھے اس فائل میں وہ سارے نوٹس موجود ہیں۔" جوزفین نے ایک خوبصورت رنگین کور والی فائل ان کی طرف بڑھاتے ہوئے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

حسان لندن آنے کے دو دن بعد یونیورسٹی آیا تھا، صالح بھی دو دن اس کے ساتھ ہی غائب رہا تھا، آج وہ دونوں اسے نظر آئے تو جوزفین فائل انہیں دینے کی غرض سے اس طرف آ گئی، حسان سے صبح بھی اس کی رسمی سی علیک سلیک ہوئی تھی، البتہ صالح نے بہت اچھے طریقے سے اس سے بات کی تھی۔

"تھینک یو سو مچ جوزفین!" صالح نے فائل اس کے ہاتھ سے تھامتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا تھا کہ بہرحال اتنا تو اس کا حق بنتا تھا۔

"تھینک یو والی کیا بات ہے، کلاس فیلو ہونے کے ناطے اتنا تو میرا حق بنتا ہے کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے میں تم لوگوں کی ہیلپ کروں۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے اپنے ازلی اعتماد سے گویا ہوئی تھی۔

"پھر بھی بہرحال کم از کم تھینکس کہنا تو ہمارا بھی حق بنتا ہے۔" وہ بھی اپنی بات پہ زور دے کے بولا، حسان ان کی گفتگو کے دوران خاموش سامع بنا بیٹھا تھا۔

"کیا بات ہے حسان! بہت خاموش ہو تم۔" اس نے چپ بیٹھے حسان کو مخاطب کیا۔

"یہ تو پہلے بھی خاموش ہوا کرتا تھا۔" حسان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"لیکن آج کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہو۔" وہ اپنی بات پہ قائم تھی۔

"ہاں...... شاید...... بس ایسے ہی۔" اس نے گول مول سا جواب دیا، صاف لگ رہا تھا کہ اس نے اسے ٹالنا چاہا تھا۔

"انسان کو اتنا آدم بیزار بھی نہیں ہونا چاہیے کہ کسی سے ہنسے بولے بھی نہ، لائف کے اندر کچھ تو چینج ہونا چاہیے۔" اس کا مقصد اس کی سنجیدہ طبع شخصیت پہ چوٹ کرنا نہیں بلکہ اسے اس فیز سے نکالنا تھا۔

"تم سے کس نے کہا کہ میں آدم بیزار ہوں۔" وہ اپنی سیاہ جگمگاتی آنکھیں اس پہ گاڑ کے بولا، جوزفین اس کی نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے گڑبڑا کے نگاہیں جھکا گئی۔

"بظاہر تمہارے خاموش رہنے سے تو یہی فیل ہوتا ہے۔" وہ چند لمحوں بعد سنبھل کے بولی۔

"بس میں بچپن سے اکیلا رہا ہوں، ماما کے علاوہ میرا کوئی بیسٹ فرینڈ نہیں تھا، اسی لئے زیادہ بولنے کی بھی عادت نہیں ہے، اب ان کی کمی تو محسوس ہو گی۔" حسان کا لہجہ آخر میں بھاری ہو گیا تھا۔

اگرچہ اسے پہلے سے لگ رہا تھا کہ جس طرح ماما کے احساسات ہیں وہ واپس نہیں آئیں گی، ان کی شدید خواہش کو اللہ تعالیٰ نے پورا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا تھا، وہ بھی رب کی رضا میں راضی تھا کہ یہی اس کی ماں نے اسے سبق پڑھایا تھا، لیکن پھر بھی ماں کی جدائی کا احساس اسے مارے ڈالتا تھا، صالح نے اس کٹھن وقت میں اس کا بہت ساتھ دیا تھا، یہ دو دن انہوں نے نازنین کو یاد کرتے اور ان کی باتیں کرتے گزارے تھے۔

''ہم تمہارے دکھ میں برابر کے شریک ہیں حسان! لیکن تمہیں چاہیے کہ تم اپنی اسٹڈی پر توجہ دو، کیونکہ فائنل ایگزمز میں بہت تھوڑا وقت رہ گیا ہے، مصروف رہنے کی وجہ سے تمہاری توجہ بھی بٹ جائے گی اور نازنین آنٹی کی روح بھی یقیناً بہت خوش ہوگی۔'' جوزفین کو بے حد خوشی ہوئی تھی کہ حسان نے اپنی زندگی کی کوئی بات تو اس سے شیئر کی، لئے دیئے انداز میں رہنے والا یہ شخص اسے اپنی دسترس سے ہمیشہ بہت دور لگا تھا۔

''جوزفین صحیح کہہ رہی ہے حسان! ہماری اسٹڈی کا پہلے ہی کافی سے زیادہ حرج ہو چکا ہے، اب ہمیں بھرپور محنت کی ضرورت ہے۔'' صالح نے بھی جوزفین کی تائید کی تھی۔

''ہاں، بات تو ٹھیک ہے۔'' حسان نے بھی آہستگی سے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے کہا تھا اور پھر واقعی ان دونوں نے اپنی ساری توجہ، لگن اور محنت اپنی پڑھائی پر مرکوز کر دی، جوزفین نے اس سلسلے میں ان دونوں سے بہت کوآپریٹ کیا تھا، ان کی خاطر کبھی وہ لائبریری کے چکر لگاتی Books تلاش کرتی، کبھی انٹرنیٹ پر مختلف ویب سائٹس کی سرچ کرتی، کبھی کسی پروفیسر کے نوٹس ان تک پہنچاتی، نہ چاہتے ہوئے بھی وہ حسان اور صالح کے درمیان اپنی جگہ بناتی چلی گئی، لیکن ایک عادت اس کی بہت اچھی تھی، اس نے حسان کی موجودگی میں بھی کبھی صالح کو فراموش نہیں کیا تھا، حالانکہ ابتدائی دنوں میں اسے صالح پہ بہت غصہ آتا تھا جو ہر وقت حسان کے ساتھ چمٹا رہتا تھا، جس کی وجہ اسے حسان سے بات کرنے اور اسے امپریس کرنے کا موقع بہت کم ملتا تھا۔

لیکن اب اس کا رویہ بہت تبدیل ہو گیا تھا، محبت نے اسے محبت کرنا سکھلا دیا تھا، وہ حسان سے وابستہ ہر چیز سے محبت کرنے لگی تھی، اگرچہ حسان ابھی بھی اس سے زیادہ فری نہیں ہوتا تھا، تاہم پھر بھی پہلے کی نسبت وہ اس سے تھوڑی بہت گفتگو کر لیتا تھا اور جوزفین کے لئے یہی بہت غنیمت تھا، لاشعوری طور پر ہی وہ خود کو حسان کی پسندیدگی میں ڈھالنے کی کوشش میں رہتی تھی، جب سے اس نے محسوس کیا تھا کہ حسان اس کی ڈریسنگ کو سخت ناپسند کرتا ہے تب سے اس نے اوٹ پٹانگ کپڑے پہننے چھوڑ دیئے تھے۔

اب وہ زیادہ تر تیکیسی یا جینز کے اوپر ڈھیلی ڈھالی سی شرٹ پہن لیتی تھی، منی اسکرٹ، ٹائیٹ جینز، شارٹ ٹاپ یہ سب الم غلم اس نے اپنی وارڈ روب سے اٹھا کر پھینک دیا تھا۔

جیسے جیسے فائنل ایگزمز قریب آتے جا رہے تھے، ویسے ویسے اس کے دل کی اداسی بڑھتی جا رہی تھی، وہ نہیں جانتی تھی کہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد وہ حسان سے کب اور کیسے ملا کرے گی، کیونکہ اس کے وصال کی تڑپ تو صرف جوزفین کو تھی، وہ تو اس سے کھیل سے یکسر انجان تھا، اس نے تو محبت کی گلیوں میں قدم رکھا ہی نہیں تھا، وہ کیا جانتا۔

وصال کا شوق!
جدائی کی تڑپ!!
ہجر و فراق سے یکسر نابلد تھا۔

''کاش! کاش حسان احمد! تمہیں بھی محبت ہو جائے۔'' اس کے دل کے ایوانوں میں ایک بار پھر اس نے حسرت نے انگڑائی لی تھی۔

☆☆☆

محبت چیز ہے ایسی
کبھی ہوتی ہے اپنوں سے
کبھی ہوتی ہے سپنوں سے

بھی انجان راہوں سے
بھی گمنام ناموں سے
بت چیز ہے ایسی
بھی ہوتی ہے پھولوں سے
بھی بچپن کے جھولوں سے
بھی بے اختیاری میں
بھی بکے اصولوں سے
بت اک محبت ہے
بت اک صداقت ہے
بت اک عبادت ہے
بت چیز ہے ایسی
کھوں میں رول دیتی ہے
رد انمول دیتی ہے
ہر بھی گھول دیتی ہے
بت چیز ہے ایسی

''تو کیا تم واقعی پاکستان جا رہے ہو۔'' سان نے صالح سے پوچھا تھا جو ابھی ابھی کستان سے اپنے چاچو کا فون سن کے فارغ ہوا ا، اس کے چہرے پہ اپنوں کی محبت کی بڑی وہی چمک تھی۔

''ایک نہ ایک دن تو مجھے اپنے اصل کی رف ہی لوٹ کے جانا ہے، لیکن ابھی نہیں، ابھی رے ذمے کسی کا قرض ہے، پہلے وہ اتار وں۔'' وہ جیسے کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

''کون سا قرض؟'' حسان نے اچنبھے سے سے دیکھا۔

''تمہیں یاد ہے حسان! ایک دفعہ تم نے کہا ا کہ تم زندگی میں ایک دفعہ ضرور پاکستان جاؤ گے، اپنے باپ کو ڈھونڈنے......'' صالح اب اس کے چہرے کو کھوج رہا تھا۔

''ڈھونڈنے نہیں بدلہ لینے اپنی ماں کی رومیوں اور تشنگیوں کا۔'' اس شخص کے ذکر پر ہی ں کے ابرو تن گئے تھے اور آنکھوں سے شرارے لنے لگے تھے، لہجہ بھی شعلوں کی سی آنچ لئے ہوئے تھا۔

''اور اگر تمہیں پتہ چل جائے کہ وہ شخص کون ہے اور کہاں ہے تو کیا کرو گے تم۔'' وہ بھی گویا آج کسوٹی کسوٹی کھیلنے پہ آمادہ تھا۔

''میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کروں گا اور اپنا حساب لے کر دم لوں گا۔'' اس کے جذبات بھڑک اٹھے تھے، وہ تو گویا تصور میں ہی اس شخص کا گریبان پکڑے ہوئے تھا۔

''میں تمہارے فادر کو جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ اس وقت کہاں ہیں۔'' صالح اس پہ نظریں جمائے اعتماد سے بولا تھا۔

''کیا...... آ......آ۔'' حسان تو اچھل کے کھڑا ہوا تھا، اس کی آنکھوں میں بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔'' وہ پر جوش ہوا تھا۔

''جب موقع آنا تھا تب ہی تمہیں بتانا تھا، تم نے پوچھا نہیں کہ میں انہیں کیسے جانتا ہوں۔'' اس کا خیال تھا کہ حسان سب سے پہلے یہی سوال کرے گا، لیکن اس کی توقع کے برعکس اس نے فوراً ہی اس کی بات پر اعتبار کر لیا تھا، شاید وہ اپنے باپ سے بدلہ لینے کے لے بہت بے چین تھا جو جانچ پڑتال اور تحقیق میں بھی نہیں گیا۔

''ہاں یہ بات تو واقعی اہم بات ہے کہ تم انہیں کیسے جانتے ہو۔'' صالح کے کہنے پر ہی یہ بات اس کے ذہن میں آئی تھی۔

''وہ میرے والد ہیں حسان! میرے پاپا سعود کے سب سے بڑے بھائی احمد عبدالرحمٰن، ہمارے سارے رشتے دار انہیں عبدالرحمٰن کہتے ہیں جبکہ آفس میں ان کے کولیگز احمد کہتے ہیں، اسی کی نسبت میں، میں صالح عبدالرحمٰن اور تم حسان احمد۔'' صالح نے بالآخر وہ بم پھوڑ ہی دیا تھا، جس نے حسان کے پرخچے اڑا دیا تھا۔

وہ پھٹی پھٹی بے یقین اور کسی قدر بے حواس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا اسے اپنی سماعت پہ ہرگز ہرگز یقین نہیں آ رہا تھا، ایسے لگ رہا تھا جیسے اس کے کانوں نے کچھ غلط سنا تھا۔

''تت...... تم...... مذاق کر رہے ہو ناں۔''
اسے اپنی ہی آواز بڑی اجنبی سی لگی تھی۔

''نہیں حسان ایسی بات مذاق میں نہیں کی جاتیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کی تردید کی تھی، پھر بڑے نرم انداز میں گویا ہوا تھا۔

''تمہیں کبھی محسوس نہیں ہوا حسان! کہ ہمارے مابین فرینڈ شپ کے علاوہ بھی کچھ ہے جو ہمیں ایک دوسرے کے قریب کرتا ہے، جو محبت اور جذبات ہم ایک دوسرے کے لئے رکھتے ہیں یہ صرف دوستی نہیں یقیناً اس سے آگے یہ ہمارے خونی رشتے کا اعجاز ہے، ورنہ اپنی اپنی طبیعتوں کے برعکس ہم اتنی جلدی ایک دوسرے کے قریب کیسے آ سکتے تھے؟'' وہ سوال بنا اس کے سامنے کھڑا تھا، جبکہ حسان کو اپنا وجود بھر بھری ریت کی مانند بکھرتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

''میں جس شخص کے تصور تک سے نفرت کرتا رہا، اسی کے خون سے اسی کے بازو سے محبت میں اتنا آگے نکل گیا۔'' وہ خود کلامی کے سے انداز میں گویا ہوا۔

''اس کا خون تو تم بھی ہو حسان!'' صالح نے سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''مت نام لو اس شخص کا میرے سامنے۔'' وہ ایکدم بھڑک کے چلا اٹھا۔

''تم ہرگز اس خوش فہمی میں مت رہنا کہ اسے تمہارا باپ سمجھ کے میں معاف کر دوں گا، مجھے اس شخص سے شدید ترین نفرت ہے اور اس سے وابستہ ہر رشتے، ہر تعلق، ہر چیز سے بھی نفرت ہے، اس ملک، اس شہر، اس گلی، اس گھر سے نفرت ہے جہاں وہ رہتا ہے سانس لیتا ہے، اس کی اولاد سے نفرت ہے جس نے میرا اور میری ماں کا حق چھینا۔'' وہ غصے سے بے قابو ہو رہا تھا، اس کے الفاظ نہیں تھے آگ کے انگارے تھے، جو ایک ایک کر کے صالح کے دل میں پیوست ہوتے جا رہے تھے، ہر انگارے کی تپش، جلن اور حرارت پہلے سے بڑھ کر تھی۔

''نفرت پہ اتنا بھروسہ نہیں کرتے میرے دوست! نفرت تو محبت کے ایک ہی وار سے پگھل جاتی ہے، ختم ہو جاتی ہے۔'' اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی نمی تھی، آنکھوں کی اوپری سطح بھی گیلی ہو گئی تھی۔

لیکن اسے یہ سب برداشت کرنا تھا وہ جانتا تھا حسان دل کا برا نہیں جس کی تربیت نازنین جیسی پاکیزہ ہستی نے کی ہو وہ شخص دل کا یا کردار کا برا کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ تو محبتوں کو ترسا ہوا انسان ہے، محبتوں کی محرومی نے اسے سب سے بدظن و بدگمان کر دیا ہے، جب اسے اتنی ساری محبتیں، چاہتیں ملیں گی اتنے سارے خوبصورت رشتے ملیں گے، ہر رشتے کا اعتماد، پیار، مان اور بھروسہ ملے گا تو یقیناً اس کی ہر تشنگی، ہر محرومی خود بخود ہی ختم ہوتی چلی جائے گی۔

لیکن اس وقت وہ نفرت اور بدگمانی کی انتہا پر تھا، ابھی اس نے رشتوں کی چاشنی کو محسوس نہیں کیا تھا، ابھی اس کا اعتماد بحال نہیں ہوا تھا، ابھی تو اس کے اندر محرومیاں چیخ رہی تھیں، ابھی تو اس کا وجود محبتوں کو ترسا ہوا تھا، ابھی اگر وہ اسے سب کچھ سچ بتا دیتا تو وہ کبھی بھی اس کا یقین نہ کرتا، اتنے سالوں کی نفرت اور بدگمانی اس کے چند الفاظ کے جواہر سے ختم نہیں ہو سکتی تھی۔

اس لئے اس نے ایک فیصلہ کر لیا تھا وہ حسان کو پاکستان بھیجے گا، صالح عبدالرحمن بنا کر، جب وہ اتنی محبتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا، اتنے چاہنے والوں کو پائے گا، رشتوں کی نازکی اور دلکشی کو محسوس کرے گا تو حقیقت جانے بغیر بھی قائل ہو جائے گا کہ یقیناً اس کا باپ دھوکے باز، فراڈیہ اور نفس کا مارا ہوا نہیں ہے، وہ کسی کی عزت نفس اور کردار کو مجروح کر کے اس پہ اپنی زندگی کی بنیاد نہیں رکھ سکتا۔

اور ویسے بھی اسے نازنین کا قرض چکانا تھا، اس کی امانت کی حفاظت کرنی تھی، حسان کے رویے کے اندر تبدیلی لانا تھی، اسے محبت کرنا سکھلانا تھا اور اس کے لئے اسے اپنا فیصلہ بالکل صحیح لگا تھا اور وقت کے عین مطابق تھی۔

''تم نے کبھی وہ زندگی گزاری ہو جو میں نے گزاری ہے تو پھر تم سے اس فلسفے کا مطلب پوچھوں گا۔'' وہ گہرے طنزیہ کاٹ دار لہجے میں بولا۔

''تو کیا یہ سب جاننے کے بعد ہمارا رشتہ ختم ہو جاتا ہے؟'' صالح نے بہت دکھ سے اسے دیکھا تھا، اس کے الفاظ ہی نہیں لہجے میں بھی تڑپ تھی۔

''اگر تم میرے راستے میں آنے کی کوشش کرو گے تو پھر میں اس رشتے کا پاس نہیں کروں گا۔'' وہ بدلحاظی سے گویا ہوا تھا۔

''اور اگر میں خود تمہیں بدلہ لینے کا ایک موقع فراہم کروں تو؟'' اس کی آفر پر اس نے بے حد چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''کیا مطلب؟'' اس نے الجھن بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''اگرچہ تم اس وقت بدگمانی کی انتہا پر ہو، لیکن پھر بھی میں کہوں گا کہ میں تمہارے لئے بہت اچھے اور نیک جذبات رکھتا ہوں اور ایسے ہی اپنے والد اور گھر والوں کے لئے بھی، لیکن تمہاری نفرت ختم کرنے کے لئے یا اپنے لفظوں میں تم کہہ لو کہ بدلہ لینے کے لئے میں تمہیں ایک موقع فراہم کروں گا۔'' اس کا لہجہ کھرا اور صاف تھا، تصنع اور بناوٹ سے پاک۔

''میں ابھی بھی نہیں سمجھا، تم مجھے کیسا موقع فراہم کرنا چاہتے ہو۔'' وہ واقعی نہیں سمجھا تھا۔

''دیکھو میں تمہیں موقع دیتا ہوں کہ تم پاکستان جاؤ لیکن حسان احمد نہیں صالح الرحمن بن کر وہاں رہو کتنی مدت؟ یہ تم خود طے کرو گے، تمہارے دل کے اندر جو جو حسرت ہے نفرت کی یا انتقام کی وہ تم پوری کر لینا، لیکن اگر تم نہ کر سکے تو تمہیں میری بات ماننا ہو گی۔'' صالح کے انداز میں چیلنج تھا۔

''ویری گڈ۔'' حسان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''دیکھ لینا بعد میں پچھتانا مت۔'' اس نے پہلے ہی اسے باور کروا دیا، اس کے خیال میں صالح نے اپنی ازلی سادگی اور بیوقوفی کے ہاتھوں مجبور ہو کر بہت بڑا لیکن بہت غلط قدم اٹھایا تھا۔

''نہیں جن کے پیچھے بہت سی دعائیں ہوں وہ پچھتایا نہیں کرتے۔'' وہ خود اعتمادی سے بولا۔

''ٹھیک ہے لیکن میری بھی ایک شرط ہے کہ تم درمیان میں کوئی انٹرفیئر نہیں کرو گے۔'' ان کا کوئی جواز ہی نہیں تھا اور بخوشی راضی ہو گیا۔

''بالکل نہیں کروں گا، بلکہ میرا رابطہ کسی سے نہیں ہو گا، سوائے تمہارے۔'' وہ فوراً مان گیا تھا، اسے حسان کے اتنی جلدی رضا مند ہونے کی توقع نہیں تھی، لیکن لگتا تھا۔

تقدیر کو اسی طرح منظور تھا جبھی معاملہ اتنی آسانی سے طے ہوتا جا رہا تھا، یقیناً نازنین کی دعائیں رنگ لا رہی تھیں۔

''رائٹ، میں بھی خود ہی تم سے رابطہ کروں گا، تم نہیں کرو گے۔'' وہ بولا۔

''ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' صالح نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''میرے خیال میں تین ماہ میرے لئے کافی ہوں گے اپنے ٹارگٹ کو اچیو کرنے کے لئے۔'' وہ اپنے ذہن میں پلان ترتیب دیتا سوچ کے بولا۔

(باقی اگلے ماہ)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوشیاں اتریں آنگن میں

شازیہ مصطفیٰ

''امی، ابو نے پھر لوگوں پر اعتماد اور بھروسہ کرنا شروع کر دیا ہے پہلا غم ہم بھولے نہیں ہیں کہ یہ نئے کرائے دار رکھ لئے ہیں۔'' وہ طلعت بیگم سے کب سے بحث کیے جا رہی تھی اور وہ اسے دبے دبے لہجے میں سرزش کیے جا رہی تھیں مگر عنائزہ کی زبان اگر نان اسٹاپ چلتی تو روکنے والا کوئی نہ ہوتا تھا ہاں البتہ اختر علی کو دیکھ کر وہ ضرور خاموش ہو جاتی تھی وہ بھی اس لئے کہ وہ اس کے باپ تھے۔

''عنائزہ کبھی تو آہستہ بول لیا کرو، ابھی اوپر سے کوئی نیچے آ گیا تو کتنی شرمندگی ہو گی مجھے۔'' امی صحن میں بچھے تخت پر بیٹھی سبزی بنا رہی تھیں اور وہ صحن دھو رہی تھی دوپٹہ اتار کے اس نے تخت پر ڈالا ہوا تھا اور جھاڑو کو تیز تیز چلا رہی پورے گھر میں شور ہی کر رہی تھی ڈبل اسٹوری گھر تھا اوپر کا پورشن کرائے پر دے رکھا تھا اس طرح گھر کا گزارہ اچھا ہو رہا تھا۔

''آ جائے کوئی نئی بات ہو گی وہ بدتمیز سمیل

ناولٹ

اسی وقت اتر کے آتا ہے جب میں صحن دھو رہی ہوتی ہوں یا مشین لگائی ہوتی ہے۔'' صحن میں سیڑھیوں کے نیچے پانی کی موٹر تھی وہ اسے بند کرنے جھاڑو ایک طرف رکھ کر مڑی تو اسی وقت سمیل اپنے دانتوں کی نمائش کرتا اوپر سے اترا عنائزہ نے اسے خونخوار نگاہوں سے گھورا مگر اس اس کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔

''اوہ سوری مجھے نہیں پتہ تھا آپ صفائی کر رہی ہیں۔'' سمیل نے شرارت سے آنکھیں گھمائیں عنائزہ نے دوپٹہ اٹھایا اور شانوں پر ڈالا۔

''تمہاری آنکھیں تو تھیں نا واپس اوپر بھی جا سکتے تھے نہ دیکھ کر۔'' وہ اس کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار تھی۔

''عنائزہ کیا بدتمیزی ہے۔'' طلعت بیگم کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی تنک مزاجی کبھی کبھی فکر میں مبتلا کر دیتی تھی جسے کسی کی پرواہ ہی نہ تھی۔

''دیکھا آنٹی کتنی سمجھدار ہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے مسٹرڈ کپڑوں میں ملبوس غصہ سے انگارہ بنی عنائزہ کو دیکھا۔

''واپس اوپر آ جاؤ آدھے گھنٹے سے پہلے نیچے نہیں آنا۔'' وہ اسے شہادت کی انگلی اٹھا کے اشارے سے اوپر جانے کا اشارہ کر رہی تھی اسی وقت شازل بلیک پینٹ پر اسکائی بلیو کاٹن کی پلین شرٹ میں ملبوس تیزی سے سیڑھیاں اترتا دکھائی دیا، عنائزہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''وہ اصل میں مجھے ضروری جانا ہے ورنہ میں خود احتیاط کرتا ہوں کہ آپ جس وقت صحن کی صفائی کر رہی ہوں میں نیچے نہ آؤں۔'' وہ وضاحت دیتے ہوئے بولا، اس کی بارعب شخصیت [illegible] سامنے ایک لمحے کو وہ کنفیوژ ہوئی لیکن پھر فوراً اعتماد بحال کرتی بیزاری سے اسے دیکھنے لگی۔

''ارے بیٹا! آ جاؤ تم کوئی بات نہیں۔'' طلعت بیگم کو وہ ویسے ہی بہت پسند تھا۔

''آنٹی! امی کی طبیعت کچھ خراب ہے اگر آپ ایک چکر اوپر کا لگا لیں تو مہربانی ہو گی۔'' شازل نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں، تم بے فکر ہو کر کام پر جاؤ میں ابھی جا[illegible] ہوں ان کے پاس۔'' سبزی بنانے کے بعد وہ ٹرے اٹھائے کچن میں جا[illegible]

''ہمارا گھر آخری مرا[illegible] [illegible]شاء اللہ ہم جلد [illegible]فٹ ہو جائیں گے۔[illegible] [illegible]ے اسے سنا رہا تھا جبکہ وہ وائپر سے پانی صا[illegible] کرنے میں مشغول تھی۔

☆☆☆

''امی آج کھانا بہت مزے کا ہے۔'' سمیل ستائشی انداز میں بولا، شازل خاموشی سے کھا رہا تھا آج کا ذائقہ اسے بھی بالکل الگ ہی لگا تھا۔

''آج [illegible] عنائزہ آ گئی تھی میں تو دوائی کھا کے [illegible] [illegible] نے اپنی مرضی سے سب پکایا ہے [illegible] سارے [illegible] صفائی بھی کر کے گئی ہے۔'' وہ فریج سے پانی کی بوتل نکال کے لائیں اور سینٹرل ٹیبل پر رکھ دی۔

''امی ویسے عنائزہ باجی ہر کام بڑی دل جمعی سے کرتی ہیں۔'' باسل بھی تعریف کیے بنا نہ رہ سکا۔

''تم آج بھی لیٹ اٹھے ہو۔'' شازل کھانے سے فارغ ہوا اور ٹی وی آن کر لیا تین کمروں کا اوپر کا پورشن تھا ایک کمرہ تو ڈرائنگ روم کی طرح سیٹ کر لیا تھا ایک میں شازل سوتا تھا دوسرے کمرے میں امی اور باسل اور سمیل سوتے تھے پھر صرف چھ ماہ تو ہی انہیں گزارنے تھے اس کے بعد انہیں اپنے نئے مکان میں شفٹ ہو جانا تھا جو آج کل زیر تعمیر تھا۔

شازل نے آٹھ سال امریکہ میں گزارے تھے وہ تو ابو کی پچھلے سال ڈیتھ ہوئی تو اسے واپس آنا پڑا اس طرح ساری ذمہ دار اس پر ہی آ گئی تھی۔

''آپ کو پتہ ہی ہے ایگزام کی وجہ سے مجھے کمبائن اسٹڈی کے لئے عمار کے پاس جانا پڑتا ہے۔'' وہ توجیہہ پیش کرنے لگا۔

''تم کل رات بھی ایک بجے آئے تھے۔'' وہ دونوں بھائیوں کا خیال بھی رکھتا تھا اور ان کی ہر طرح کی خبر گیری بھی رکھتا تھا۔

''وہ عمار اور میں سی ویو چلے گئے تھے۔'' اس نے منمنا کے بتایا شازل نے اسے گھورا اسے ویسے بھی اتنی رات کو ایسی جگہوں پر جانا قطعی پسند نہ تھا۔

''کل تو چلے گئے آئندہ نہیں اتنی رات گئے جانا۔'' اس نے وارننگ دی، سمیل برتن اٹھا کے کچن میں رکھنے جا رہا تھا کہ اسے شرارت سوجھی۔

''امی برتن دھلوانے بھی عنائزہ باجی کو بلا لیں۔'' سمیل نے شوخی سے کہا۔

''وہ ہماری نوکر نہیں ہے مجھے تو پہلے ہی اتنی شرمندگی ہو رہی ہے بے چاری بچی اتنا کچھ کر کے گئی ہے مجھے تو خبر بھی نہ ہوئی۔'' انہوں نے سمیل کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''تو پھر آپ بھائی جان کی شادی کا سوچیے، کب تک میں ڈش واشنگ کرتا رہوں گا۔'' شازل نے نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا تو وہ لب بھینچ کے رہ گیا باسل کی ہنسی نکل گئی۔

''فضول باتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔'' جواباً جھاڑ ملی تھی۔

''ٹھیک تو کہہ رہا ہے جیسے ہی ہم اپنے گھر میں شفٹ ہوں گے فوراً تمہاری شادی کر دوں گی، کوئی پسند ہے تو بتا دو، پھر نہ کچھ کہنا۔'' امی تو مصمم ارادہ باندھ چکی تھیں۔

''میں نے منع تو نہیں کیا بس تھوڑا انتظار تو کر لیں۔'' اس کی سوچوں میں کافی دنوں سے عنائزہ کا سراپا لہرانے لگا تھا وہ صاف گو اور تنک مزاج لڑکی اس کے دل کو اچانک ہی بھا گئی تھی وہ خود حیران تھا۔

''بھائی میرے ٹیوشن کا بھی مسئلہ ہے۔'' سمیل کچن سے نکل کر بولا۔

''میں نے عنائزہ سے کہا ہے وہ پڑھا دیا کرے گی مگر خبردار جو تم نے اسے تنگ کیا تو۔'' امی نے کہا۔

''واقعی وہ راضی ہو گئی ہیں۔'' اسے یقین نہ آیا۔

''امی فیس ضرور پوچھ لیجیے گا۔'' شازل نے یاد دلانا ضروری سمجھا۔

''فیس کی میں نے بات کی تو ناراض ہونے لگی تھی، کہنے لگی کہ وہ سمیل کو بھائی کی طرح سمجھتی ہے، میں بھی خاموش ہو گئی اب کیا کہتی۔''

''کوئی گفٹ وغیرہ دے دیں گے۔''

''اچھا مجھے جانا کب ہو گا۔'' سمیل تو سن کے ہی خوش ہو گیا کہ وہ پڑھانے کو تو راضی ہوئی۔

''کہہ رہی تھی پانچ بجے سے سات بجے تک پڑھائے گی تم پابندی سے کل سے چلے جانا۔'' وہ تنبیہ کرنے لگیں۔

''امی وہ تو اس سے اتنا خار کھاتی ہیں پڑھانے پر کیسے راضی ہو گئی ہیں۔'' باسل کو تو حیرانگی ہوئی وہ اکثر ان کے آنے جانے پر چڑتی تھی اور اکثر دونوں کو جھاڑ بھی دیتی تھی۔

''نفاست پسند ہے ہر کام کو ترتیب سے کرتی ہے اور پھر تم دونوں بھی تو اسی وقت نیچے اترتے ہو جب وہ صحن دھو رہی ہوتی ہے۔'' وہ سمجھ گئی تھیں کہ وہ کیوں کہہ رہا تھا اور اکثر وہ دونوں کو اسی وقت ڈانٹتی تھی، شازل کو جانے کیوں اس کی تنک مزاجی بری نہیں لگتی تھی اس کے ہر انداز میں سادگی ہی لگتی تھی جو صاف گوئی سے بات کرتی تھی یہی بات اسے منفرد بناتی تھی۔

☆☆☆

''افتخار کے تینوں بیٹے بہت عزت کرتے ہیں میری اور دیکھو شازل نے کیسے ساری ذمہ داری اٹھا لی ہے۔'' اختر علی کو اپنے مرحوم دوست کے تینوں بیٹوں کو دیکھ کر رشک آتا تھا کیونکہ اللہ نے انہیں اولاد نرینہ تو نہ دی تھی مگر وہ اپنی چاروں بیٹیوں سے بہت محبت کرتے تھے۔

''آج افتخار زندہ ہوتا تو کتنا خوش ہوتا کہ اس کا بیٹا کیسا ذمہ دار ہو گیا ہے۔'' عنائزہ ان کے لہجے کی محرومی بھی نوٹ کر رہی تھی اور محسوس بھی کر رہی تھی۔

''ابو میں کیا آپ کی بیٹے سے کم ہوں دیکھیے گا ساری ذمہ داری میں اٹھاؤں گی اور بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی آپ کو اور امی کو تنہا نہیں چھوڑوں گی۔'' اس نے لاڈ سے کہتے ہوئے ان کے شانے سے سر ٹکا دیا جب سے اس کی منگنی ٹوٹی تھی اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ ساری زندگی ابو اور امی کا سہارا بن کے رہے گی ابو نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔

''بیٹی باپ کے لئے ایک فرض ہوتی ہے اور اسے ادا کرنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ یہ سنت رسولﷺ ہے۔''

''ابو آپ سے میں کہہ چکی ہوں مجھے شادی نہیں کرنی ہے۔'' وہ تو ضد باندھے بیٹھی تھی طلعت بیگم اس کی ضدی طبیعت سے نالاں تھیں۔

''زیادہ بک بک کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہمیں ساری عمر کوئی گھر میں نہیں بٹھانا ہے۔'' طلعت بیگم نے اندر آتے ہوئے اس کے خیالات خاصی ناگواری سے سنے اور اسے سرزنش کی۔

''اگر میں شادی نہیں کروں گی تو دنیا کے کام نہیں رک جائیں گے اور پھر میں کیا اپنی بہنوں کو دیکھتی نہیں ہوں کیسی پریشان رہتی ہیں آپی الگ بیٹیوں کے طعنے سنتی ہیں کہ ان کے بیٹا کیوں نہیں ہیں اور فائزہ باجی ذرا خوش حال ہیں تو ان کی جیٹھانی صاحبہ نے جینا دوبھر کیا ہوا ہے تین بچوں کے ساتھ ایک کمرے میں گزارہ کر رہی ہیں اور وہ ملیحہ اس کی ساس انہیں تو ہدایت دے اللہ، اوپر سے اس کا شوہر فراز جانے کیوں اکڑ رہتا ہے، مجھے بھی انہیں بکھیڑوں میں ڈالنا چاہتی ہیں۔'' وہ تو نان اسٹاپ شروع ہو گئی اور وہ بھی اپنے ابو کے سامنے طلعت بیگم نے تو سر ہی پیٹ لیا۔

''کیسی زبان چل رہی ہے دیکھ رہے ہیں آپ کا بھی لحاظ نہیں کر رہی ہے۔''

''تم بھی تو شروع ہو جاتی ہو پیار سے بھی سمجھایا جاتا ہے۔'' انہوں نے اپنی بیٹیوں پر کبھی کی ہی نہ تھی اور نہ قائل تھے۔

''امی مجھے ہی ڈانٹتی ہیں کبھی جو میری بات سمجھنے کی کوشش کی ہو۔'' وہ اختر علی کی حمایت پاتے ہی افسردہ ہو گئی اور کمرے سے نکل کر باہر برآمدے میں بچھے تخت پر بیٹھ گئی آنکھوں میں ڈھیروں پانی تھا جو سوں سوں کر کے بہا رہی تھی، شازل نے کسی کے رونے کی آواز سنی تو بے ساختہ ٹیرس سے نیچے دیکھا تو حیرت زدہ رہ گیا ٹیوب لائٹ کی روشنی میں پورا صحن روشن تھا وہ گلابی لان کے کپڑوں میں اپنے دراز بالوں کی چوٹی آگے کئے سوں سوں کر رہی تھی۔

''امی آپ سن لیں مجھے شادی نہیں کرنی ہے کبھی بھی نہیں۔'' جیسے ہی طلعت بیگم باہر آئیں اس نے سر اٹھا کے چیخ کر کہا۔

''ذرا آہستہ بولو، باپ کا خیال نہیں ہے تو اوپر والوں کا خیال کرو جوان لڑکوں والا گھر ہے۔'' وہ اسے سخت لہجے میں ڈانٹ رہی تھیں مگر اس پر تو جیسے کسی بات کا اثر ہی نہ ہوتا تھا۔

''سنتے ہیں تو سن لیں مجھے کسی کی پرواہ نہیں اور ہاں اگر اب کوئی میرے لئے پرپوزل آیا نہ اس کی خیر نہیں ہوگی۔'' غصے میں بولتی پیر پٹختی اندر چلی گئی شازل کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ دوڑ گئی اس لمحے تو وہ اور پیاری لگی۔

☆☆☆

''السلام وعلیکم!'' سمیل نے زوردار فرشی سلام جھاڑا وہ تخت پر پڑے کپڑوں کی تہہ لگا رہی تھی صبح ہی مشین لگا کے سارے گھر کے کپڑے دھوئے تھے۔

''وعلیکم السلام!'' آج ذرا سلیقے سے جواب دیا گیا، کیونکہ دو دن سے وہ پڑھنے آ رہا تھا تو اس کو اندازہ ہوا وہ شرارتی ضرور تھا لیکن تمیز ہرگز نہیں۔

''آج مجھے آپ سے میتھس سیکھنا ہے کیونکہ کل ٹیسٹ ہے اور میری تیاری بالکل نہیں ہے۔'' وہ چیئر گھسیٹ کے تخت کے قریب لے آیا۔

''تم کاپی وغیرہ ریڈی کرو میں یہ کپڑے اندر رکھ آؤں۔'' وہ کپڑے اندر لے جانے لگی تھی جب تک سمیل بک کھول چکا تھا اتنے میں مین گیٹ پر دستک ہوئی تھی وہ بک رکھ کر دروازہ کھولنے چلا گیا جہاں شازل کھڑا تھا۔

''سمیل کون آیا ہے؟'' وہ بولتی ہوئی باہر آئی مگر شازل کو دیکھ کر جھجک کے رک گئی جواب میں اس نے عنائزہ کو سلام کر ڈالا۔

''پلیز آپ اپنی طرف کا دروازہ استعمال کیا کریں۔'' مروت تو ذرا نہ برتی تھی، شازل کو رات کا منظر یاد آ گیا جب وہ رو رہی تھی۔

''لیکن عنائزہ باجی دروازہ تو میں نے کھولا ہے۔'' سمیل جھٹ بولا۔

''تم سے پوچھا، تم بیٹھو اور کام کرو۔'' اسے ڈپٹ دیا۔

''آپ تو شادی کے بعد اپنے میاں کو ڈانٹتی رہیں گی۔'' سر جھکائے شوخی سے لقمہ دیا وہ بھنا کے اس کی جانب گھومی۔

''کھڑے ہو جاؤ اور اٹھاؤ اپنی کتابیں مجھ سے پڑھنے آتے ہو یا مجھ پر طنز کرنے۔'' اس کی کتابیں اٹھائیں اور بازو سے پکڑ کے کھڑا کیا سمیل تو بوکھلا گیا شازل الگ گڑبڑایا کیونکہ غصہ میں وہ سب کچھ بھول جاتی تھی۔

''محترمہ میں سوری کرتا ہوں اس کی طرف سے، پلیز اسے ایکسیوز کر دیں۔''

''یہ کچھ بھی بکواس کرے گا آپ سوری کرتے رہیں گے۔'' وہ شازل کی بارعب شخصیت کے آگے بڑھے پراعتماد اور نڈر انداز میں بولی کہ وہ خفیف سا ہوا۔

''اگر حالات ایسے ہی ہے تو کرنا تو پڑے گا۔'' لہجہ معنی خیز تھا۔

''حالات کیسے حالات؟'' وہ سمجھی نہیں سمیل کی ہنسی چھوٹ گئی جبکہ شازل بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ روکی، اگر وہ اس کی ہونق صورت کے سامنے نکل گئی تو وہ اسے بھی نہیں چھوڑے گی۔

''جی میرا مطلب ہے کہ سمیل کچھ شرارتی ہے لیکن بدتمیز نہیں ہے۔'' وہ آہستگی میں بولا عنائزہ نے بغور اسے دیکھا، بلیو جینز اور بلیو ہی جینز کی شرٹ میں وہ بے حد چارمنگ اور ہینڈسم لگ رہا تھا۔

''کیا بھائی بہت اچھے لگ رہے ہیں۔'' سمیل نے شرارتی اور معنی خیز لہجے میں کہا تو وہ جھینپ گئی۔

''شٹ اپ۔'' وہ ڈانٹ کے اندر چلی گئی۔

''بھائی جان بتایئے یہ چلے گی آپ کے ساتھ مطلب اگر انہیں میری بھابھی بنا دیں تو بری تو نہیں ہیں۔'' دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

''یار ڈانٹتی بہت ہے سوچ لو اپنی نہیں چلے گی بلکہ اس ہٹلر کی چلے گی۔'' شازل کو تو خود وہ پہلی نظر میں پسند آئی تھی۔

''کوئی بات نہیں آپ بھی تو کم نہیں ہیں اپنی چلاتے ہیں۔'' وہ جھٹ بولا۔

''تمیز سے زیادہ پھیلنے کی نہیں ہو رہی ہے۔'' شازل فوراً اپنے رتبے کا خیال آیا تو وہ معتبر بن گیا۔

''سنو تم لوگوں نے جو بھی باتیں کرنی ہیں نا اوپر جا کے کرو۔'' عنائزہ اندر سے باہر آتے ہوئے بولی، شازل تو جزبز ہو گیا جبکہ سمیل نے اپنی بتیسی کی نمائش کی تو عنائزہ نے کتاب اس کے سر پر دے ماری، وہ سی کر کے رہ گیا تھا۔

☆☆☆

''کتنا کام باقی رہ گیا ہے بیٹا گھر کا ابھی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امی نے اس سے پوچھا جو بیڈ پر دراز کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا۔

''اوپر کے پورشن میں فرش کی فینشنگ ہو رہی ہے ابھی کچھ کچن کی کیبنٹ وغیرہ بھی تیار ہونے والی ہیں دو ماہ تو لگیں گے۔'' کتاب اس نے سائیڈ پر بیڈ پر الٹ کے رکھی اور خود اٹھ کے بیٹھ گیا۔

''مجھے گھر کے مکمل ہونے کا انتظار ہے تا کہ پھر تمہاری بھی فکر کروں۔'' وہ بیڈ پر بیٹھی تھیں شازل نے مسکرا کے ان کے دونوں ہاتھ اپنے گرم اور مضبوط ہاتھوں میں تھامے۔

''امی اتنی جلدی بھی کیا ہے میں نے آپ کو منع تو نہیں کیا ہے نا ابھی گھر مکمل ہونے دیں پھر اس طرف بھی سوچ لیں گے۔''

''میں چاہتی ہوں کہ کہیں تو بات وغیرہ شروع کروں۔'' انداز پرسوچ تھا۔

''ہے پھر کوئی نظر میں آپ کے۔'' وہ ان کا عندیہ لینے لگا کہ وہ اب کیا کہتی ہیں جبکہ وہ اپنی پسند سے ابھی آگاہ نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

''میری نظر میں ابھی تو کوئی نہیں ہے۔''

''پھر چھوڑیئے جب نہیں ہے تو بعد میں سوچیں گے یہ بتایئے آپ نے بلڈ پریشر کی ٹیبلٹ لی یا نہیں۔'' وہ موضوع بدلنے لگا۔

''کھالی ہے میں نے لیکن شازل مجھے تم اب ٹالو نہیں بیٹا تمہاری شادی کی عمر ہو چکی ہے اپنے دوست اسعد کو ہی دیکھو دو بچوں کا باپ بن گیا ہے۔'' انہوں نے اسعد اس کا کلاس فیلو پانچ سال پہلے اس کی شادی ہوئی تھی۔

''آئے اسعد اور اس کی بیوی کہوں گی کہ وہی تمہارے لئے کوئی لڑکی دیکھے میں بیمار کہاں دیکھوں گی اور نہ مجھ میں ہمت ہے کہ جا کے دیکھوں۔'' جب سے افتخار احمد کا انتقال ہوا تھا وہ خود بہت کمزور سی ہوگئی تھیں ان کی یاد ان کے دل سے کسی لمحے جاتی ہی نہیں تھی۔

''آپ اپنے پاس پاس ہی نظر دوڑایئے۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا، امی نے چونک کر اسے دیکھا کہ وہ سنجیدہ ہے یا مذاق کر رہا ہے مگر اس وقت شازل کی نگاہ جھکی ہوئی تھی۔

''آس پاس کہاں نظر دوڑاؤں اگر ہے تمہاری نظر میں جلدی بتاؤ مجھے۔'' وہ تو جیسے بے تاب ہی ہوگئیں کیونکہ شازل کے لہجے میں کچھ لگا تھا۔

''اختر انکل کی عنائزہ باجی کیسی رہے گی۔'' اندر داخل ہوتا سمیل خوشی سے بولتا بزرگانہ انداز میں دونوں کو ہی چونکا گیا۔

''عنائزہ؟'' امی حیرانگی سے بولیں۔

''ارے امی! عنائزہ باجی ایک دم پرفیکٹ ہیں ہر کام وقت پر کرنے والی اور پتہ ہے امی بھائی کو تو لمحوں میں سیدھا کر دیں گی۔'' اس نے چٹکی بجائی۔

''ارے اس طرف میرا دھیان کیوں نہیں گیا۔'' وہ تو سن کے ہی خوش ہو گئیں کہ ان کا مسئلہ منٹوں میں حل ہوا تھا سمیل نے فخر سے اپنے کالر اکڑائے۔

''میں کل صبح ہی بھابھی سے بات کرتی ہوں۔''

''امی...... امی پلیز ابھی ایسی کوئی بات نہ کریں کم از کم ہم اپنے گھر میں شفٹ ہو جائیں۔'' شازل تو گھبرا گیا۔

''مجھے تو اب بالکل نہیں رکنا یہ میں تو پہلی فرصت میں کرونگی کہ عنائزہ کا کہیں اور رشتہ نہ ہو جائے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں۔''

''امی آپ کو پتہ ہے عنائزہ باجی کی پہلے بھی منگنی ہو چکی ہے۔''

''ہاں یہ مجھے پتہ ہے اور پھر وہ لوگ ہی لالچی اور کمینے تھے ہیرا لڑکی ہے ہر کام میں طاق ہے اتنی سمجھ دار ہے۔'' وہ تو اس کی خوبیوں پر قصیدہ گوئی کرنے لگیں شازل مسکرانے لگا۔

''امی خیال سے زبان چلانے میں بھی طاق ہیں۔'' سمیل نے اب ہانکنا شروع کیا۔

''بکے جانا اور تم ہنس رہے ہو ایک چھپڑ کیوں نہیں لگاتے۔'' امی کو تو غصہ آ گیا کہ اس نے ایسی بات کہی کیوں اور شازل ہنس رہا تھا۔

''امی میں تو آپ کو آگاہ کر رہا ہوں اور پھر دیکھیے ہمارا اپنا گھر اتنا بڑا ہوگا کہ یہ تو صفائیاں کرتی رہیں گی یا ہمیں ڈانٹتی رہیں گی سمیل ادھر نہیں بیٹھو باسل یہاں جوتے نہیں رکھنا، افوہ آپ کیا کرتے ہیں دیکھ نہیں رہے ابھی وائپر لگایا ہے میں نے یہ بھائی وہ آپ سے کہیں گی۔'' سمیل نے شوخی سے عنائزہ کی نقل اتاری، شازل کا بے ساختہ قہقہہ اس کی پسندیدگی کی سند دیتا امی کو سرشار کر گیا۔

☆☆☆

آج نیچے پورشن میں بڑا شور ہو رہا تھا شازل سمجھ گیا تھا کہ اختر انکل کی تینوں بیٹیاں اپنے بچوں سمیت آئی ہیں کیونکہ پندرہ دن میں ہر اتوار کو وہ آتی تھیں۔

''بھائی جان آج تو رات تک خوب آوازیں آئیں گی اور ساتھ ہی عنائزہ بھابھی کی چیخ و پکار۔'' باسل ڈرائنگ روم میں آیا جہاں وہ کمپیوٹر پر بیٹھا کچھ کام کر رہا تھا۔

''بھابھی؟ ہوش میں تو ہو۔'' شازل نے حیرانگی کے ساتھ ٹوکا۔

''وہ ہم دونوں نا ابھی سے بھابھی کہنے کی عادت ڈال رہے ہیں تا کہ بعد میں مشکل نہ ہو۔'' سمیل ایسے بولا کہ جیسے رشتہ شازل سے طے ہو گیا ہو دونوں صوفے پر پھیل کے بیٹھ گئے تھے۔

''اگر سن لیا نا اس نے دماغ ٹھکانے لگا دے گی۔'' وہ مانیٹر پہ نگاہیں مرکوز کیے کی بورڈ پر مسلسل انگلیاں چلاتا ہوا کام کر رہا تھا۔

''سمیل انکل آپ کو ہماری آنی بلا رہی ہیں۔'' عنائزہ کا بھانجا اسے بلانے آیا تھا۔

''اچھا آتا ہوں۔'' وہ مسکرایا اور فوراً اٹھ کر نیچے پہنچ گیا۔

''سنو سمیل جلدی سے ایک کلو ٹماٹر ہرا دھنیہ پودینہ اور ہاں چھوٹی والی ہری مرچیں ایک پاؤ لا دو۔'' عنائزہ نے اسے پیسے اور لسٹ تھمائی۔

''عنائزہ یہ تو بعد میں بھی تمہارے حکم مانا کرے گا۔'' ملیحہ نے معنی خیزی سے کہا اس کے بڑھتے قدم رکے اور تیکھے چتونوں سے گھورا نا سمجھی کی کیفیت میں اسے دیکھا۔

''بعد میں کیا مطلب ہے؟''

''لگتا ہے امی نے ابھی تک تمہیں بتایا نہیں ہے، ہمیں مشورے کے لئے تو بلایا ہے ابو نے۔''

''کیسا مشورہ؟'' عنائزہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ پھر پوچھا۔

فائزہ او مائرہ بھی اندر آ گئیں عنائزہ نے اب آپی کو بغور دیکھا جو مسکرا رہی تھیں۔

''عنائزہ تمہارے لئے شازل کا پرپوزل لے کے آئی تھیں آنٹی۔''

''کیا پرپوزل میں نے کہا بھی تھا امی سے مجھے شادی ہی نہیں کرنی۔'' سن کے ہی وہ تو چراغ پا ہوگئی مائرہ کی فہمائشی نگاہوں نے دیکھا اور اس کے زبردستی پکڑتے بیڈ پر بیٹھایا۔

''یہ بے وقوفوں والی باتیں تم پچھلے دو سالوں سے کر رہی ہو اب اتنا اچھا رشتہ ہے یہ شازل کا اور پھر سب سے بڑھ کر ابو کے دوست کا بیٹا پڑھا لکھا ہے، اچھا خاصا اپنا بزنس بھی ہے اور کیا چاہیے؟''

''مائرہ باجی آپ بھول گئیں پچھلی بار بھی ابو نے دھوکہ کھایا تھا اپنے ایک دوست کے کہنے پر ہی میری منگنی کی تھی یاد ہے آپ کو۔'' وہ تلخی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بولی، کیونکہ جب بھی وہ سب یاد آتا تو اسے غصہ ہی آتا اور پھر منگنی ٹوٹنے کے بعد تو اس نے رشتہ داروں جبکہ اپنی بہنوں کے گھر تک جانا چھوڑا ہوا تھا لوگوں کی طرح طرح کی باتوں کی وجہ سے۔

"وہ تمہارے قابل ہی نہ تھا۔" مائرہ نے بھی سمجھایا۔

"مائرہ باجی مجھے شادی ہی نہیں کرنی ہے ابو اور امی کا سہارا بن کے رہنا ہے۔"

"تم جو سوچ رہی ہو وہ سب غلط ہے ابو اور امی کی تم ذمہ داری ہو اور پھر وہ دونوں تمہیں اپنے گھر بسا دیکھ کر خوش ہوں گے۔" ملیحہ نے بھی مدبرانہ انداز میں سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تم زیادہ مجھ سے بڑی بننے کی کوشش مت کرو، مجھ سے چھوٹی ہو اور چھوٹی ہی رہو۔" اس نے ملیحہ کو تو ڈانٹ دیا وہ جز بز سی ہوگئی۔

"اچھا اچھا بس کرو تم دونوں کی پھر لڑائی شروع ہو جائے گی اور ہاں عنائزہ شازل اچھا لڑکا ہے خوش رہو گی اس کے ساتھ۔"

"مجھے شادی ہی نہیں کرنی ہے امی اور ابو کو بتا دیجئے گا اور شازل احمد کی تو بس وہ خبر لوں گی کہ یاد رکھے گا کہ ایسا سوچا بھی کیوں؟" اس کی توپوں کا رخ شازل کی طرف ہو گیا تینوں بہنوں نے تاسف سے اسے دیکھا جو بات کو سمجھ ہی نہیں رہی تھی۔

☆☆☆

شازل کی امی سارہ بھابھی نے دو تین بار جواب کا پوچھا مگر طلعت بیگم نے کچھ دنوں کی اور مہلت مانگی تھی وہ سمجھتی بھی تھیں کہ عنائزہ کی جہ سے وہ تذبذب کا شکار ہیں۔

"امی کتنے دن ہو گئے ہیں آنٹی نے ابھی تک کوئی رضا مندی ہی نہیں دی۔" باسل بھی انتظار سے اکتا گیا کیونکہ شازل کا پرپوزل دیئے پندرہ دن سے اوپر ہو گئے تھے۔

"اتنی جلدی کوئی لڑکی والا جواب نہیں دیتا ہے۔" وہ آہستگی سے بولیں۔

"امی آپ کو نہیں پتہ یہ عنائزہ بھابھی ہی روڑے اٹکا رہی ہوں گی۔" سمیل بھی بولا۔

"ہیں تم دونوں نے بھابھی کیوں کہنا شروع کر دیا ہے ابھی کوئی بات طے تو نہیں ہوئی سن لی نا کسی نے اچھا نہیں لگے گا۔" امی نے دونوں کو ہی سرزنش کی۔

"امی آپ اطمینان رکھیئے جواب ہاں میں ہی ہو گا ہم تو بس بھابھی ہی کہیں گے۔" سمیل بلیک پینٹ پر ڈیپ مہرون شرٹ میں نکھرا نکھرا اپنی کتابیں اٹھا کر عنائزہ سے پڑھنے جانے کے لئے تیار تھا۔

"تم روز پڑھنے جاتے ہو وہ سیدھے منہ تم سے بات تو کرتی نہیں۔" باسل نے اس کی تیاری کو طائرانہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"میں بھی اپنے نام کا ایک ہی ہوں انہیں زبردستی بیٹھا لیتا ہوں پھر مجبوراً انہیں پڑھانا پڑتا ہے۔" وہ کہتا ہوا نکل گیا تھا نیچے آیا تو دیکھا کافی خاموشی تھی۔

"آنٹی وہ عنائزہ باجی کہاں ہیں۔" ان کے سامنے بھابھی کہنے سے اجتناب برتا۔

"عصر کی نماز پڑھ رہی ہے۔" وہ اختر علی کے کرتے کے بٹن ٹانک رہی تھیں، سمیل برآمدے میں رکھی چیئر پر بیٹھ گیا اور اس کا انتظار کرنے لگا کچھ ہی دیر میں وہ بلیو لان کے پرنٹڈ کپڑوں میں بیزار سی صورت بنائے آ گئی۔

"السلام وعلیکم بھابھی صاحبہ۔" شرارت سے دبی دبی آواز میں سلام کیا۔

"تمہارا سر توڑ دوں گی اگر تم نے بھابھی کہنا بند نہیں کیا تو۔" وہ وارننگ دیتی ہوئی اس کے سامنے والی چیئر پر بیٹھ گئی۔

"یہ تو طے ہے میں بھابھی کہنا چھوڑ دوں گا نہیں اور دیکھیئے گا اسی سال ہی ہم آپ کو رخصت کر کے لے جائیں گے، ہمارا گھر بس کمپلیٹ ہونے والا ہے۔"

"میری مرضی کے بغیر کیسے رخصت کروا سکتے ہو۔" وہ بھی غصے سے گویا ہوئی، کچھ دنوں سے اس کا سامنا شازل سے بھی نہیں ہوا تھا ورنہ کم از کم اسے سنا کے ہی اپنا غصہ کم کر لیتی۔

"آپ کی مرضی سے ہی کروائیں گے ہمارے بھائی کروڑوں میں ایک ہیں اتنی قدر کریں گے آپ کو کہ آپ حیران رہ جائیں گی۔" اس نے معنی خیزی سے کہتے ہوئے کن انکھیوں سے عنائزہ کی صورت دیکھی جو غصہ کی وجہ سے تمتما رہی تھی۔

"زیادہ الٹی سیدھی ہانکنے کی ضرورت نہیں۔"

"آنٹی...... آنٹی۔" سمیل نے طلعت بیگم کو دیکھتے ہی آواز لگائی جو کچن میں جا رہی تھیں۔

"دیکھیے آنٹی آپ جلدی سے ہاں کر بھی دیجئے بھائی جان آپ کے دیکھے بھالے ہیں۔"

"زیادہ میری امی کو پٹانے کی ضرورت نہیں ہے جب میں راضی نہیں تو کیسے جواب دیں گی وہ۔" وہ آنکھیں نکال کے بولی مگر سمیل کو جیسے اس کے بھڑکنے کی پرواہ ہی نہ تھی۔

"بیٹا تمہارے انکل ہی اسے سمجھائیں اے میری تو یہ سنتی نہیں۔" وہ افسردگی سے گویا ہوئیں انہیں عنائزہ کی رات دن فکر رہتی تھی وہ سمجھا سمجھا کے تھک سی گئی تھیں جو اپنا نقصان کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"میں نے بھابھی کو ہاں میں جواب دے دیا ہے کیونکہ شازل سے بہتر ہمیں کوئی اور رشتہ نہیں مل سکتا ہے۔" اختر علی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"پہلے جو کچھ میری وجہ سے ہوا اس کا ملال مجھے آج بھی ہے بیٹا میں اس کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں، شازل اچھا بچہ ہے۔"

"پلیز ابو آپ کیوں کرتے ہیں ایسی باتیں میں آپ دونوں کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔" وہ ان کے گلے سے لگ گئی وہ اپنے ابو کو احساس محرومی میں مبتلا نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"میں تمہیں دور کب کر رہا ہوں بلکہ شازل بیٹے کی وجہ سے تم تو ہمیشہ قریب رہو گی۔" وہ اسے بڑے نرم لہجے میں سمجھا رہے تھے اور وہ لب کاٹ رہی تھی کتنی کوشش کی لاکھ انہیں منع کیا لیکن ابو نے آنٹی کو رضا مندی دے دی تھی، انہوں نے اس کا ماتھا چوم لیا خود بھی آبدیدہ ہو گئے تھے عنائزہ کچھ زیادہ ہی حساس تھی اس لئے بھی اس کی فکر رہتی تھی وہ ہر بات گہرائی سے سوچتی تھی۔

صبح سے لے کر رات ہو گئی وہ کمرے سے ہی نہ نکلی، طلعت بیگم نے بھی اسے نہ چھیڑا، مگر پھر شائد بھوک لگی تو کچن میں گھس کے چائے بنانے لگی، اتنے میں طلعت بیگم بھی وہی آ گئی اور بولیں۔

"اپنا ایک جوڑا نکال کر دے دو جو صحیح فٹنگ کا ہو بھابھی ناپ مانگ رہی ہیں تمہارا۔" وہ جو سر جھکائے چائے پینے میں مصروف تھی تڑخ کے بولی۔

"جب رشتہ طے کر دیا ہے تو مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں، اپنی مرضی سے دے دیں۔" کپ سنک پر رکھ کر وہ تیزی سے کچن سے نکلی مغرب ہو چکی تھی برآمدے کی ساری لائٹیں جلائیں اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تو چونک گئی۔

"کھولو دروازہ تمہارے ابو ہوں گے مغرب کی نماز پڑھنے گئے تھے۔" طلعت بیگم نے اسے کہا وہ اپنا سرمئی آنچل شانوں پر درست کرتی دروازے تک آئی کھولا تو دیکھا سامنے شازل کھڑا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔

''السلام وعلیکم!'' شازل نے سلام کیا۔

مگر وہ دانت پیس کے اسے گھورنے ہی لگی اونچا لمبا ڈیشنگ سا شازل ایک لمحے کو پزل سا ہو گیا اور اس کا سرخ چہرہ دیکھ رہا تھا۔

''وعلیکم السلام تو کہہ دیں۔''

''مجھ سے زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے دیکھیئے گا آپ کا میں جینا دوبھر کر دونگی کیا سمجھ رکھا ہے مجھے۔'' وہ تو پھٹ پڑی۔

''میرا قصور تو بتایئے محترمہ۔'' وہ مبہم سی مسکراہٹ لئے گویا ہوا۔

''سارا قصور ہی آپ کا ہے۔'' وہ چڑھ دوڑی پھر اس کے پیچھے ابو کو کھڑے دیکھ کر گھبرا کر اندر چلی گئی شازل الگ جھینپ گیا انہیں سلام و دعا کرنے کے بعد وہ تو اوپر چلا گیا عنائزہ اندر بیٹھی کھولتی رہی۔

رات کو آنٹی اس کے کپڑوں کا ناپ بھی لے گئی تھیں، تینوں بہنیں بھی ہفتہ کو آ گئی تھیں ان کے بھی بازاروں کے چکر لگنے لگے تھے۔

''عنائزہ میرے ساتھ کل پارلر چلنا۔'' مائزہ نے اسے دیکھا جو قرآن پاک کی تلاوت کرنے کے بعد اسے جزدان میں رکھ رہی تھی۔

''کیوں جاؤں۔'' ازلی ہٹ دھرمی عود کر آئی۔

''ہر بات پر بحث مت کیا کرو تم کل ظہر کی نماز کے بعد تیار ہو جانا۔'' مائزہ نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ اس کی ایک نہیں سنے گی بلکہ ہر کام ڈانٹ کے اور زبردستی ہی کروائے گی کیونکہ کسی اور کے تو قابو میں نہیں آتی تھی۔

☆☆☆

سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ عنائزہ بھی حیران تھی شازل کی امی زبردست قسم کے بڑے اعلیٰ ڈریس نکاح پر لے کر آئی تھیں رخصتی انہوں نے اپنے نئے مکان میں شفٹ ہونے کے بعد رکھی تھی۔

''بھائی جان ایسا کچھ کریں کہ رخصتی آج ہی کروالیں۔'' سمیل کو کچھ زیادہ ہی بے تابی تھی پھر دونوں بھائی خوش بھی بہت تھے کہ عنائزہ ان کی بھابھی بننے جارہی تھی۔

''کیا کچھ ایسا کروں۔'' شازل آف وائٹ قمیض شلوار میں ملبوس بے حد ڈیسنٹ لگ رہا تھا امی نے تو باقاعدہ اس کی نظر اتاری تھی۔

''زیادہ بدتمیزی کرنے کی ضرورت نہیں ہے ویسے ہی وہ بہت پریشان ہے۔'' امی نے دونوں کو ہی سرزش کی شازل ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے آگے کھڑا خود پر پرفیوم اسپرے کر رہا تھا۔

''ایک تو ہم اپنے ہیرو جیسے بھائی کو ہمیشہ کے لئے دے رہے ہیں اس پر بھی پریشان ہیں کیوں سمیل۔'' باسل نے تائیدی انداز میں اسے دیکھا تو سمیل نے جھٹ سر ہلایا۔

''وہ کیا اس پر قبضہ جمالے گی ارے وہ بھی اس گھر کا فرد بننے آرہی ہے خبردار جو اس سے بکواس کی۔''

''بھائی جان، امی تو پہلے ہی عنائزہ بھابھی کی دیوانی ہیں اب دیکھتے ہیں کہ آپ کا کیا حال ہوتا ہے۔'' باسل نے حسب عادت شرارت کی۔

''تم لوگ الٹی سیدھی باتوں میں پڑے رہو جلدی کرو شازل مہمان آگے ہیں، جلدی تیاری مکمل کرو۔'' امی بھی اسکائی بلیو جارجٹ کے چکن سوٹ میں بے حد نفیس لگ رہی تھیں آج ان کی بھی فکر کم ہوگئی تھی کہ بڑے بیٹے کا نکاح ہورہا تھا۔

امی کے جلدی مچانے پر وہ تینوں امی اور چند خاص عزیز و اقارب کی ہمراہی میں نیچے آگئے پورے صحن اور برآمدے میں ہی مہمانوں کے بیٹھنے کا انتظام رکھا تھا مولوی صاحب کو اسعد لے آیا تھا کچھ ہی دیر میں نکاح کی کاروائی شروع ہو گئی تھی۔

اتنے میں پھر فائزہ اور مائزہ کے شوہر آگئے تو شازل مودٔب انداز میں بیٹھ گیا وہ ان سے باتیں کرنے لگے اسعد بھی ان کی باتوں میں حصہ لے لیتا تھا، ڈنر بھی خاصا زبردست تھا اختر علی نے اس چھوٹے سے فنکشن میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی تھی تصویریں اور مووی کا سلسلہ چل نکلا عنائزہ کمرے سے نکلنے کو تیار نہیں تھی میرون فل موتی ستاروں سے بھرے کپڑوں میں میک اپ اور طلائی جیولری میں حسین پری ہی لگ رہی تھی طٰہٰ تو مسلسل پری خالہ کہے جارہا تھا۔

''عنائزہ کیا حرکت ہے چلو سب ہی انتظار کر رہے ہیں۔'' فائزہ نے زبردستی اس کا ہاتھ پکڑا اور کھڑا کرنا چاہا۔

''آپی مجھے نہ تصویریں بنوانی ہیں نا مووی۔'' وہ اکڑ گئی، شازل کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

''آپی میں تو کہتی ہوں کہ ابو سے کہیے کہ اس کے ساتھ ہی رخصتی بھی کر دیں خواہ مخواہ یہ مسئلے کھڑے کرتی رہے گی۔'' سی گرین کپڑوں میں ملیحہ اندر چلی آئی وہ بھی جھنجھلا گئی تھی اس کی فضول ضد کی وجہ سے جو کسی کی نہیں مان رہی تھی یہ بھی عنائزہ کا احتجاج ہی تھا۔

''تمہارا تو بس چلے تو یہی کرو نہیں جارہی میں جا کر کہہ دیں سب سے میرے سر میں درد ہے۔'' وہ تینوں بہنیں غصے میں آگئیں پھر سامنے شازل کی امی کو دیکھ کر وہ شرمندہ سی ہو گئی وہ مسکراتی ہوئی آئیں۔

''آج تو تم اتنی پیاری لگ رہی ہو کہ یہ غصہ بھی تم پر اچھا لگ رہا ہے چلو آؤ جلدی سے میرے ساتھ تصویر بناؤ اور ذرا میرے بیٹے کا بھی خیال کر لو وہ ایک جھلک تو تمہاری دیکھنے کا حق رکھتا ہے۔'' انہوں نے پیار بھرے لہجے میں کہا اور عنائزہ کی پیشانی چوم لی پھر وہ مزید کچھ نہ بولی، سچویشن ہی ایسی تھی ان کی ہمراہی میں باہر آ گئی ایک سائیڈ پر چھوٹا سا اسٹیج بھی بنایا ہوا تھا اسے شازل کے پہلو میں بیٹھا دیا اس کے وجود سے بھینی بھینی پرفیوم اور گجروں کی مہک شازل کو حواسوں پر چھانے لگی، پھر وہ ایک ربورٹ کی طرح سب کرتی جارہی تھی، خاموشی سے مووی بھی بنوائی اور تصویریں بھی، طلعت بیگم اور اختر علی نے تشکر بھرا سانس بھرا تھا، سمیل، باسل اور اسعد کا ہنسی مذاق ہورہا تھا اور وہ جھینپی ہوئی بیٹھی تھی۔

☆☆☆

شازل نے رات دن کی کوششوں سے اپنے گھر کو جلد مکمل کروانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی یہ بھی امی کا حکم تھا کہ وہ اب خاصی تھک چکی ہیں گھر میں وائٹ واش ہو چکا تھا گھر سیٹ کرنا مشکل مرحلہ تھا اور یہ سب امی کے بس کا تو نہ تھا اسعد کی بیوی کے ڈیلیوری قریب تھی وہ بھی نہیں آ سکتی تھی۔

''یہ اتنا سامان میں کیسے کرونگی یہ سب۔'' وہ تو پریشان ہورہی تھیں۔

''وہ آپ کی بہو ہے نہ تو بلایئے اسے ہاتھ بٹائے آ کے۔'' شازل شیو بنا رہا تھا اس کی آج اہم میٹنگ تھی پھر دو دن کے لئے اسے اسلام آباد بھی جانا تھا اتنے کام تھے کہ شازل بھی بوکھلاہٹ کا شکار تھا۔

''پہلے تو کبھی کبھار آ جاتی تھی اب تو بلانے سے بھی نہیں آتی ہے۔'' وہ افسردگی سے گویا ہوئیں۔

''کیسے نہیں آتی بلکہ آج میں بلا کے لاتا ہوں۔'' شیو کرنے کے بعد اس نے آفٹر لوشن لگایا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بلیک ٹراؤزر پر وائٹ شرٹ گلے میں تولیہ ڈالے وہ کمرے سے نکلنے لگا۔

''ارے رک جاؤ وہ اپنے کام کر رہی ہوگی میں خود کرلونگی پیکنگ، باسل یونیورسٹی سے آنے والا ہے۔'' وہ اسے روکنے آگے بڑھی تھیں، جانتی تھی کہ عنائزہ شازل کی وجہ سے کبھی نہیں آئے گی۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے بلانے میں حرج نہیں ہے۔'' وہ یہ کہہ کر سیڑھیاں اتر گیا عموماً وہ نماز کے بعد قرآن پاک پڑھتی تھی شازل نے اکثر دیکھا تھا تخت پر بیٹھی ملتی تھی۔

''ارے شازل بیٹا آؤ آؤ۔'' طلعت بیگم داماد کو دیکھ کر نہال ہی ہو گئیں، وہ خجل سا ہو گیا پھر ایسی بے تکلفی کب تھی ہمیشہ ان سے اور اختر علی سے ادب کے دائرے میں ملتا تھا۔

''وہ اصل میں آنٹی امی کی کچھ طبیعت خراب ہے اگر وہ عنائزہ کو بھیج دیں تو مہربانی ہو گی۔'' قدرے توقف کے بعد جھجک کے بولا۔

''ارے مہربانی کی کیا بات ہے بیٹی ہے وہ بھابھی کی وہ نہیں خیال کرے گی تو کون کرے گا۔'' وہ مسکرادیں شازل جھینپ کے رہ گیا۔

''عنائزہ...... عنائزہ!'' انہوں نے یک بیک دو آوازیں دیں۔

''آتی ہوں امی!'' اندر سے اس کی بڑی فریش آواز آئی تھی، وہ سی گرین کاٹن کے کپڑوں میں سائیڈ پر دوپٹہ ڈالے بڑی مگن سی باہر آئی مگر شازل کو دیکھ کر وہیں رک گئی۔

''جاؤ اوپر تم بھابھی کی طبیعت خراب ہے کچھ کام ہے وہ کر دو جا کر۔'' امی اسے دیکھتے ہی بولی۔

''امی ابھی میں ابو کے کپڑے پریس کر رہی تھی۔'' وہ منمنائی۔

''بعد میں کر لینا جاؤ جلدی۔'' وہ حکمیہ انداز میں بولیں۔

شازل مسکراہٹ چھپاتا ہوا مڑ گیا عنائزہ نے دانت پیسے اس کی چوڑی پشت کو گھورا، کیسے دھڑلے سے وہ اسے بلانے چلا آیا تھا بڑبڑاتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی کہ اسی وقت شازل نے شرارت کی اور دو سیڑھیاں اتر کر اس کے قریب پہنچ گیا وہ تو بوکھلا ہی گئی، آج تو اس کے دیکھنے کا انداز ہی بدل گیا تھا۔

''نکاح کے بعد آپ کچھ اترانے نہیں لگی ہیں۔'' دیوار پر دونوں ہاتھ ٹکائے اس کے گرد حصار باندھ لیا۔

''کیا حرکت ہے ہٹائیے ہاتھ۔'' وہ تو غصہ میں آ گئی کیونکہ اس نے سیڑھیوں کے درمیان روک لیا تھا کوئی آ بھی سکتا تھا۔

''اگر نہ ہٹاؤں تو کیا کرلیں گی۔'' عنائزہ کی پرفسوں آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں وہ بے بسی سے لب کچلنے لگی چہرہ کی رنگت بھی سرخ ہو گئی۔

''میں جان سے بھی ماردوں گی اگر میرے ساتھ کوئی الٹی سیدھی حرکت کی تو۔'' اپنا اعتماد بحال کرنے لگی مگر شرم و گھبراہٹ سے ہاتھوں سے پسینہ پھوٹنے لگا۔

''پھر کیا خیال ہے رخصتی نہ کروالی جائے زیادہ آسانی رہے گی جان سے مارنے میں۔'' معنی خیز سے لہجے میں بولا۔

''بات سنیں۔''

''میں نے یہ نکاح صرف اپنے والدین کی خوشی کے لئے کیا ہے ورنہ مجھے آپ سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''کوئی بات نہیں ساتھ رہ کر ہو جائے گی آزمائش شرط ہے۔'' وہ اس کی طرف جھکنے ہی والا تھا کہ وہ اسے پیچھے دھکیلتی ہوئی نیچے واپس چلی گئی۔

''بدتمیز لوفر گھٹیا انسان کیا سمجھ رکھا ہے مجھے کہ میں کوئی ایسی ویسی لڑکی ہوں۔'' کمرے میں آ کے اتنا بڑبڑائی کہ ایک ایک چیز کو دل کر رہا تھا کہ تہس نہس کر دے۔

''دیکھتی ہوں کیسے رخصتی کرواتے ہو، امریکہ میں کیا کیا کرتے ہونگے۔'' ذہن تو منفی سوچوں کے رخ پر چلا گیا تھا، ایک گرہ سی پڑ گئی تھی جو شاید اس کی آئندہ زندگی کے لئے کبھی ٹھیک نہ ہوا ابو اور امی سے کہا تو وہ نہیں یقین کریں گے بہنیں وہ تو پہلے ہی برا بھلا کہیں گی اس کی سوچ پر بہت سوچ و بچار کے بعد اس نے ملیحہ سے مشورہ کیا، مگر جواب میں ملیحہ نے اسے خوب سنائی۔

''میری زندگی کا معاملہ ہے میں تو ضرور چیک کرونگی آخر بعد میں مجھے پتہ چلا کہ وہ کہیں اور بھی چکر چلا چکے ہیں تو مجھے بہت غصہ آئے گا۔''

''سوچ لو ایسا نہ ہو کہ شازل بھائی کو خبر ہو گئی تمہیں الٹا انہیں منانا نہ پڑ جائے۔'' وہ اسے آگہی بھی دینے لگی مگر وہ عنائزہ ہی کیا جو ٹھان لیا اور سوچ لیا کر کے ہی چھوڑتی تھی سو اس نے نئی سم خریدی تاکہ وہ شازل کے موبائل پر کال کرے گی اور دیکھے گی کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔

''عنائزہ ایک بار پھر سوچ لو کیونکہ تم یہ بہت بڑی بے وقوفی ہوگی تمہاری اور یہ بات بھی تم یاد رکھو کبھی کبھی پرکھنے پر بہت اپنے بھی اپنے نہیں رہتے۔''

''یہ تو اور بھی اچھا ہے میری جان تو چھوٹے گی کیونکہ مجھے شادی ہی نہیں کرنی تھی۔'' وہ موبائل میں سم لگا رہی تھی۔

''یہ جو تم بغیر سوچے سمجھے بولتی ہو نا مجھے غصہ آتا ہے۔''

''مجھے بھی اس وقت تم پر بہت غصہ آتا ہے جب تم اپنی قابلیت جھاڑتی ہو یہ ذہن میں رکھا کرو کہ مجھ سے چھوٹی ہو۔'' فوراً ہی اپنے بڑے ہونے کا رعب بھی جھاڑا۔

''بنتی رہو بڑی مگر کام بڑوں والے نہ کرنا۔'' وہ بھی منہ بناتی ہوئی کمرے سے نکل گئی عنائزہ بڑے آرام سے بیڈ پر دونوں پاؤں سمیٹ کے بیٹھ گئی اور شازل کا نمبر ملایا دل دھڑ دھڑ بھی کر رہا تھا ہاتھ پیروں سے کپکپاہٹ بھی ظاہر ہو رہی تھی مگر یہ اس کی زندگی کا معاملہ تھا دوسری طرف سے ریسو کرلی گئی کال۔

''ہیلو شازل احمد!'' گمبھیر اور سنجیدہ آواز پر اس کی آواز نہ نکل سکی۔

''ہیلو...... ہیلو۔'' جھنجھلاتی ہوئی آواز نے عنائزہ کو چونکا دیا۔

''جی وہ مجھے صنوبر ...... ت کر ...'' جلدی میں یہی سوجھا۔

''سوری یہ کسی صنوبر کا نمبر نہیں ہے۔'' لائن کٹ کردی۔

''اونہہ فون پر کیسے کھڑوس بنے ہوئے ہیں نہ میں بھی کاٹھ کا الو بنایا تو دیکھے گا۔'' اسے تو بدلہ لینے کی بھی ضد سوار تھی جو حرکت شازل نے کل سیڑھیوں پر کی تھی۔

''پلیز پلیز لائن کٹ نہ کیجئے گا نمبر بھی ملایا گیا تھا۔''

''دیکھئے مس جب میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ کوئی صنوبر نہیں ہوتی ہیں اس نمبر پر۔'' بے زاری اور اکتاہٹ سے جواب دیا۔

''وہ نہیں ہے تو کیا ہوا آپ تو ہیں نا کیا بات نہیں کر سکتے ہیں۔'' لہجے میں ترنگ سموئے اسے اپنی آواز کے سحر میں جکڑنے کی کوشش کرنے لگی۔

''میں اگر بات کر بھی لوں تو اس سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا۔''

''کیا پتہ آگے چل کے ہو جائے۔'' عنائزہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاصے محتاط انداز میں بول رہی تھی تا کہ کسی انداز سے وہ پہچان ہی نہ لے۔

''ایسا کیجئے رات کو آپ مجھے کال کیجئے گا ابھی تو میں اپنے آفس میں بزی ہوں۔'' شازل نے اس کی کھنکتی اور محتاط آواز کے باوجود پہچان لیا تھا اس کے علاوہ ملیحہ نے شازل کو سب بتا دیا تھا کہ وہ اسے چیک کرنا چاہ رہی ہے سو وہ پہلے سے ہی اس کے فون کا منتظر تھا۔

''ویسے آپ اپنا خوبصورت سا نام بتائیں گی۔''

''سویرا کہتے ہیں مجھے۔'' کچھ اٹھلا کے گویا ہوئی۔

''اوکے سویرا جی رات کی تنہائی میں باتیں ہوں گی بائے۔'' لائن کٹ کر دی تھی، عنائزہ نے مکہ فضا میں لہرا کے یاہو کا نعرہ ہلکی آواز میں نکالا تا کہ کسی کو آواز نہ چلی جائے اور خوشی سے گنگناتے لیٹ گئی۔

☆☆☆

رات کو جلدی کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد عشاء کی نماز بھی پڑھ لی تا کہ بے فکری اور اطمینان سے وہ بات کر سکے گی امی اور ابو جلدی سونے کے عادی تھے گیارہ بجے تک تو لازمی سو جاتے تھے، وہ اپنی بیڈ کی رائٹ سائیڈ کی دراز سے موبائل نکالنے لگی بیڈ کی بیک کراؤن سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئی بارہ تو بج ہی چکے تھے نمبر پریس کر ہی چکی تھی دل کی دھک دھک جانے کیوں بڑھ جاتی تھی شازل کا سوچ کے ہی وہ خود حیران تھی کہ آخر اسے ہو کیا جاتا ہے۔

''دلیس شازل اسپیکنگ۔'' اس کی گمبھیر آواز پر عنائزہ نے اپنے دھڑ دھڑ کرتے دل کی دھڑکنوں کو قابو کیا۔

''السلام وعلیکم! کیسے ہیں؟''

''وعلیکم السلام کیسا ہوں تو آپ کی اتنی پیاری مدھ بھری آواز سننے کے بعد تو دل ٹھکانے پر ہی نہیں ہے۔'' شازل نے لہجے کو خمار آلود بنا لیا۔

''جھوٹ اچھا بول لیتے ہیں۔'' اس نے تمسخر اڑایا۔

''جھوٹ تو میں بالکل بولتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ جو رشتہ جوڑا جائے تو خلوص نیت اور خلوص محبت سے جوڑا جائے۔''

''کس سے جوڑ رہے ہیں رشتہ؟'' وہ ہنسی کے ساتھ گویا ہوئی۔

''آپ سے جوڑ رہا ہوں سویرا جی!''

''اونہہ کھل کے آ گئی نا اصلیت لڑکی کی آواز سنتے ہی پھسل گئے۔'' دانت پیس کے سوچا موبائل کو کان سے ہٹا کے اسے گھورا جیسے وہ شازل ہی ہو۔

''ہاں تو سویرا جی کیا خیال ہے رشتہ بنائیں گی میرے ساتھ۔''

''کک...... کیسا رشتہ؟'' وہ گڑبڑائی بھی کہ جانے کون سے رشتہ کی بات کرے گا۔

''ظاہر سی بات ہے دوستی کا کیونکہ کہتے ہیں دوستی کے بعد ہی آگے بڑھا جاتا ہے ورنہ دوستی کے بغیر تو کوئی بھی کام نہیں ہو سکتا۔'' شازل معنی خیزی سے بولا وہ بھی اپنی ہنسی ضبط کر رہا تھا۔

''اچھا پہلے تو آپ یہ بتایئے کہ کیا کرتی ہیں۔''

''کال میں نے کی ہے یا آپ نے؟'' تڑخ کے بولی۔

''آپ نے کی ہے۔'' وہ ہنسا۔

''پھر میں پوچھوں گی کہ آپ کیا کرتے ہیں؟''

''میں چلیے اپنا تعارف خود ہی کرواتا ہوں شازل احمد نام ہے والد صاحب پچھلے سال وفات پا چکے ہیں دو چھوٹے بھائی ہیں اور میری

امی ہیں آج کل ہمارا گھر بن رہا ہے بلکہ بن چکا ہے شفٹ ہونے والے ہیں میرا نکاح ہو چکا ہے گزشتہ ایک ماہ پہلے۔'' اس نے ایک بھی جھوٹ نہ بولا اور سب سچ ہی بتایا تھا۔

''کیا نکاح ہو چکا ہے پھر بھی آپ مجھ سے بات کر رہے ہیں۔'' عنائزہ حیرت سے بولی۔

''کیوں اس میں اتنا چونکنے کی کیا بات ہے آپ بھی تو کر رہی ہیں۔'' وہ اس کا چونکنا سمجھ رہا تھا۔

''لیکن میرا تو نہیں ہوا نکاح۔'' روانی میں ہی نکل گیا۔

''واہ امیزنگ۔'' قہقہہ لگایا۔

''پھر کہیے کیا میں اپنا پرپوزل بھیج دوں سویرا جی۔'' اسے چڑانے لگا۔

''شٹ اپ آپ کو شرم نہیں آتی ایسی بات کرتے ہوئے، جو نکاح شدہ ہو کر مجھے پرپوز کر رہے ہیں۔'' وہ غصے میں آ گئی۔

''بالکل بھی نہیں، ایک نکاح کے بعد کیا دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا۔'' وہ جواباً بولا۔

''مجھے نیند آ رہی ہے میں سونے لگی ہوں اب۔'' اسے اور کچھ نہ سوجھا فون بند کا بہانہ کر دیا۔

''میری نیندیں آڑا کر آپ کیسے سو سکتی ہیں۔'' وہ اسے تنگ کرنے لگا۔

''میں کل کرونگی آپ کو پھر کال۔'' اس نے جان چھڑائی۔

''محترمہ میں کیسے دل کو سمجھاؤں۔''

''جی دماغ تو درست ہے آپ کا۔'' وہ تو مشتعل ہو کر چیخنے لگی۔

''آپ بہت فضول باتیں کرتے ہیں مجھے آپ کی نیچر پتہ چل گئی ہے اس لئے آئندہ میں آپ کو کبھی کال نہیں کروں گی۔'' اس کا دل بے حد خراب ہوا، وہ بھی اور مردوں کی طرح نکلا جو لڑکی دیکھ کر اپنا ٹریک بدل لیتے ہیں۔

''لیکن میں اب آپ کا پیچھا ساری زندگی چھوڑنے والا نہیں ہوں ابتداء آپ نے کی ہے۔'' وہ مضبوط اور اٹل لہجہ میں اسے جتانے لگا تو عنائزہ بدحواس باختہ ہو کر لائن ہی کٹ کر دی ایسا لگا کہ شازل آس پاس ہی ہو۔

☆☆☆

ان کا گھر مکمل ہو چکا تھا شازل نے ایک ہفتے کے اندر اندر ساری شفٹنگ مکمل کر لی تھی کچھ مدد فائزہ، مائرہ اور ملیحہ نے آ کے کروا دی تھی گھر بھی سیٹ ہو گیا تھا اب شازل کو اپنے بیڈ روم کے لئے فرنیچر پسند کرنا تھا وہ چاہ رہا تھا کہ اگر عنائزہ اپنی پسند سے لے تو زیادہ اچھا ہے، مگر مسئلہ یہ تھا کہ عنائزہ سے ڈائریکٹ نہیں کہہ سکتا تھا ایسے میں ملیحہ ہی بہترین راز داں لگی۔

''شازل بھائی آپ بے فکر ہو جایئے میں کچھ نا کچھ کرتی ہوں عنائزہ کو آپ کل پک کر لیجئے گا۔''

''ملیحہ وہ مان تو جائے گی ناں۔'' شازل اس کی ضدی طبیعت سے بھی واقف تھا۔

''کیوں نہیں مانے گی امی اور ابو سے کہوں گی تو دیکھیئے گا ابو کا کہا تو وہ ٹال ہی نہیں سکتی ہے۔'' ملیحہ نے اسے اطمینان دلایا تھا۔

وہ مطمئن سا ہو کر شام کو گھر جلدی ہی چلا گیا تھا امی مغرب کی نماز لاؤنج میں ہی پڑھ رہی تھیں بڑا کشادہ بنگلے بنوایا تھا بڑا سا پورچ پھر داخل ہونے کے لئے گلاس ڈور بڑا سا کوریڈور سامنے ہی لاؤنج اور گلاس ڈور کے رائٹ سائیڈ پر خوبصورت سا ڈرائنگ روم لیکن وہ بھی ڈیکوریٹ ہونے سے رہ گیا تھا کیونکہ یہ سب بھی اس نے عنائزہ کی پسند پر چھوڑا تھا لاؤنج کے ایک سائیڈ پر بڑا سا ہال کمرہ اس میں ایک صوفہ سیٹ پڑا تھا اور سامنے سیڑھیاں جا رہی تھیں اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ ہی ڈائننگ ٹیبل تھی ہال کمرے کے لیفٹ پر بڑا اور کشادہ سا امریکن کچن جس میں سب کچھ جدید اسٹائلش تھا ہال کمرے کے رائٹ پر امی کا بیڈ روم اور اس کا بیڈ روم تھا اوپر کے پورشن کو بھی بالکل نیچے کی طرح ہی بنوایا تھا باسل اور سمیل کا بیڈ روم اسٹڈی روم اور بڑا سا لاؤنج تھا۔

''کیا بات ہے آج جلدی آ گئے۔'' امی نے دعا مانگنے کے بعد جائے نماز تہہ کی اور تخت پر لپیٹ کے رکھی۔

''جی وہ ہاں بس کچھ تھکن ہو رہی تھی۔'' چونک کے انہیں دیکھا۔

''پھر کل عنائزہ کو لے کے فرنیچر پسند کرنے جا رہے ہو نا۔''

''جی انشا اللہ وہ راضی ہو جائے کیونکہ میں نے ملیحہ سے تو کہہ دیا ہے۔'' وہ اپنا موبائل چیک کرنے لگا جس پر عنائزہ کی ہی کال آ رہی تھی مگر اس نے کٹ کر دی تھی۔

''میں نے آج بھابھی سے فون پہ کہہ دیا ہے وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ بھیج دیں گی۔''

''آپ نے آنٹی سے کہہ دیا۔'' وہ خوش ہو گیا۔

''وہ فون کریں گی پھر تم جانا اسے ساتھ لے کر ہاں کچھ کپڑوں کی شاپنگ بھی کر لینا اپنی مرضی و پسند سے دن ہی کتنے ہیں شادی میں عید الضحٰی کے بعد میں نے سوچا ہے کہ رخصتی کی تاریخ لے لوں گی۔'' وہ ارادہ کر چکی تھیں کہ مزید دیر نہیں کریں گی کیونکہ ان سے بھی اتنے بڑے گھر میں اکیلے نہیں رہا جا رہا تھا اب۔

''جیسے آپ کی مرضی۔'' عنائزہ کی پھر کال آئی تو وہ ریسیو کرتا ہوا باہر پورچ میں نکل گیا تھا چھوٹا سا لان جہاں وائٹ ملگجی سی روشنی ہو رہی تھی وہ چہل قدمی کرنے لگا عنائزہ کی مسحور کن آواز اس کے دل کے تار ہلا رہی تھی۔

''آج کیسے یاد کر لیا آپ نے، ورنہ تو آپ نے ہمیں ڈس ہارٹ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔'' شرارتی لہجے میں بولا۔

''یہ کہنے کے لئے یاد کیا ہے کہ اگر آپ نے آئندہ میرے نمبر پر کال کی تو بہت برا ہو گا۔'' وہ تو چڑھ دوڑی۔

''دیکھئے ابتداء آپ نے کی ہے میں تو اب باز آنے والوں میں سے نہیں ہوں تہیہ کر لیا ہے کہ ساری زندگی آپ کے ساتھ گزارنی ہے۔''

''شٹ اپ آخری بار کہہ رہی ہوں آئندہ اس نمبر پر کال نہیں کرنا۔'' وہ موبائل آف کر چکی تھی مگر وہ کہاں باز آنے والوں میں تھا وہ تقریباً روزانہ اسے دو تین مرتبہ کال کرتا تھا مگر وہ ریسیو نہیں کرتی تھی، وہ یہ سب صرف اسے تنگ کرنے کے لئے کرتا تھا۔

''مسز عنائزہ شازل تم نے مجھے سمجھا کیا ہے کوئی ٹین ایج لڑکا، دیکھنا کیسے تمہیں میں سیدھا کرتا ہوں۔'' وہ سوچتا ہوا اندر آ گیا تھا۔

اتنے میں باسل اور سمیل بھی آ گئے تو گھر میں کچھ ہلچل مچی شازل اپنے کمرے میں چلا گیا تھا وہ دونوں ہال کمرے میں ٹی وی لگا کے بیٹھے ہوئے تھے۔

''امی انکل سے آپ نے رخصتی کی ڈیٹ لے لی۔'' سمیل کو تو اتنی جلدی تھی کہ عنائزہ فوراً یہاں آ جائے۔

''ہاں کی ہے میں نے بات، انشا اللہ عید کے بعد رخصت کروا لیں گے ہم اسے۔'' یہ سن کر وہ دونوں خوشی سے دھمال ڈالنے لگے۔

☆☆☆

اختر علی کے کہنے پر وہ بد دلی سے شازل کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوئی تھی ملیحہ کو تو اس نے ویسے بھی خوب سنائی تھی اورنج اور فان کلر

کے کنٹراسٹ کاٹن کے ریشم کی کڑھائی کے سوٹ میں تیار وہ سادگی میں بھی بہت پیاری لگ رہی تھی شازل نے تین بجے اسے پک کرنا تھا عنائزہ کا دل الگ دھک دھک کر رہا تھا اور کچھ برا بھی ہو رہا تھا شازل کی فون پر گفتگو کی وجہ سے تین بجے وہ آ گیا تھا مگر اتنی عجلت میں تھا کہ دو گھڑی بھی نہ بیٹھا عنائزہ جھجکتی ہوئی اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر خاموشی سے بیٹھ گئی شازل بڑی خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا بیک سیٹ پر آف وائٹ شرٹ میں ڈیسنٹ سا لگ رہا تھا۔

''بیڈ روم کا فرنیچر میں چاہ رہا تھا کہ آپ اپنی مرضی سے لیں۔'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولا۔

''جب سارے کام اپنی مرضی سے کیے ہیں تو اس کا بھی کیوں تردد کیا۔'' طنز سے باز نہ آئی شازل نے نگاہ ترچھی کی اور اس کا تپا ہوا چہرہ دیکھا۔

''آخر آپ مجھ سے اتنا ناراض کیوں رہتی ہیں۔'' گاڑی وہ سائیڈ پر روک کے اس سے باز پرس پر اتر آیا عنائزہ گڑبڑا سی گئی۔

''مجھے شادی ہی نہیں کرنی تھی۔''

''مجھ سے نہیں کرنی تھی یا کسی اور سے کرنی تھی۔'' اس نے جان بوجھ کے بات کو دوسرا رنگ دیا اسی وقت چونک کر عنائزہ نے دیکھا۔

''مجھے آپ سے ہی نہیں کسی سے بھی نہیں کرنی تھیں۔'' زور دے کے جتایا۔

''لیکن مجھے تو لگتا ہے کہ آپ کسی اور کو پسند کرتی ہیں اور میں تو بے خبری میں مارا گیا نا کم از کم آپ مجھے تو بتا دیتی۔'' وہ لہجے میں سنجیدگی اور ناگواری لئے گویا ہوا عنائزہ تو سٹپٹا ہی گئی، یہ تو لینے کے دینے پڑھ گئے تھے۔

''آپ کیا الٹی بات کر رہے ہیں؟''

''میں بالکل سیدھی اور صاف بات کرنے کا قائل ہوں کیونکہ مجھے دوغلے لوگ سخت برے لگتے ہیں جیسے آپ۔''

''میں کسی کو بھی پسند نہیں کرتی۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''میں نہیں مان سکتا کیونکہ آپ نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے میں تو تمام تر سچے جذبوں سمیت آپ کو چاہا تھا مگر میں آپ کے غصہ اور گریز کی وجہ شرم سمجھا مگر یہ تو مجھے اب علم ہوا ہے کہ آپ کسی اور کو پسند کرتی ہیں۔'' وہ الٹا اسے ہی پھنسا رہا تھا عنائزہ کے چہرے کے تو رنگ ہی اڑنے لگے کیونکہ وہ اتنا سنجیدہ اور غصے میں نظر آ رہا تھا کہ عنائزہ کی تو حالت خراب ہونے لگی۔

''میں کسی کو بھی پسند نہیں کرتی ہوں میں سچ کہہ رہی ہوں۔''

''اب آپ چاہے کتنے سچ بولتی رہیں لیکن مجھے آپ کی کسی بھی بات پر یقین نہیں ہے اور نہ آئے گا۔'' گاڑی اس نے پھر سے اسٹارٹ کی۔

''مجھے گھر چھوڑ دیں نہیں جانا مجھے آپ کے ساتھ کہیں بھی۔''

''میں پاگل نہیں ہوں اور نہ ہی بے وقوف ہوں کے ہر بات آپ کی مانو جس کام کے لئے آپ کو لایا ہوں وہ تو کرنا ہی ہے نا۔'' معنی خیزی سے سخت لہجے میں بولا۔

''مجھے کوئی شوق نہیں ہے آپ کے ساتھ شاپنگ کرنے کا سنا آپ نے۔'' شازل نے بس ایک اچٹتی نگاہ عنائزہ کے غصے سے تنے چہرے پر ڈالی اسے ترس بھی آیا مگر وہ کچھ تو سبق دینا ہی چاہتا تھا جو اس کے سچے اور محبت بھرے دل کو نظر انداز کر رہی تھی۔

''میری امی کو تو آپ نے اپنی چالاکی سے پھنسا لیا ہے ان کا آڈر ہے کہ ساری گھر کی تزئین و آرائش ان کی بہو کی پسند سے ہو۔''

''بس بہت ہو گئی ہے کتنی میری تضحیک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کریں گے آپ کو اختیارات مل گئے جب ہی رشتہ کا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔" بھرائی ہوئی آواز نکلی۔

"اب دیکھئے گا آگے آگے میں اس رشتہ کا اور کتنا فائدہ اٹھاتا ہوں مسز شازل احمد۔" اس کے ایک ایک لفظ میں استحقاق و رعب تھا عنائزہ نے لب بھینچ لئے جیسے کچھ نہ بولنے کی قسم کھائی تھی۔

گاڑی وہ تیزی سے دوڑاتا شاپنگ سینٹرل میں آ گیا اپنی پسند سے ساری شاپنگ کرائی عنائزہ اس کے ساتھ میکانکی انداز میں چلتی رہی تھی، فرنیچر کی مارکیٹ میں بھی وہ خود ہی فرنیچر پسند کر رہا تھا مگر رائے اس کی بھی لے رہا تھا۔

"مجھ سے کیا پوچھتے ہیں ادھر بھی اپنی چلایئے۔" تپ کے گویا ہوئی، شازل کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ در آئی مگر شازل کو اسے تنگ کرنے میں مزہ آنے لگا تھا رات کو نو بجے وہ اس کے گھر پہ چھوڑ کر جا رہا تھا جیسے ہی وہ گاڑی سے اتری وہ فوراً بولا۔

"سنیئے جسے پسند کرتی ہیں اس کا نام مجھے کل تک بتا دیجئے گا۔" وہ یہ کہہ کر زن سے گاڑی لے اڑا تھا عنائزہ کے تو جسم میں لگتا تھا کہ جان ہی نہ ہو وہ پتہ نہیں کیسی لڑکی سمجھنے لگا تھا۔

☆☆☆

دو دن ہو گئے تھے وہ بے حد پریشان تھی کسی کام میں بھی دل نہیں لگ رہا تھا سم بھی نکالی ہوئی تھی تا کہ شازل کی کال ہی نہ آئے اتوار آیا تو تینوں بہنیں صبح سے ہی آ گئی تھیں مگر تینوں عنائزہ کی خاموشی دیکھ کر متفکر سی ہو گئی تھیں ملیحہ نے ہی اس سے وجہ پوچھی۔

"دیکھا میں نے کہا تھا نا الٹی آنتیں گلے نہ پڑ جائیں اب بھگتو۔" اس نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔

"ایک تو میری جان پر بنی ہے تم اور مجھے طعنے دے رہی ہو۔" وہ رونے لگی۔

چاروں دوپہر کے کھانے کے بعد کمرے میں جمع تھیں، طلعت بیگم اور اختر علی، شازل کی طرف گئے ہوئے تھے کیونکہ اس کی امی کی طبیعت خراب تھی۔

"آپی مجھے یہ بھی ڈر لگ رہا ہے کہ اگر شازل کو پتہ چل گیا کہ میں ہی سویرا ہوں تو؟؟؟؟"

"اچھا ہے پتہ چل جائے تمہاری عقل تب ہی ٹھکانے لگے گی آخر تم نے انہیں سمجھ کیا رکھا ہے۔" ملیحہ کو تو عنائزہ کی حرکتوں پر پہلے ہی غصہ تھا۔

"کیا تم دونوں بحث میں لگ گئی ہو۔" مائزہ نے دونوں کو ہی سرزنش کی۔

ملیحہ اپنی بیٹی کو دیکھنے کے بہانے کمرے سے نکل گئی شازل کو بھی تو خبر دینی تھی کہ عنائزہ کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے ٹیلی فون سیٹ لئے وہ ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔

"شازل بھائی آپ کی ایک ڈوز نے کام کیا ہے لڑکی لائن پر آ گئی ہے۔" ملیحہ کو خوشی تھی کہ عنائزہ شازل کی شرافت اور خودداری کی قائل ہو گئی تھی۔

"میں تو سمجھ رہا تھا کہ آج انکل آنٹی کہیں کوئی شکایت تو لے کر نہیں آ گئے میری کہ میں نے عنائزہ سے مس بی ہیو کیا۔"

"امی، ابو اس معاملے سے لاعلم ہیں اور ہاں آپی اور بجو کو بھی نہیں پتہ ہے میں نے آپ کو جیت کی خوشی سنانے کے لئے فون کیا تھا۔"

"شکریہ ملیحہ تمہارا تم نے میرا ساتھ دیا ہے رخصتی ہو جائے اس کے بعد زبردست سی پارٹی وہ بھی ولیمہ کے علاوہ پکی ہے۔" وہ بھی بہت خوش تھا کہ عنائزہ کے دل میں کم از کم اس کے لئے بھی گنجائش تھی اور باقی کی گنجائش وہ بعد میں پیدا کر لے گا، عنائزہ کچھ بے اعتباری سی تھی کیونکہ جو کچھ اس کے ساتھ ہو چکا تھا وہ سب اسے ایسا کرنے پر مجبور کر رہا تھا، لیکن شازل کو یقین تھا کہ وہ بہت جلد اس کے دل میں اپنا اعتبار قائم کر لے گا۔

☆☆☆

رمضان عبادتوں میں گزر رہا تھا مگر عنائزہ کی عبادتوں میں اور بھی شدت آ گئی تھی تہجد کے وقت اٹھ کر بھی وہ خوب رو رو کے دعا مانگتی تھی کہ اس سے جو غلطی سرزد ہوئی ہے وہ معاف کر دے اور شازل کا دل اس کی محبت سے بھر دے جو کل تک اس سے چڑتی تھی شادی کے نام پر غصہ آتا تھا آج وہی اپنی اس شادی کو بچا رہی تھی کہ وہ ٹوٹ نہ جائے وہ شازل کے سچے جذبوں سے بھی واقف ہو گئی تھی کہ اس دن شاپنگ کرنے جا رہی تھی تو کیسے گاڑی میں بیٹھ کر اپنی محبت و پسندیدگی عیاں کر گیا تھا کتنی ندامت ہوئی تھی خود پر غصہ بھی آیا تھا۔

جمعہ کے دن افطار پر ابو نے سب کو ہی بلایا تھا عنائزہ کچن میں مصروف تھی تینوں بہنیں بھی آئی ہوئی تھیں گھر میں ایک رونق سی لگ گئی تھی۔

"بھابھی صاحبہ کیا کیا بنا لیا ہے۔" سمیل کچن میں چلا آیا عنائزہ اچھل ہی گئی ذہن تو اس کا کہیں اور ہی تھا۔

"اوہ آپ تو ڈر گئیں۔" وہ مسکرایا۔

"تم اور تمہارے بھائی دونوں سے مجھے ڈر ہی لگنے لگا ہے۔" وہ سارے برتن سیٹ کر کے کاؤنٹر پر رکھ رہی تھی۔

"میرے بھائی تو اتنے سیدھے ہیں کہ کیا بتاؤں۔"

"سمیل ایسا کرو بتا ہی دو۔" فائزہ آپی نے سنا تو وہ بھی مسکرا کے بولیں۔

"اگر میں نہ بھی بتاؤں تو ان کی سادگی اور شرافت تو خود بولتی ہے اب یہی دیکھئے کب سے بھائی جان ڈرائنگ روم میں انکل سے باتیں کر رہے ہیں مگر چاہنے کے باوجود بھی ایک بار باہر نکل کے نہیں آئے کہ عنائزہ بھابھی کو ایک نظر دیکھ ہی لیں۔"

"بس کرو یہ شرافت نامہ۔" عنائزہ نے گھورا۔

"آزمائش شرط ہے مگر اس کے لئے آپ کو آزمانا پڑے گا۔"

"میں نے توبہ کی انہیں آزمانے کی چلو تم باہر اذان میں کچھ ہی ٹائم ہے۔" عنائزہ کو وقت گزرنے کا احساس ہوا تو سمیل کو کچن سے باہر نکالا، جلدی جلدی دستر خوان برآمدے میں ہی لگایا خاصا اہتمام کیا تھا افطار پر شازل سر جھکائے اسکائی بیلو کاٹن کے کلف زدہ قمیض شلوار میں چارمنگ لگ رہ تھا سب ساتھ ہی افطار کے لئے بیٹھے تھے عنائزہ کو شازل کی امی نے اپنے ساتھ بٹھایا تھا شازل بھولے سے بھی اس پر نگاہ نہیں ڈال رہا تھا افطار کے بعد نماز وغیرہ پڑھی تھی رات کا کھانا لگنے تک عنائزہ پھر شازل کے سامنے نہیں آئی تھی، اندر ہی اندر وہ شازل کی خاموشی پر پریشان تھی۔

رمضان لگتا تھا اس بار بڑی تیزی سے گزرا تھا کب عید آئی اور اسے پتہ تک نہ چلا پھر اس کی رخصتی کی تیاریاں ہونے لگی تھیں، تینوں بہنیں آئی رہتی تھیں ایسے بھی کہتی تھیں لیکن یہ عید تو اسے اور اداس کر گی تھی کیونکہ عید پر بھی وہ صرف لگتا تھا مارے باندھے آیا ہے۔

☆☆☆

ادھر عنائزہ نے ضد باندھ لی کہ اسے جہیز دینے میں کوئی کمی نہ کی جائے کیونکہ شازل نے منع کروا دیا تھا کہ کچھ نہیں چاہیے پھر وہ بعد میں ایسے طعنے نہیں سننا چاہتی تھی کہ میکے سے اسے کچھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ملا ہے تینوں بہنیں سمجھا سمجھا کے تنگ آ چکی تھیں۔

"تمہیں شادی پر ابو نے دینے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی اس پر بھی تمہاری ساس نے کتنی باتیں بنائی تھیں بھول رہی ہو تم۔" وہ تو ملیحہ سے الجھ ہی پڑی۔

"میری ساس میں اور تمہاری ساس میں بہت فرق ہے ان کی ایسی سوچیں نہیں ہیں وہ تو چاہتیں ہیں کہ تم جلدی ان کے گھر آؤ اور گھر کو سنبھالو جو تمہارا ہے۔"

"میں نے ابو سے کہہ دیا ہے کہ ہر چیز ہونی چاہیے بعد میں تمہیں نہیں پتہ یہ شازل صاحب کب بدل جائیں اور مجھے سناتے رہیں۔" اپنی وارڈ روب کی وہ صفائی کر رہی تھی۔

"شازل بھائی کو تم کب سمجھو گی کہ وہ کس نیچر کے ہیں کیونکہ میں یا کوئی اور بھی تمہیں یقین دلائے گا کہ وہ ایسے نہیں ہیں ویسے تم اس کی مانو گی تھوڑی۔" بیڈ پر اس کے پڑے کپڑوں کی تہہ بنانے لگی۔

ادھر شازل کی امی نے عنائزہ کی بری میں کوئی کمی نہیں رکھی تھی اسعد اور اس کی بیوی مریم آ جاتے تھے دو ماہ کی ان کی بیٹی تھی پھر مریم شازل کی شادی کی تیاریوں میں وقت نکال کے آ ہی جاتی تھی۔

☆☆☆

"بقر عید کا بھی چاند نظر آیا ابھی چھ دن ہو گئے ہیں آج سے ایک ہفتے بعد تمہاری شادی ہے۔" امی حساب کتاب لگا کے بیٹھی ہوئی تھیں ان کی شدید خواہش تھی کہ بقرہ عید پر ان کی بہو ان کے ساتھ ہو۔

"ولیمہ میں نے عید کے دو دن بعد کا رکھا ہے کیونکہ قربانی وغیرہ کی وجہ سے کافی تھکن ہو جائے گی مہمانوں کا بھی آنا جانا ہو گا۔" شازل نے پروگرام بتایا۔

"آج تم اسعد اور مریم کو بلا لو تاکہ ساری بری کی پیکنگ مریم دیکھ لے گی تو پرسوں تو عنائزہ مایوں بیٹھے گی تو بری بھی ساتھ چلی جائے گی کوئی کمی بیشی ہو گی تو مریم بتا تو دے گی۔" وہ خاصی تھکی تھکی لگ رہی تھی۔

"میں فون کر دونگا یہ باسل اور سمیل کدھر ہیں۔" رات کے اس پہر جبکہ دس بج رہے ہیں خاموشی شازل کو اچنبھے میں مبتلا کر گئی۔

"سمیل تو اوپر ہے پڑھ رہا ہے سمسٹر ہونے والے ہیں نا اور باسل کسی دوست کی طرف گیا ہے۔"

"امی باسل کو کہہ دیا کریں کہ بارہ بجے سے پہلے گھر آ جایا کرے۔" وہ انہیں یاد دلانے لگا اسے خود بھی رات کو دیر تک باہر رہنا کبھی پسند نہ تھا پھر اٹھ کر وہ اپنے کمرے میں وہ آ گیا تھا بڑا سا کشادہ جدید انداز میں ڈیکوریٹ کیا ہوا تھا درمیان میں جہازی سائز بیڈ دروازے کھڑکیوں پر دبیز مہرون اور فان کلر کے کنٹراسٹ پردے وال ٹو وال کارپٹ جدید ڈریسنگ ٹیبل جو کہ بیڈ کی رائٹ سائیڈ پر تھی ایک کونے میں صوفے وغیرہ سیٹ کیے ہوئے تھے سارا کچھ اس نے عنائزہ کی پسند سے ہی لیا تھا، وہ آنکھیں بند کر کے اس کی موجودگی کو محسوس کرنے لگا۔

شادی میں دو دن رہ گئے تھے وہ مایوں کے زرد گوٹا کناری کے سوٹ میں خود بھی روتی ہوئی سرسوں لگ رہی تھی ماں، باپ کا آنگن چھوٹنے کی اور پھر شازل کو فیس کرنے کی بھی ٹینشن بھی تھیں ہر وقت لبوں پر یہی دعا رہتی تھی کہ شازل اسے معاف کر دے اس نے انجانے میں جو اس کے ساتھ حرکت کی ہے، اس نے یہ سوچ بھی لیا تھا کہ اپنے نئے رشتے کی بنیاد جھوٹ سے نہیں رکھے گی بلکہ شازل کو ساری حقیقت بتا دے گی

چاہے وہ اسے کتنا برا بھلا کہے، شازل کے گھر سے اس کی مہندی اور بری آ چکی تھی گھر میں ایک رونق سی لگی ہوئی تھی اپنے کمرے میں وہ گم صم سی بیٹھی باہر سے آتی آوازوں کو بھی سن رہی تھی۔

"مایوں کے کپڑوں میں آپ تو بہت پیاری لگ رہی ہیں شادی والے دن تو شازل بھائی حواس ہی کھو دیں گے۔" مریم نے شرارت میں کہا عنائزہ نے جھینپ کر سر اور نیچے جھکا لیا۔

"ہماری بھابھی اتنی ڈراؤنی تو نہیں ہونگی شادی والے ان کے بھائی جان حواس کھو دیں۔" سمیل وائٹ کرتا شلوار میں ملبوس ہاتھ میں کیمرہ لئے اندر ہی آ گیا۔

"بھابھی جی چہرہ تو دیکھایئے۔" وہ شوخ و شرارتی لہجہ میں بولتا اس کے سامنے آ گیا۔

"سمیل یہ تو اچھی بات نہیں ہے تم اندر کیسے آئے۔" فائزہ نے اسے خفگی سے ہی کہا مگر وہ بیڈ پر بالکل عنائزہ کے سامنے بیٹھا تھا۔

"میں دروازے سے اندر آیا ہوں اور تصویریں کھینچ کے ہی جاؤں گا۔" وہ اڑیل وضدی تو پہلے ہی تھا ایک بات کے پیچھے پڑ جائے کر کے چھوڑتا۔

"ہاں سمیل تم کھینچو میں خود تمہیں بلانے والی تھی۔" مریم نے اس کی پشت پر تھپکی دی۔

"تمہیں تو بعد میں بتاؤنگی۔" سرگوشی میں اس نے سمیل سے کہا۔

بچوں کی شور و پکار میں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کون کیا بول رہا ہے عنائزہ کو شازل کی امی نے خوب دعائیں دی تھیں اور ڈھیروں پیار کیا رات کو جب سب فارغ ہو کہ سونے کے لئے لیٹے تو وہ ملیحہ سے بولی۔

"ملیحہ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" ملیحہ کو اس کی صورت پر ترس بھی آ رہا تھا کہ حقیقت بتا دے کہ شازل کو پہلے ہی خبر ہے شازل نے تو سختی سے منع کیا تھا کہ ذرا بھی اشارہ نہیں دینا۔

"کس بات سے؟" وہ مسکرائی۔

"تمہیں نہیں پتا؟" وہ باقاعدہ رونے والی ہو گئی۔

"آپی اسے آپ ہی سمجھایئے۔" ملیحہ اکتا کر اندر آتی فائزہ سے کہا جو کچن سمیٹ کے اندر آئی تھی۔

"پہلے سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کچھ نہیں ہو گا شازل سمجھ دار ہے، خدارا اب وہاں جا کے کوئی بے وقوفی نہیں کرنا۔" ملیحہ اسے مدبرانہ انداز میں سمجھایا وہ سر جھکائے سنتی رہی تھی۔

"اور پھر جہاں اتنے پیار کرنے والے اور محبت کرنے والے لوگ ہوں تو کوئی فکر کی بات اور پریشانی کی بات ہی نہیں ہے تم اپنا رویہ اچھا رکھنا شازل کا دل جیتنے کی کوشش کرنا، تم نے سمجھ داری سے حوصلہ و ہمت سے کام لیا تو ایک کامیاب زندگی گزارو گی۔"

"پھر بھی ملیحہ میں نے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔" ندامت رہ رہ کے ہو رہی تھی شازل کے سچے جذبوں کی ناقدری کر رہی تھی۔

"تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو چلو یہ تو اچھی بات ہے تم اب فکر نہ کرو اور اپنے آپ کو فریش رکھو۔" اسے گلے سے لگا لیا ملیحہ جانتی تھی وہ بچپن سے ہی حساس تھی ہر بات کو گہرائی سے محسوس کرتی تھی۔

☆☆☆

بقر عید آ رہی تھی تو بازاروں میں بھی رونق بڑھ گئی تھی شازل نے بھی قربانی کے لئے گائے اور دو بکرے لئے تھے انہیں پورچ میں باندھا گیا تھا باسل اور سمیل کی ذمہ داری تھی کہ انہیں چارہ وغیرہ وقت پر دیں۔

"کیا ہے بھائی جان اپنی شادی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرے دن لے آتے ان کو بھی۔" سمیل خاصا بھنایا ہوا تھا کیونکہ مسلسل صفائی بھی اسے ہی کرنی پڑ رہی تھی۔

"شادی کے تیسرے دن بقر عید ہے اور دوسرے دن تم لوگوں کو ہوش ہوگا کوئی۔" امی نے ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگانا شروع کر دیا تھا، مریم کو انہوں نے پہلے سے ہی رہنے بلا لیا تھا تاکہ کچھ ان کی مدد بھی کر سکے۔

"یار شازل تم نے اپنی شادی عید کے قریب غلط رکھی ہے۔" اسعد نے مسکراتے ہوئے کہا وہ چیئر کھسکا کے بیٹھ رہا تھا گرے کمیض شلوار میں ہلکی بڑھی ہوئی شیو اسے اور سوبر اور ڈیشنٹ بنا رہی تھی۔

"اچھی بات ہے دو قربانیاں ہو رہی ہیں ناں ایک میری دوسری جانوروں کی۔" اس نے شوخی سے کہا امی نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔

"خیر کا کلمہ نکالا کرو ساتھ خیریت کے تمہاری شادی ہو۔"

"دیکھو بارات زیادہ لیٹ نہیں کرنی، وقت پر پہنچنا ہے تمہیں تاکہ جلدی فارغ ہو جائیں۔" امی نے سب کو ہی یاد دلایا۔

"ہم تو جلدی تیار ہو جائیں گے بھائی جان کی تیاریاں کچھ خاص قسم کی ہوں گی ان سے ہی کہیے۔" باسل کو شرارت سوجھی تھی سب ہی مسکرا دیئے۔

مہمانوں کو بھی جلد آنے کی تاکید کی تھی مغرب ہوتے ہی امی نے تو شور مچا دیا تھا کہ شازل ہال کمرے میں آ جائے، مہمانوں کے بیٹھنے کا انتظام باہر لان میں تھا، شازل آف وائٹ شیروانی میں شہزادہ ہی لگ رہا تھا باسل اور سمیل نے لپک کے اسے گلے لگایا تھا امی نے جھٹ نظر اتاری تھی، بارات دس بجے تک میرج گارڈن روانہ ہو گئی تھی بارات کا استقبال اختر علی نے پرتپاک انداز میں کیا تھا۔

عنائزہ ڈیپ ریڈ کلر کے لہنگے میں طلائی جیولری اور میک اپ میں بڑی خوبصورت لگ رہی تھی شازل کی نگاہوں نے اس کے ملکوتی حسن کو ایک نظر دیکھا، اس کی آج چھب ہی نرالی تھی اس کے وجود سے گجرے اور پرفیوم کی بھینی بھینی مسحور کن مہک شازل پر عجیب سرور طاری کر رہی تھی پورا وقت وہ اسی کے حصار میں رہا مووی تصویر ڈنر سب سے فارغ ہونے کے بعد رخصتی کا شور ہوا تھا۔

عنائزہ کو لگ رہا تھا کہ وہ آج مکمل طور پر کسی اور کی ہو گئی ہے دل کی دھڑکنوں کا شور کانوں میں گونج رہا تھا، ماں باپ اور بہنوں کی دعاؤں کے سائے تلے وہ رخصت ہو کر شازل کے گھر آ گئی، اسے ہال کمرے میں بڑے صوفے پر بیٹھا دیا تھا ایک نگاہ ترچھی کر کے گھر ضرور دیکھا جو اتنا خوبصورت تھا کہ عنائزہ کو خود پر رشک ہی آیا کہ وہ اس گھر کی فرد ہے اب۔

"یار سمیل! گائے اور بکرے شور کر رہے ہیں انہیں چارہ وغیرہ دیا۔" اسعد کو کب سے ان کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"وہ بھابھی کے گھر آنے کی خوشی میں شور کر رہے ہیں۔" باسل نے قہقہہ لگایا امی بھی ہنسنے لگیں جبکہ شازل مہمانوں کو رخصت کر کے گلاس ڈور کھول کے اندر آ چکا تھا عنائزہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"باسل جانوروں کو پانی پلاؤ اور چارہ وغیرہ ڈالو کچھ بھی نہیں ہے۔" شازل نے فوراً یاد دلایا۔

"سامنے ان کی دلہن بیٹھی ہے انہیں گائے بکروں کی فکر ہے۔" باسل نے بے ساختگی سے کہا شازل جھینپ گیا اور باسل کے سر پر چپت لگائی، اسعد نے ٹائم دیکھا دو بج گئے تھے۔

مریم عنائزہ کو لے کر کمرے میں جا رہی تھی باسل اور سمیل پورچ چلے گئے تھے امی کو عشاء کی نماز اور شکرانے کے نوافل بھی ادا کرنے تھے، سو وہ بھی شازل کو کمرے میں جانے کا کہتی اٹھ گئیں اور اسعد کو بھی تائید کی وہ لوگ بھی اپنے اپنے کمروں میں جا کر آرام کریں۔

☆☆☆

وہ کمرے کا جائزہ لے رہی تھی درمیان میں بیڈ تھا اس پر اصلی پھولوں سے سجی سیج، ڈریسنگ ٹیبل میں اس کا عکس نمایاں ہو رہا تھا دروازے کے رائٹ سائیڈ پر واش روم تھا بیڈ کی لیفٹ پر بڑی بڑی گلاس ونڈو جس پر دبیز پردے پڑے تھے کمرے میں۔

نومبر کا پہلا ہفتہ تھا موسم کافی اچھا ہو گیا تھا، اسی وقت شازل ایزی سے کمیض شلوار میں ملبوس بھاری قدموں سے اندر آیا عنائزہ نے جھٹ نگاہ جھکا لی مگر دل کی دھک دھک اودھم مچا رہی تھی۔

"السلام وعلیکم!" شوخ سا انداز تھا۔

عنائزہ نے سر ہلا کے جواب دیا مگر نگاہ اٹھانے کی تاب ہی نہ تھی۔

"کہیے کمرے کی سیٹنگ پسند آئی یا نہیں۔" وہ بیڈ کے قریب ہی آ گیا۔

"سب کچھ ٹھیک ہے بلکہ بہت اچھا ہے۔" وہ سر جھکائے بس اتنا ہی بولی، شازل کی نگاہ تو اس کے حنائی مخروطی ہاتھوں پر ٹک گئی تھی پھر نگاہ نے کچھ اور سفر کیا تو چہرہ پر اس بلا کی معصومیت نظر آئی کہ وہ اس کے پہلو میں ہی نیم دراز ہو گیا عنائزہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

"آپ نے ابھی تک نگاہ تک تو اٹھائی نہیں ہے سب کچھ ٹھیک کہاں سے ہو گیا اور اچھا کہاں سے لگ رہا ہے۔" وہ مسکرایا۔

"مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔" ڈرتے ڈرتے وہ گویا ہوئی، شازل کی بات اس نے نظر انداز ہی کر دی تھی۔

"مجھے پتہ ہے کیا کہنا چاہتی ہو تم۔" فوراً ہی ٹریک بدلا۔

عنائزہ نے چونک کر دیکھا کہ وہ سنجیدہ ہے یا مذاق کر رہا تھا وہ اس کے بغور دیکھنے پر چہرے پر پھونک مار کے بولا۔

"اب اتنا بھی خوبصورت نہیں ہوں محترمہ گھورے جا رہی ہیں۔"

"جی وہ تو میں......" وہ شرم سے سرخ ہی پڑ گئی۔

"دیکھو عنائزہ میں سب کچھ جانتا ہوں تم سویرا بن کے کال کرتی تھیں۔"

"کیا؟" وہ تو حیرت زدہ رہ گئی۔

"آپ سب جانتے تھے پھر بھی کچھ نہیں کہا۔" وہ خود کو ندامت کی عمیق گہرائیوں میں گرتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوا محسوس کر رہی تھی شازل اسے وارفتگی اور پیار بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''اس لئے کچھ نہیں بولا کہ لڑکیوں کی عقل کا خانہ خالی ہوتا ہے انہیں لاکھ کوئی کچھ بھی سمجھائے وہ سنتی ہی نہیں ہیں وہ کرتی اپنے من کی ہی ہیں اس لئے سوچا کہ کچھ آپ ہمیں چیک کر رہی ہیں تو ہم بھی بے وقوف بن کے مزے لے لیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بول رہا تھا اور عنائزہ کی تو نگاہ ہی نہیں اٹھ رہی تھی۔

''آپ کو ذرا بھی مجھ پر غصہ نہیں آیا۔'' حیرت وانبساط میں ڈوب کے وہ گویا ہوئی۔

''بالکل بھی نہیں آیا بلکہ پیار آ رہا ہے اجازت ہو تو کرلوں۔'' لہجے میں شرارت سموئے اس کے قریب جھکا تو عنائزہ حواس باختہ سی ہو گئی۔

''وہ میرے نزدیک آتے آتے حیاء سے ایک دن سمٹ گئے۔'' شوخی سے گنگنایا تو کانوں کی لوؤں تک سے سرخ ہو گئی۔

''عنائزہ میں نے آج تک نہ کسی کو اس نظر سے دیکھا اور نہ ہی سوچا، تم وہ واحد لڑکی ہو جسے دیکھ کر میں سوچنے لگا کہ یہ لڑکی جو بناوٹ وتصنع سے پاک ہے جس کا اندر تک اجلا ہے جو نا صرف صاف گو ہے بلکہ عادات بھی اس کی بڑی پیاری ہیں تو کیوں نہ اسے اپنی زندگی کا ساتھی بنا لیا جائے جس نے شازل احمد کو اپنی سادگی اور معصومیت سے جیت لیا ہے۔'' وہ سنجیدہ ہو کر اس سے مخاطب ہوا۔

''تو پھر فون پر بے وقوف کیوں بناتے رہے اگر جان گئے تھے تو۔'' شکوہ پھسلا۔

''ملیحہ نے کہا تھا کہ آپ نے کچھ نہیں بتانا عنائزہ کو اپنی تسلی کر لینے دیں۔''

''کیا؟ ملیحہ ملی ہوئی تھی آپ سے؟'' سن کے غصہ ہی آیا مگر پھر اس نے شکر بھی کیا کہ اچھا ہوا جو اس نے بتا دیا ورنہ تو آج ٹینشن اور ہوتی۔

''جی وہ میری اور آپ کی ہمدرد تھی۔'' اس نے چوڑیوں سے بھری کلائیوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں جکڑا۔

''اب ساری باتیں اور شکایتیں ختم کرو اور جلدی سے محبت کا اقرار کرو۔''

''جی۔'' وہ تو اچھل ہی گئی حیرانگی سے آنکھیں پھیل گئیں۔

''جی جناب اب باری آپ کی ہے۔'' وہ ہنسا تو عنائزہ نے خفگی سے گھورا، جس پر شوخیاں سوار ہو رہی تھیں اور وہ اطمینان سے مسکرا دی۔

☆☆☆

اگلے دن عنائزہ کو تینوں بہنیں لینے آئی تھیں ولیمہ ان کا بقرہ عید کے تیسرے دن تھا اس لئے سب اطمینان سے بھی تھے رات کو شازل اسے واپس گھر لینے آیا پرپل کپڑوں میں وہ بجی سنوری سیدھی شازل کے دل کے تاروں کو ہلا گئی تھی دوسرے دن عید تھی، عنائزہ کو سب کچھ نیا اور کتنا اچھا لگ رہا تھا اگلی صبح اٹھتے ہی اس نے کچن سنبھال لیا تھا امی نے منع بھی کیا تھا۔

''آنٹی اب یہ سب میری ذمہ داری ہے۔'' اس نے امی کو شانوں سے پکڑا اور باہر ہال کمرے میں لا کر بیٹھا دیا تھا شوکنگ پنک کپڑوں میں وہ خاصی دلکش لگ رہی تھی، امی کی بلائیں لیتے نگاہ نہیں تھک رہی تھی۔

''کل ہی تم رخصت ہو کر آئی ہو ولیمہ بھی نہیں ہوا ہے۔'' وہ شرمندہ ہونے لگی تھیں کہ عنائزہ کو کام کرنا پڑ رہا تھا۔

''کوئی بات نہیں ہوتا رہے گا آپ بس یہ کریں کہ دیکھیئے کہ قربانی ہو گئی ہے تو میں سالن

وغیرہ بنانے کی تیاری کرلوں۔'' وہ کیبنٹ کھول کر سارے مصالحوں کے ڈبے باہر نکال کر کاؤنٹر پر رکھنے لگی تھی جب اسے سب سنبھالنا ہے تو آج ہی سے ابتداء کیوں نہ کر دے۔

''آخاہ، آج تو ہماری بھابھی کے تصرف میں آگیا ہے کچن ضرور مزے دار سا کچھ کھانے کو ملے گا۔'' سمیل گوشت وغیرہ لے کر اندر آیا تھا۔

وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا پڑی اور اس کی فرمائشیں نوٹ کرنے لگی، تھوڑی دیر تک گھر سے امی ابو اور تینوں بہنیں اپنے اپنے شوہروں سمیت آگئے تھے ایک رونق ہی لگ گئی تھی پورا دن باسل اور سمیل نے گوشت بانٹنے میں گزارا تھا رات کو دس بجے جا کے سب کو کچھ فراغت ملی بارش ہو جانے کی وجہ سے موسم بھی سرد ہو گیا تھا لیکن عید کی وجہ سے ابھی کچھ باہر گہما گہمی ہی تھی۔

''میری بہو کا ابھی ولیمہ بھی نہیں ہوا ہے اسے کام کرنا پڑ گیا۔'' امی کو شرمندگی سی ہونے لگی مگر عنائزہ نے مسکرا کے ان کے شانوں پر ہاتھ رکھا۔

''کس کتاب میں لکھا ہے کہ ولیمہ سے پہلے دلہن کچن نہیں سنبھال سکتی ہے۔'' شازل نے اس کے پراعتماد اور چمکتے چہرے کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھا جو کتنی مطمئن ہو گئی تھی اس کی ہمراہی میں کہ اس نے یہاں کی ہر چیز کو ابھی سے سمجھنا شروع کر دیا تھا نئی دلہنوں کی طرح کوئی ناز نخرہ نہ دیکھایا تھا۔

''آپ کی شادی اور عید منفرد ہی رہے گی۔'' سمیل نے شوخی سے کہا۔

''کیونکہ ہماری بھابھی ہیں ہی منفرد سی۔'' باسل نے تائید کی۔

سب لوگ رات کے کھانے کے بعد چلے گئے تو عنائزہ نے کچن سمیٹا باسل اور سمیل سارا دن کے تھکے تھے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے، فارغ ہو کر وہ بھی اپنے کمرے میں چلی آئی، جس وقت کمرے میں آئی شازل منتظر نگاہوں سے بیڈ پر نیم دراز تھا، عنائزہ پرپل کپڑوں اور لائٹ سے میک اپ میں تھکی تھکی بھی نظر آ رہی تھی دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا تھا۔

''وہ آپ کے دوست اسعد نہیں آئے اور مریم بھابھی۔'' اسے یاد آیا تو پوچھا۔

''کمرے میں آتے ہی تم نے صرف یہی بات سوچی ہے۔'' اس نے خفگی سے پوچھا، کہ وہ تو کسی حسین جملے کا انتظار کر رہا تھا۔

''نہیں اور بھی سوچی تھی کہ آپ سونا گئے ہوں۔'' معصومیت سے بولی۔

''آج عید کا دن ہے اور گلے ملنے کا دن ہے۔'' اس پر پھر شوخی سوار ہونے لگی، عنائزہ تو بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئی۔

''پھر کیا ارادہ ہے۔'' شازل نے شرارت کی، وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگی، شازل نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھامے اور بولا۔

''عنائزہ! میری دعا ہے کہ ہم دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ خوش رہیں اور میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں۔'' وہ ایک جذب سے بولا۔

''میں آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دونگی۔'' وہ جواباً بولی۔

''دینا بھی نہیں چاہیے۔'' وہ ہنسا اور عنائزہ کو اپنی محبت کے حصار میں جکڑ لیا کبھی نہ جدا کرنے کے لئے وہ کتنی سادہ اور معصوم تھی کہ اسے یہ خبر ہی نہ تھی کہ کوئی اس کی سادگی پر مر مٹا ہے وہ کوئی اور نہیں شازل احمد ہے، عنائزہ کو لگا کہ خوشیاں ہمیشہ کے لئے اس کے آنگن میں اتر آئیں ہیں۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

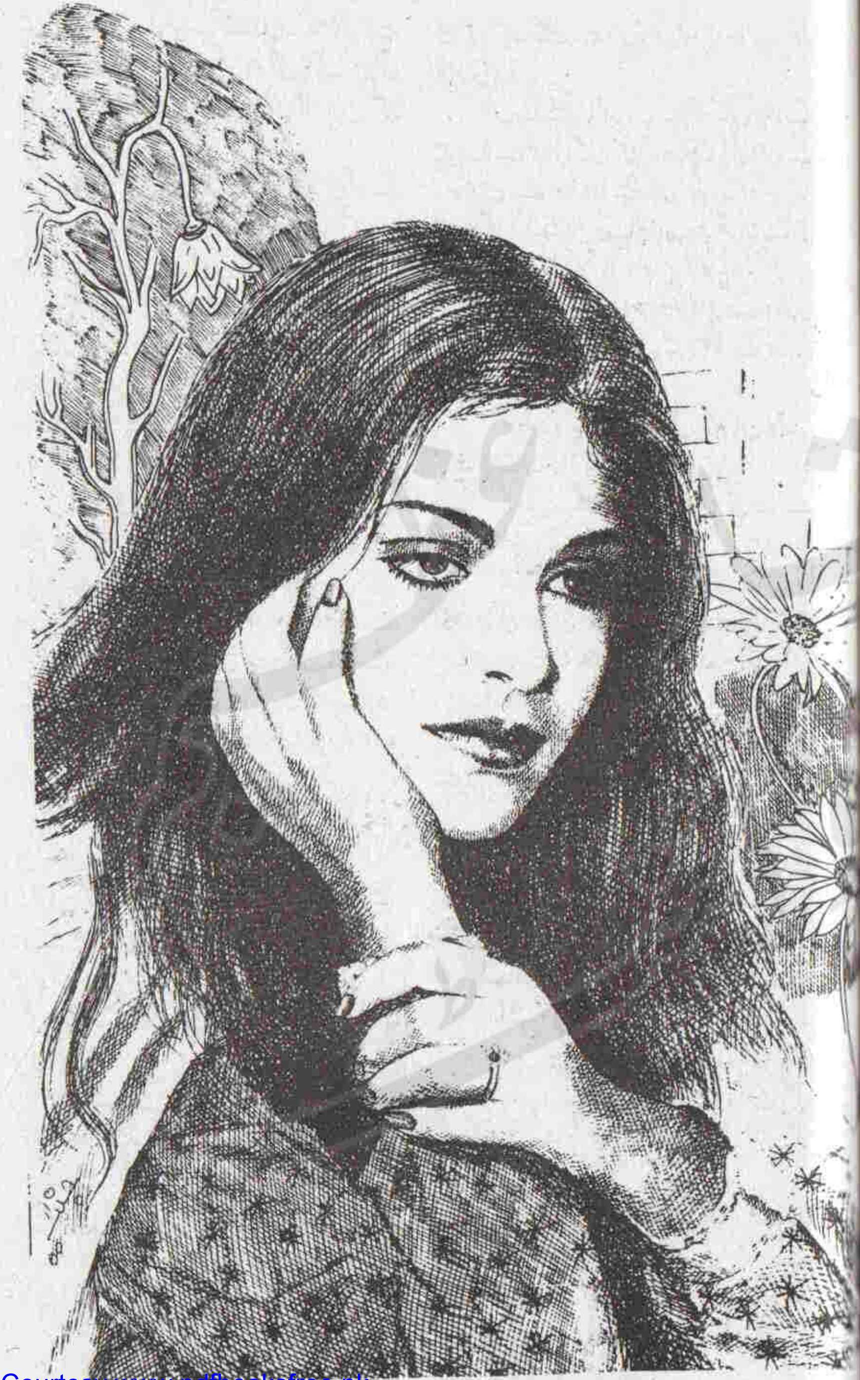

تیرے حصار میں عمر بھر رہوں

ساجدہ تاج

سیاہ کولتار سڑک پر ان کی گاڑی اپنی مخصوص رفتار سے رواں دواں تھی، اپنے غصے کو کنٹرول کرتا ونڈ سکرین پر نظریں جمائے بڑی سنجیدگی سے ڈرائیو کر رہا تھا، سفیدی مائل چہرہ غصے کی بدولت اس وقت گلابی مائل ہو رہا تھا، گہری سیاہ آنکھوں میں الجھنوں کی کئی تحریریں تھیں جو رقم تھیں۔

اس نے ایک اچٹتی نظر بے حس و حرکت بیٹھی منال پر ڈالی تھی، جو مکمل بے نیازی سے بیٹھی باہر کے نظاروں میں یوں گم تھی جیسے اس سے اہم کام کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا، اس کی اس بے نیازی نے فراز کو مزید تپا ڈالا تھا، مگر وہ اس سے اپنا غصہ بھی اس پر نہیں نکال سکتا تھا، اس کے مزاج سے اچھی طرح واقف جو تھا۔

ان کی شادی کی خوشی میں فراز کے بیسٹ فرینڈ حسن نے اس کے کپل کو ڈنر پر انوائیٹ کیا تھا اور جب یہ انویٹیشن اس نے منال کے سامنے رکھا تو اس نے ڈنر پر جانے سے صاف انکار کر دیا، مگر وہ بھی اپنے نام کا فراز احمد تھا زبردستی کسی نہ کسی طرح اسے تیار کر کے ریسٹورنٹ لے گیا تھا جہاں حسن اور اس کی مسز پہلے سے ان کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے، منال کی خاموشی کو فراز نے تو محسوس کیا تھا سو کیا تھا مگر حسن کی مسز سے بات کرتے ہوئے وہ جس طرح روڈ ہوئی تھی اس نے فراز کو شدید شرمندگی سے دوچار کر دیا تھا، تب ہی منال کی خرابی طبیعت کا بہانہ کرتا وہ جلد ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا اور گاڑی

مکمل ناول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بیٹھنے سے لے کر اب تک اس نے منال سے کوئی بات نہیں کی تھی، مگر وہ بھی ایک نمبر کی ڈھیٹ تھی فراز کے مزاج کی برہمی کا اس پر قطعی اثر نہ ہوا تھا۔

گاڑی گھر کے گیٹ کے آگے کھڑی کرتے ہی اس نے ہارن پر ہاتھ رکھ دیا تھا جس پر چوکیدار نے فوراً گیٹ کھول دیا تھا۔

''اتنی جلدی آ گئے ہو تم لوگ۔'' نصرت جو اب تک جاگ رہی تھیں اس لئے ان کو اتنی جلدی واپس آتا دیکھ کر بولیں اور وہ جو شدید غصے سے تپا ہوا تھا ماں کو سامنے دیکھ کر خود پر کنٹرول کرتا ہوا بولا۔

''جی امی! ایکچوئلی آفس میں بھی آج کافی کام تھا، اس لئے تھکاوٹ کی وجہ سے میں نے زیادہ دیر رکنا مناسب نہیں سمجھا۔'' وہ رسان سے بولا، جس بے نیازی کا مظاہرہ وہ تمام راستے کرتی آئی تھی اسی بے نیازی سے وہ ان ماں بیٹے کے قریب سے گزرتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی اور اس کی اس حرکت کو نظر انداز کرتا وہ پھر سے نصرت جہاں کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

''چلیں پھر اب ہم سب لوگ گھر آ گئے ہیں، اس لئے آپ بے فکر ہو کر سو جایئے۔'' فراز نے ان کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے چوم کر کہا اور پھر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا، ابھی اسے اس سنگدل کی بھی کلاس لینی تھی جو نجانے کیوں دن بدن اتنی خود سر ہوتی جا رہی تھی۔

وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا وہ باغی حسینہ شاور لینے کے بعد پنک کاٹن کا سادہ سا سوٹ پہنے واش روم سے باہر آئی تھی اور اسے دیکھتے ہی اس کے اندر پھر سے چنگاریاں سی بھرنے لگی تھیں، کوٹ صوفے پر اچھالتا اور ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا وہ اس کی جانب بڑھا تھا اور اگلے ہی پل ایک جھٹکے سے اس کا رخ اپنی جانب موڑا تھا اس نے۔

اس کے بھیگے بالوں کی بے شمار لٹیں فراز کے چہرے سے ٹکرائی تھیں جن سے ٹپکتا پانی اس کے گریبان سے ہوتا ہوا سینے میں جذب ہو گیا تھا، اس قاتل ادا کے دلفریب مکھڑے پر نظر پڑتے ہی اگرچہ کہ ایک پل کو فراز کو خود پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا مگر اگلے ہی پل وہ سر جھٹکتا اس کے دونوں کندھے اپنے مضبوط ہاتھوں میں جکڑتے ہوئے بولا۔

''تم خود کو کیا سمجھتی ہو منال بیگم ہاں بولو۔'' سخت جارحانہ انداز میں اس نے پوچھا۔

''چھوڑیں مجھے۔'' تکلیف کی شدت سے اس نے بلبلاتے ہوئے کہا۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں جواب دو مجھے، جانتی ہو آج مجھے تمہاری وجہ سے کتنا سبکی کا احساس ہوا ہے۔'' اس کے جارحانہ تیوروں میں کمی نہ ہوئی تھی۔

''تو پھر چھوڑ کیوں نہیں دیتے مجھے۔'' منال نے تلخی سے کہا۔

''نو...... نیور منال بیگم، تمہیں اگر چھوڑنا ہی ہوتا نا تو پھر اتنے جتن کر کے میں تمہیں حاصل ہی نہ کرتا اور اس بھول میں تم رہنا بھی مت کہ میں تمہیں زندگی کے کسی موڑ پر چھوڑ دوں گا۔'' انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتا وہ قطعی پن سے بولا۔

''آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے فراز احمد کہ اسے جتن نہیں کہتے بلکہ زور زبردستی کہتے ہیں جو کہ آپ نے مجھ سمیت میری ساری فیملی کے ساتھ کی ہے۔'' وہ بھی اپنے نام کی منال تھی جتائے بغیر نہ رہی۔

''مجھے اطلاع دینے سے پہلے اپنی معلومات میں بھی اضافہ فرما لو کہ جسے تم زبردستی کا نام دے رہی ہو وہ زبردستی نہیں بلکہ میری عقلمندی تھی۔'' فراز نے طنز سے کہا پھر کچھ توقف کے بعد بولا۔

''تم نے شاید سنا ہو گا کہ بپھرے دریا پر بند باندھنا عقلمندی ہوتی ہے ورنہ وہ بپھرا دریا اتنی تباہی و بربادی لے کر آتا ہے کہ اسے کئی نسلیں یاد رکھتی ہیں اور میں نے بھی اسے بپھرے دریا کے سامنے بند باندھنے کی عقلمندی کی تھی، کیونکہ میں اپنی آنے والی نسلوں کو اپنی تباہی و بربادی کی کوئی داستان سنانا نہیں چاہتا تھا۔''

''اور اب جو داستان آپ اپنے آنے والی نسلوں کو سنائیں گے وہ کیا آپ کی جرأت کی داستان ہو گی۔'' منال نے تمسخر سے کہا۔

''تو اور کیا۔'' فراز نے پرزور انداز میں کہا۔

''ہاں چاہے اس جرأت کے مظاہرے میں کسی کی زندگی ہی کیوں نہ داؤ پہ لگ گئی ہو۔'' منال کے لہجے میں تمسخر بدستور موجود تھا۔

''کس کی...... کس کی زندگی داؤ پر لگ گئی ہے۔'' وہ انجان بنتے ہوئے بولا، دونوں ہاتھ منال کے کندھوں پر اور نگاہیں بدستور اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''میری...... میری زندگی داؤ پہ لگائی ہے فراز احمد آپ نے۔'' منال نے احتجاجاً کسمسا کر کہا، لہجے میں ہلکا سا جارحانہ پن اتر آیا تھا۔

''اوہ آئی سی۔'' فراز نے اس کے کندھوں پر سے ہاتھ اٹھاتے ہوئے ہونٹ سکیڑتے ہوئے کہا۔

''منال بیگم میں نے جو قدم اٹھایا تھا کیا اس میں تمہاری مرضی شامل نہیں تھی۔'' بغور اس کا چہرہ جانچتے ہوئے اس نے سوال پوچھا تھا۔

''نہیں۔'' اس کی جانب سے رخ موڑتے ہوئے منال نے دبے دبے لہجے میں جواب دیا تھا اور اس کے اس انداز نے فراز احمد کے دل میں ڈھیروں اطمینان بھر دیا تھا، تب ہی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دوبارہ سے اس کا رخ اپنی جانب موڑا تھا۔

''ادھر میری آنکھوں میں دیکھ کر جواب دو۔'' ایک ہاتھ سے اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے اس نے کہا۔

منال جانتی تھی کہ وہ اس کی طرف دیکھ کر بات کرنا تو دور کی بات وہ اس کی طرف دیکھ کر بات سن بھی نہیں سکتی تھی مگر پھر بھی ہمت کرتے ہوئے اس نے اس کی جانب دیکھنا چاہا تھا، گہری پرشوق بولتی نظروں سے وہ بغور اس کا ہی جائزہ لے رہا تھا، تب ہی اس نے اپنی نظروں کا زاویہ فوراً بدل ڈالا۔

''چھوڑیں مجھے فراز احمد، آپ سے ان فضول باتوں میں کوئی بھی نہیں جیت سکتا، اس لئے مہربانی کریں اور لائٹ آف کر دیں مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔'' خود سے خائف ہوتی وہ جھنجھلا کر بولی تھی اور ساتھ ہی اس کے ہاتھ جھٹکتی صوفے پر جا کر نہ صرف لیٹ گئی تھی بلکہ چادر بھی تان لی۔

''ہاں جانتا ہوں دوسروں کی نیند اڑا کر محترمہ خود بہت سکون سے سونے کی عادی ہیں۔'' فراز نے جل کر طنز کیا اور پھر ڈریسنگ روم سے کپڑے چینج کر کے اپنے بیڈ پر آ کر لیٹ گیا، کچھ دیر تک کروٹیں بدلنے کے بعد بھی نیند نہ آئی تو بے چینی سے اٹھ بیٹھا، اس سنگدل محبوبہ کے نرم گرم وجود کی نرمیوں کو محسوس کرنے کے لئے دل بری طرح مچل رہا تھا، بے ایمانی پر دل اکسا رہا تھا اسے، مگر وہ اتنا کمزور نہ تھا اور نہ ہی نفس کے گھوڑے پر سواری اس کا شیوا تھا، اس لئے پانی کے دو گلاس پی کر تکیہ آنکھوں پر رکھ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

☆☆☆

رحمان احمد اور صفیہ بیگم کو خدائے بزرگ،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برتر نے دو بیٹوں سے نوازا تھا، بڑے بیٹے کا نام انہوں نے فیاض احمد اور چھوٹے بیٹے کا ریاض احمد رکھا تھا، اپنے دونوں بچوں کی تعلیم و تربیت میں انہوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، ان کی زندگی پرسکون جھیل کی مانند گزر رہی تھی ہاں مگر صفیہ بیگم کو ایک بیٹی کی شدید خواہش تھی مگر شاید خدا کو یہ منظور ہی نہ تھا، اس لئے نہ وہ دوبارہ ماں بنیں اور نہ ہی ان کی یہ خواہش پوری ہوئی، ان کی یہ خواہش دیکھ کر اکثر رحمان احمد انہیں سمجھاتے تھے کہ۔

''جب تم ان بیٹوں کی شادیاں کر کے بہوئیں گھر میں لے آؤ گی تو وہ ہی تمہاری حقیقی بیٹیاں ہوں گی۔'' یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنے بڑے بیٹے کی شادی بہت جلد کر دی تھی، فیاض احمد نے جیسے ہی تعلیم کو خیر باد کہہ کر اپنے بابا کے ساتھ کاروبار میں ہاتھ بٹانا شروع کیا صفیہ بیگم نے اپنے ملنے والوں میں اس کے رشتے کی بات چلا دی اور پھر جلد ہی لڑکی پسند کر کے اس کی شادی کر دی، نصرت جہاں گھر میں بہو بن کر کیا آئیں انہیں تو حقیقی معنوں میں بیٹی مل گئی، نصرت جہاں کے مزاج میں نرمی کے ساتھ ساتھ صبر و تحمل بھی تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ ساس کے دل پر راج کرنے لگیں، اوپر نیچے کے بچوں فراز احمد، عیاض احمد اور حنا نے ان کی زندگی مکمل کر دی تھی، اسی دوران صفیہ بیگم کے چھوٹے بیٹے ریاض احمد کی بھی شادی ہو گئی تھی، ریاض احمد نے اس سلسلے میں اپنی کلاس فیلو ثریا بیگم کا نام لیا تھا جس پر صفیہ بیگم چپ ہو گئیں اور پھر ثریا بیگم کے آنے کے بعد وہ صحیح معنوں میں ہی خاموش ہو گئی تھیں، ثریا بیگم مزاج کی تیز عورت تھیں، اپنی زندگی میں وہ کسی کی دخل اندازی پسند نہ کرتی تھیں انہیں خود اپنی ذات سے مطلب تھا، کسی دوسرے کے جذبات و احساسات کا ان کے نزدیک کوئی مول نہ تھا، ان کے گھر میں آتے ہی دونوں بھائیوں کے کاروبار الگ الگ ہو گئے تھے، گھر میں میری تیری ہونے لگی تھی، ریاض احمد کو اللہ نے صرف ایک بیٹی سے نوازا تھا جس کا نام انہوں نے منال رکھا تھا، منال کا زیادہ تر وقت چونکہ صفیہ بیگم کے پاس گزرتا تھا اس لئے اس کے مزاج اور عادات میں اس کی ماں ثریا بیگم کی چھاپ نہ تھی۔

وقت اپنی مخصوص رفتار سے گزرتا رہا، بچے بچپن سے جوانی کی طرف قدم بڑھانے لگے تھے اور ان کے جوانی کی طرف بڑھتے قدم دیکھ کر صفیہ بیگم دل ہی دل میں بہت کچھ سوچ جا رہی تھیں، اپنے اس خاندان کو جوڑے رکھنے کی ان کی دلی خواہش تھی اور وہ جانتی تھیں کہ اس سلسلے میں وہ جو کچھ سوچ رہی تھیں اپنی اس سوچ سے اگر وہ اپنی بڑی بہو کو آگاہ کرتیں تو انہیں اپنے ہمقدم پاتیں ہاں مگر چھوٹی بہو ان کے کسی بھی فیصلے کو تسلیم نہ کرتیں، دل ہی دل میں وہ فیصلہ کرتیں وقت کے انتظار میں خاموش ہو گئی تھیں۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب پہلے منال کا میٹرک کا رزلٹ آیا اور پھر فراز نے ایف اے میں کامیابی حاصل کی، دونوں بچوں نے چونکہ پوزیشن حاصل کی تھیں اس لئے دادی نے اپنے چہیتے پوتا پوتی کی کامیابی کی خوشی میں ایک چھوٹی سی پارٹی رکھی تھی اور پھر اس پارٹی میں ہی انہوں نے فراز اور منال کے نکاح کی بات اپنے دونوں بچوں کے سامنے رکھ دی، ان کی بات سن کر سوائے ثریا بیگم کے باقی تمام لوگ بے حد خوش ہوئے تھے، نہیں خوش ہوئی تھی تو صرف ثریا بیگم، کیونکہ وہ اپنی بیٹی کی شادی خاندان سے باہر کرنا چاہتی تھیں مگر اب جہاں سب خوش اور مطمئن تھے وہاں ان کی دل نہ لگنی تھی، اگرچہ کہ انہوں نے بہت زور لگایا کہ نکاح کی کیا ضرورت ہے جب وقت آئے گا سب کچھ کر لیں گے ابھی منگنی کی رسم

کر لیتے ہیں مگر صفیہ بیگم نے یہ کہہ کر ان کو چپ کروا دیا کہ نجانے میری اتنی زندگی ہے بھی یا نہیں میں انہیں اس بندھن میں بندھتا دیکھ لوں اور ان کی یہ بات سن کر سب ہی ان کی خوشی میں خوش ہو گئے تھے اور پھر واقعی ان کے نکاح کے کچھ عرصے بعد ہی وہ خالق حقیقی سے جا ملیں۔

☆☆☆

وقت اپنی مخصوص رفتار سے گزرتا رہا کہ اس کا نام گزرنا ہی ہے، یہ نہ کسی کے لئے کبھی ٹھہرا تھا اور نہ ٹھہرے گا، بچے اپنے تعلیمی مراحل یکسوئی سے طے کرتے رہے، ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں فیاض احمد کی ڈیتھ ہو گئی اور گھر کی ساری ذمہ داری فراز کے کندھوں پر آ پڑی، کچھ کاروباری دنیا سے ناواقف ہونے کی بناء پر اور کچھ مینجر کے گھپلوں کی بدولت سارا کاروبار ختم ہوتے ہوئے بالکل ہی ختم ہو گیا اور ان کے معاشی حالات تھوڑے سے ڈاؤن کیا ہوئے ثریا بیگم دل میں چھپی بات کرنے لگیں، چونکہ ان کی شروع سے ہی فراز اور منال کے نکاح میں مرضی شامل نہ تھی اس لئے بھی وہ اب آنے بہانے یہ رشتہ ختم کرنے کے لئے پر تول رہی تھیں۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو ثریا تم، مرنے والی ہماری ساس کی یہ آخری خواہش تھی اور تم ان کی اس آخری خواہش کا تو احترام کر لو، کیا کمی ہے فراز میں جو تم یہ رشتہ ختم کرنے کے درپے ہو۔'' نصرت جہاں نے دھیمے مگر سلجھے ہوئے لہجے میں کہا، دیورانی کی بات سے اگرچہ کہ انہیں بے حد دکھ ہوا تھا پھر بھی خود کو سمجھالتے ہوئے بولیں۔

''یہ بھی آپ نے خوب کہی بھابھی اور رہ گئی فراز میں کمی کی بات تو چلیں آپ اس میں کوئی خوبی ہی بتا دیں۔'' طنز کے تیر برساتیں ثریا بیگم بولیں۔

''ایسا تو نہ کہو ثریا، میرا بیٹا ماشا اللہ پڑھا لکھا برسر روزگار ہے اور......'' نصرت جہاں نے وضاحت کرنا چاہی مگر ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ثریا بیگم نے اچک لی۔

''روزگار کی بھی بھابھی آپ نے خوب کہی، پرائی ملازمت کرتا ہے، جس میں مالک جب چاہیں فارغ کر دیں، پھر ایسی ملازمت کا بھروسہ بھی کیا، پھر اس کی ملازمت کو شروع ہوئے بھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں، ترقی کے چانسز ابھی بہت دور پڑے ہیں۔''

''ایسا نہ کہو ثریا، وہ مالک کائنات جب عطا کرنے پر آتا ہے تو دیر نہیں کرتا، جہاں اس رب نے اس ملازمت کا وسیلہ بنایا ہے وہاں وہ اس کی ترقی کی راہیں بھی نکال دے گا، بس نیت صاف اور عزم پختہ ہونا چاہیے۔'' نصرت جہاں نے پختہ یقین اور بڑے اعتقاد سے کہا۔

''پھر بھی بھابھی ہے تو ملازمت ہی نا، میرے بھتیجے کو دیکھو، ماشا اللہ اپنا کاروبار ہے، کروڑ پتی ہے کروڑ پتی، یہ نوکر چاکر، یہ عیش ہیں۔'' ان کے دل کی باتیں زبان تک آتے آتے بالآخر وہ بات بھی زبان پر آ ہی گئی کہ جس کی بدولت وہ اپنی بیٹی کا رشتہ یہاں سے ختم کرنا چاہتی ہیں۔

''ثریا تم کہنا کیا چاہتی ہو، ایسی باتیں کرتے ہوئے تمہارے دل کو ذرا افسوس نہیں ہوتا کہ خدانخواستہ اگر تمہاری بیٹی کو اس طرح کا کوئی داغ لگ گیا تو۔'' اس طرح کی بات کرتے ہوئے نصرت جہاں کے دل کو ہول ہوا تھا مگر ثریا بیگم وہ نجانے کیسی ماں تھی جن کو ایسی بات سوچتے اور کرتے ہوئے ذرا افسوس نہ ہو رہا تھا۔

''داغ کی اس میں کیا بات ہے بھابھی، سب جانتے ہیں کہ بچے ابھی نابالغ تھے جب ان کی دادی نے ان کی زندگیوں کے فیصلے کر دیئے اب اگر بچے سمجھدار ہو رہے ہیں تو جو انہیں اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زندگی کے لئے بہتر لگ رہا ہے وہ وہی کریں گے نا۔'' ثریا بیگم نے ناگواری سے کہا۔

''پہلی بات تو یہ ثریا کہ دونوں بچے اس وقت نابالغ نہیں تھے، ان کی زندگیوں کا فیصلہ اماں نے ان سے پوچھ کر ہی کیا تھا اور دوسری بات یہ کہ ''چلو میں تمہاری یہ بات مان بھی لوں کہ بچے اس وقت نابالغ تھے مگر اب، اب تو بچے چھوٹے نہیں ہیں نا، تو اب ہی ان سے ان کی مرضی پوچھ لو، مجھے یقین ہے کہ دونوں بچے اس رشتے سے خوش ہیں مگر تم نجانے کیوں خوامخواہ ہی۔'' نصرت جہاں اپنی دیورانی کی ہر بات کا جواب بڑے سبھاؤ سے دے رہی تھیں، وہ یہ رشتہ کسی طور ختم نہ کرنا چاہتی تھیں۔

''خوامخواہ نہیں بھابھی، منال میری اکلوتی اولاد ہے اور میں ماں ہونے کے ناطے مجھے پورا حق ہے کہ میں اپنی بیٹی کے مستقبل کا فیصلہ خود کروں، اس لئے اپنی بیٹی کے لئے جو مجھے بہتر لگے گا وہ میں کروں گی اور اس کے لئے مجھے جہاں تک جانا پڑے گا میں جاؤں گی۔'' ثریا بیگم غصے و تنفر سے بولیں، نصرت جہاں کو ایک نئی پریشانی ایک نئی سوچ دے کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

کچھ وقت اور آگے کو سرکا تو فراز کو اس کی کمپنی نے اس کی بہتر کارکردگی کی بدولت جی ایم کی پوسٹ دے دی، لگن سچی ہو تو کامیابی خود بخود قدم چومتی ہے، یہی وجہ تھی کہ بہت کم عرصے میں اس نے یہ پوسٹ حاصل کر لی تھی۔

ہاں مگر کبھی کبھی ثریا بیگم کا مطالبہ اس کا دماغ کھولا دیتا تھا، وہ جانتا تھا کہ اس سلسلے میں اس کے چچا بالکل بے بس ہیں، کیونکہ گھر کے اندر اور باہر صرف اور صرف ان کی چچی ثریا بیگم کی ہی چلتی تھی، اس لئے اس کا اپنے چچا سے بھی بات کرنا بے کار تھا، منال کو وہ کسی صورت نہیں چھوڑ سکتا تھا، اس کے دل کی دھڑکن کا نام منال تھا اسے دل کی یہی کیفیت اس کی آنکھوں سے چھلکتی تھی اور اس کی آنکھوں سے چھلکتی یہ کیفیت صفیہ بیگم سے پوشیدہ نہ تھی، اسی لئے تو انہوں نے اپنے عزیز از جان پوتے کی خواہش کی تکمیل کا پورا بندوبست کر دیا تھا مگر اب...... ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد پیدا ہونے والے مسائل سے وہ کبھی کبھی بہت پریشان ہو اٹھتا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ثریا بیگم اب ڈھکے چھپے لفظوں میں دھمکیاں دے رہی تھیں، کوٹ میں جا کر خلع لینے سے متعلق اور جب یہ معاملہ دھیرے دھیرے بڑھنے لگا تب اس نے اس سلسلے میں منال سے بات کرنے کی ٹھان لی، وہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا منال بھی وہی سب کچھ چاہتی ہے جو اس کی والدہ چاہتی ہیں یا منال اس سب سے یکسر لاعلم ہے۔

ثریا بیگم کی بے جا پابندیوں کی وجہ سے ہی وہ نہ ان لوگوں سے ملتی تھی اور نہ ہی فون پر کسی قسم کی بات چیت ہوتی تھی اور یہی نقطہ فراز کو پریشان کر رہا تھا، وہ منال کی رائے لئے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا، اسی لئے اس نے منال سے ملنے کا وہ وقت طے کیا کہ جس وقت اس کی چچی ثریا بیگم گھر میں موجود نہ ہوتیں اور اتفاق سے ایسا وقت جلد ہی مل گیا۔

دروازہ منال نے ہی کھولا تھا، اپنے سامنے فراز کو دیکھ کر وہ ایکدم سے گھبرا گئی تھی، سرخ و سفید چہرے پر حیا کا گلابی پن اس کے حسن کو چار چاند لگا رہا تھا، سنگدل محبوبہ پتہ نہیں اس کے دل کی کیفیت سے آگاہ بھی تھی یا نہیں کیونکہ زبان سے اپنی محبت کا اظہار فرز احمد نے آج تک اس سے نہ کیا تھا مگر آج شاید وہ اسی نیت سے آیا تھا۔

''آپ...... وہ ماما...... ماما گھر پر نہیں ہیں۔'' دوپٹے کا کونہ ہاتھوں میں مسلتی وہ بہ مشکل تمام بولی تھی، فراز کی بولتی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔

''میں جانتا ہوں وہ ابھی کچھ ہی دیر قبل شاپنگ کرنے گئی ہیں اور چچا جان یقیناً اس وقت آرام فرما رہے ہوں گے۔'' فراز نے سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

فریش بلو کلر کے تھری پیس کاٹن کے سوٹ میں اس کی چاندی جیسی رنگت دمک رہی تھی سرخ و سبز چوڑیوں سے بھری کلائیاں اس کے حسن کو اور بھی دوآتشہ بنا رہی تھیں۔

''آپ کو کیسے پتا کہ ماما......'' اس کی اتنی معلومات پر وہ ایکدم سے چونکتے ہوئے بولی تھی اور ابھی سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا ہی تھا کہ وہ پہلے سے ہی اس کی جانب بغور دیکھ رہا تھا، دونوں کی نظروں کا تصادم ہوا تھا جس پر منال نے فوراً اپنی نظروں کا زاویہ بدل ڈالا تھا اور اس کی اس ادا نے فراز کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

''تم مجھ سے وابستہ ہو منال اور خود سے وابستہ تمام چیزوں کے لئے میں بڑا پوزیسو ہوتا ہوں جبکہ تم تو ایک جیتا جاگتا وجود ہو، میری زندگی کا حصہ ہو، پھر تم سے وابستہ چیزوں یا لوگوں سے میں واقف نہیں ہوں گا تو کون ہوگا۔'' ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے اس نے بہت کچھ جتایا تھا، پھر بولا۔

''اگر غلطی سے میں تمہارے دربار حسن میں حاضری دینے آ ہی گیا ہوں تو کیا مجھے یہیں کھڑے رہنے کی سزا دو گی تم۔''

''آ...... آیئے نا، پلیز بیٹھیں۔'' اس کے اتنا کہنے کی دیر تھی کہ وہ ایکدم سے ہوش میں آتے ہوئے بولی اور پھر اس کے بیٹھنے کے بعد بولی۔

''میں آپ کے لئے ٹھنڈا......''

''آں...... ہاں رہنے دو، مجھے اس وقت سوائے تمہارے کسی چیز کی طلب نہیں ہو رہی ہے۔'' فراز نے قدرے شوخی سے کہا۔

''جی۔'' وہ ہونق بنی اس کی کچھ سمجھ میں آنے والی اور کچھ نہ آنے والی گفتگو سن رہی تھی۔

''میرا مطلب ہے کہ فی الحال مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے، میں تم سے دو چار ضروری باتیں کرنے آیا ہوں، اس کے بعد میں یہاں سے چلا جاؤں گا، تم پھر بعد میں بے شک شرماتی اور گھبراتی رہنا۔'' فراز نے قدرے مذاق اڑانے والے انداز میں اسے چڑایا تھا۔

''جی...... مطلب کیا ہے آپ کا میں آپ کو......'' اس کی بات نے منال کو واقعی چڑا دیا تھا، تب ہی تو جارحانہ موڈ میں بولنا شروع ہوئی تھی مگر اس سے پہلے ہی فراز نے اسے ٹوک دیا۔

''منال!'' دھیمے مگر مضبوط انداز میں اس نے اسے پکارا تھا اور اس کی آواز و انداز میں نجانے ایسا کیا تھا کہ وہ بے اختیار سر جھکاتے ہوئے اس کے سامنے والے صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔

''یہاں میرے پاس آ کر بیٹھو اور میری بات سنو، کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

''آپ کو جو کچھ کہنا ہے جلدی کہیں......'' اس نے جز بز ہوتے ہوئے کہا مگر اپنی جگہ سے نہ اٹھی تھی۔

''اس کا مطلب ہے کہ مجھے ہی تم تک آنا پڑے گا۔'' فراز کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے قریب صوفے پر جا کر بیٹھ گیا، کچھ پل اسی طرح خاموشی سے گزر گئے تھے، وہ جانتا تھا کہ منال اندر ہی اندر خوفزدہ ہے، آج تک وہ دونوں ایک کمرے میں تنہا نہ بیٹھے تھے کجا کہ ایک صوفے پر اکٹھے بیٹھے تھے، اس نے ایک نظر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں رگڑتی منال کی جانب دیکھا تھا اور پھر اگلے ہی پل اس نے اپنے بھاری مضبوط ہاتھ میں اس کے دونوں ہاتھ لے لئے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"منال زندگی کی بہت سی سچائیوں اور حقیقتوں میں سے ایک سچائی اور حقیقت یہ ہے کہ ہم دونوں میاں بیوی ہیں اور اس حقیقت سے نہ تم انکار کر سکتی ہو اور نہ میں۔" بات کرتے کرتے وہ ایک پل کو رکا تھا اور اس کے چہرے پر نظر ڈالنے کے بعد دوبارہ شروع ہو گیا تھا۔

"یہ بات تم جانتی ہو کہ ہماری دادی اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل ہمیں مضبوط رشتے بلکہ اس مضبوط اور اٹوٹ ڈور سے باندھ گئی تھیں، ان حالات میں تمہاری مرضی کیا تھی میں نہیں جانتا تھا مگر میں ذہنی و دلی طور پر اس رشتے کے لئے آمادہ تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ دادی نے یہ رشتہ جوڑا ہی میری دلی خواہش پر تھا تو غلط نہ ہوگا کیونکہ میں تم سے محبت کرنے لگا تھا اور تمہاری چاہت مجھے تمہارے حصول کے لئے اکسائی تھی۔" اس کے ہاتھوں کو ہلکے سے دبا کر وہ خاموش ہو گیا اس کی شخصیت کے سحر میں کھوئی، فراز کے خاموش ہونے پر نہ صرف چونکی تھی بلکہ بے اختیار اس کی جانب دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھی دوسری طرف وہ منال کی جانب متوجہ تھا، دونوں کی نظریں بے اختیار ٹکرائی تھیں اور پھر نظروں ہی نظروں میں دونوں نے بہت کچھ کہہ دیا۔

"منال تمہاری ان جھیل سی آنکھوں کی تحریر تو میں نے پڑھ لی ہے مگر کچھ سوالوں کے جواب مجھے تمہاری زبان سے چاہئیں۔" کچھ لمحوں بعد وہ دوبارہ گویا ہوا۔

"کیا تم جانتی ہو کہ چچی جان میرے اور تمہارے اس رشتے کو ختم کرنا چاہتی ہیں۔" اس کے چہرے پر نظریں جمائے بہت کچھ سوچتے ہوئے اس نے کہا اور اس کی بات سنتے ہی منال جس طرح سے چونکی تھی، اس نے فراز پر بہت کچھ واضح کر دیا تھا۔

"نہیں ماما، ایسا نہیں کر سکتیں۔" دھیمی سی آواز میں منال نے بڑے یقین سے کہا۔

"تمہارا یقین غلط ہے منال کیونکہ اس رشتے کو ختم کرنے کے سلسلے میں ان کی دھمکیاں مجھ تک بخوبی پہنچ رہی ہیں، ان کے دل اور ذہن میں کیا چل رہا ہے یہ میں نہیں جانتا، ہاں میرے دل اور ذہن میں کیا چل رہا ہے، وہ سب کلیئر کرنے کے لئے ہی میں تمہارے پاس آیا ہوں، تا کہ اس کو سامنے رکھ کر ہی میں کوئی فیصلہ کر سکوں۔" فراز نے آخری بات بڑے سکون کے ساتھ دوٹوک انداز میں کہی تھی اور اس کے اس طرح سے بات کرنے پر منال بولنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی، ماما اکثر آپ لوگوں سے خفا ضرور رہتی ہیں یہ رشتہ ختم کرنے کے بارے میں انہوں نے مجھ سے کبھی بات نہیں کی ہے۔"

"تو گویا تم سمجھتی ہو کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔" فراز نے جرح کے سے انداز میں پوچھا۔

"نہیں لیکن ماما......" الجھن کی گہری تحریریں اس کی آنکھوں میں نمایاں نظر آئی تھیں فراز کو تب ہی سر جھٹکتے ہوئے بولا۔

"بہر حال مجھے تم سے جو بات جاننا تھی، وہ میں نے جان لی ہے اور مجھے یہ بات جان کر بے حد خوشی ہوئی ہے کہ جس راہ پر میں چل رہا ہوں اس راہ کا میں اکیلا مسافر نہیں ہوں بلکہ تم بھی اس راہ پر میرے ہم قدم ہو، میرے لئے کوئی بھی قدم اٹھانے اور فیصلہ کرنے کے لئے یہی بات کافی ہے۔" فراز نے مسکراتے ہوئے دھیرے سے اس کا نرم و گلابی گال چھوا تھا، جس پر وہ مزید چھوئی موئی بن گئی تھی۔

"اینی وے مسز منال فراز احمد اب میں چلتا ہوں انشا اللہ بہت جلد دوبارہ اپنے اس موجودہ

رشتے کے ساتھ ملیں گے۔" اس کے ماتھے پر جھکتا دھیرے سے اپنے پیار کی مہر ثبت کرتا وہ تیزی سے باہر نکل گیا تھا، ابھی وہ اس کی آواز کی گمبھیرتا اور شخصیت کے سحر سے نکلی نہ تھی کہ وہ جاتے ہوئے مکمل طور پر اسے ہپناٹائز کر گیا، پیار کی پہلی چاہت، پہلا کس اور پہلی خوشی ملی تھی آج اسے پھر وہ کیوں نہ ہواؤں میں اڑتی پھرتی، پیار بھی وہ جو شرعی حیثیت سے مکمل طور پر اس کا تھا، لیکن ان سب باتوں سے ہٹ کر اندر ہی اندر اسے ان سب باتوں کی بھی فکر تھی جو فراز اس سے اس رشتے کو ختم کرنے سے متعلق کہہ گیا تھا اور اس کی پریشانی بجا بھی تھی۔

بہر حال بہت دیر سوچنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ اسے ماما سے اس سلسلے میں ایک بار بات ضرور کرنی چاہیے اور یہی بات سوچ کر وہ مطمئن ہو گئی تھی۔

☆☆☆

سنتے ہیں پھر چھپ چھپ کر ان کے گھر آتے جاتے ہو
انشا جی ناحق جی کو وحشت میں الجھاتے ہو
دل کی بات چھپانی مشکل لیکن خوب چھپاتے ہو
بن میں دانا شہر کے اندر دیوانے کہلاتے ہو
بے کل بے کل رہتے ہو پر محفل کے آداب کے ساتھ
آنکھ چرا کر دیکھ بھی لیتے بھولے بھی بن جاتے ہو

"ماما ایک بات پوچھوں آپ سے۔" ثریا بیگم اپنے نیل فائل کرنے میں مصروف تھیں تب خاموشی سے پاس بیٹھی منال نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔

"ہاں پوچھو۔" منال کی جانب توجہ کیے بغیر انہوں نے سرسری سے انداز میں کہا۔

"ماما...... وہ...... میں نے سنا ہے کہ آپ میرے اور فراز کے رشتے کو ختم کرنا چاہتی ہیں۔" اپنی دانست میں منال نے ایک معقول سوال کیا تھا مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا یہ سوال اپنے جواب میں خود کئی سوال کھڑے کر دے گا کہ جس سے اس کی مشکل میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

"کیا...... تم سے کس نے کہا۔" اپنی تمام مصروفیت کو چھوڑ کر اب ان کی تمام توجہ منال کی جانب تھی۔

"میری طرف دیکھو منال، کیا ان لوگوں میں سے کوئی یہاں آیا تھا۔" منال کو بدستور خاموش دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔

"نہ...... نہیں ماما۔" اس نے بہ مشکل تمام کہا، جھوٹ بولتے ہوئے اس کا لہجہ ایکدم سے لڑکھڑایا تھا۔

"تو کیا فون......" فون کا خیال آتے ہی انہوں نے چونکتے ہوئے پوچھا پھر بولیں۔

"کس کا فون آیا تھا...... فراز کا۔"

"ج...... جی۔" لفظ اس کے گلے میں اٹکنے لگے تھے۔

"اوہ۔" انہوں نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے کہا۔

"کیا کہہ رہے تھے محترم۔"

"یہی کہ آپ میرا اور ان کا رشتہ ختم کرنا چاہتی ہیں۔" منال اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ میری دی گئی وارننگ کا اس پر کچھ نہ کچھ اثر ہو ہی رہا ہے۔" پرسوچ انداز میں وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولیں ان کی بات سن کر منال کو فراز کی کہی گئی بات پر خود بخود یقین آتا جا رہا تھا۔

"کیوں ماما، آپ انہیں دھمکیاں کیوں دے رہی ہیں۔" منال نے پوچھا۔

"کیونکہ میں اس سے تمہارے لئے خلع چاہتی ہوں۔" ان کی زبان سے ادا ہونے والے ان دوٹوک لفظوں نے اس کی پوری شخصیت کو ہلا ڈالا تھا، گویا فراز بالکل سچ کہہ رہا تھا۔

"لیکن کیوں ماما، آپ ایسا کیوں کر رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔" وہ ایکدم سے روہانسی ہو گئی تھی۔
"اس لئے میری جان کہ میں تمہارے مستقبل کا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر اور اچھے لوگوں میں کرنا چاہتی ہوں۔"
"وہ لوگ بھی اچھے ہیں ماما اور یہ فیصلہ دادی نے کیا تھا تو انہوں نے سوچ سمجھ کر ہی کیا ہو گا نا پھر اب آپ۔" گہرے دکھ سے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔
"خاموش ہو جاؤ منال، تم ابھی اتنی بڑی نہیں ہوئی ہو کہ اپنے اچھے برے کا فیصلہ کر سکو اور رہ گئی تمہاری دادی تو وہ اب اس دنیا میں نہیں رہیں کہ میں ان کی خواہش کو ہی لے کر بیٹھی رہوں اور اس میں اتنا رونے دھونے کی بھی ضرورت نہیں ہے، شاہد کو تم جانتی ہو نا فراز سے کہیں زیادہ امیر، ماڈرن اور خوبصورت ہے، تم جیسی لڑکی تو اس کے گھر عیش کرے گی عیش۔"
انہوں نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا، آنکھوں میں دولت کی اندھی ہوس چمکتی دکھائی دی تھی منال کو اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی دروازے پر بیل ہوئی تھی، ثریا بیگم نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تھا، سامنے لیڈی کانسٹیبل کے ساتھ دو پولیس مین کھڑے تھے اور ان کے پیچھے کھڑے فراز احمد کو وہ بخوبی پہچانتی تھیں۔
"آپ ثریا بیگم ہیں۔" ایک کانسٹیبل نے آگے بڑھ کر پوچھا تھا اور پھر منال کو برآمد کرنے کے بعد باقی کے تمام کاروائی پولیس نے بخوبی کی تھی، نکاح نامہ ثریا بیگم کو دکھاتے ہوئے انہوں نے فراز احمد کی منکوحہ کو حبس بے جا میں رکھنے کا دعویٰ کیا تھا۔
اپنے دروازے پر آنے والی پولیس کو دیکھ کر نہ صرف ثریا بیگم بلکہ منال تک کے ہوش گم ہو گئے تھے، فراز احمد نے جو قدم اٹھایا تھا وہ ثریا بیگم کی سوچ سے بالکل ہٹ کر تھا، ان کے تو وہم و گمان میں نہ تھا کہ فراز یہ قدم بھی اٹھا سکتا ہے، وہ تو خود فراز کو پولیس اور کورٹ کی دھمکیاں دے رہی تھیں، یہ سب کچھ اتنا اچانک، اور اتنی تیزی سے ہوا کہ ثریا بیگم کو کچھ بھی سوچنے اور سمجھنے کا ہوش نہ رہا اور ہوش آیا تب جب لیڈی کانسٹیبل نے منال کے ہاتھ فراز کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔
"مسٹر فراز ہم آپ کی بیوی منال احمد کو آپ کی تحویل میں دیتے ہیں اب آپ اپنی بیوی کو لے جا سکتے ہیں۔"
"فراز...... یہ سب کچھ کیا ہے، کیوں تم۔" منال کی کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔
"تھینک یو منال، میں نے یہ جو کچھ بھی کیا ہے یقین مانو یہ تمہارے تعاون کے بغیر ممکن ہی نہ تھا، تھینکس آلاٹ۔" اس کی الجھن اور ٹینشن کو سمجھے بغیر فراز نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے مسرور لہجے میں کہا تھا، کہ کچھ فاصلے پر کھڑی ثریا بیگم نے اس کی بات نہ صرف سن لی ہے بلکہ اس کا مطلب بھی ان پر اچھی طرح واضح ہو گیا تھا اور یہی وہ چاہتا تھا۔
"ماما...... ماما پلیز کچھ کریں، یہ سب کچھ اس طرح سے نہیں ہونا چاہیے تھا۔" فراز کی طرف سے مایوس ہو کو وہ ثریا بیگم کی جانب متوجہ ہوئی تھی اور اس کے اتنا کہنے کی دیر تھی کہ ثریا بیگم غصے سے گرج اٹھیں ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولیں۔
"بس، منال بس، آج یہ جو کچھ بھی ہوا ہے اس میں تمہاری رضا شامل تھی یہ جان کر مجھے بہت افسوس اور دکھ ہو رہا ہے، آج سے تم میرے لئے مر گئی ہو، آج سے نہ میں تمہاری ماں اور نہ تم میری بیٹی ہو، آج سے میرا اور تمہارا رشتہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے۔" وہ غصے سے گرجتے ہوئے خونخوار لہجے میں بولی تھیں اور پھر منال کے چیخنے

چلانے کو بے دردی سے نظر انداز کرتیں وہ اندر چلی گئی تھیں، روتی بلکتی منال کو سہارا دے کر گاڑی تک لاتے فراز کو نجانے کیوں اپنے اٹھائے گئے اس قدم پر افسوس ہو رہا تھا۔
وہ یہ سب کچھ اس طرح نہیں کرنا چاہتا تھا، مگر دن بدن ملنے والی دھمکیوں اور حالات کو دیکھ کر اس نے یہ قدم اٹھا لیا تھا، وہ منال کو کسی صورت نہیں کھونا چاہتا تھا اور شاید یہ منال کی چاہت کی شدت تھی جو وہ اسے پانے کے لئے کسی بھی حد تک چلا گیا تھا۔
ابھی تو اور بھی بہت سارے مرحلے باقی تھے، گھر جا کر اس نے ابھی اپنی والدہ نصرت جہاں کو بھی فیس کرنا تھا، کیونکہ وہ بھی اس سارے معاملے سے بے خبر تھیں، فراز نے اپنے اس پلان کے بارے میں کسی کو بھی کچھ نہ بتایا تھا۔

☆☆☆

"یہ لیں امی آج میں آپ کی بہو کو رخصت کروا کر لے آیا ہوں۔" گھر میں داخل ہوتے ہی فراز نے نصرت جہاں سے کہا۔
اپنے سامنے بیٹے اور بہو دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر وہ بھی نہ صرف حیران ہوئی تھیں بلکہ کچھ پریشان بھی ہو گئی تھیں اور ابھی وہ کچھ بولنے ہی والی تھیں کہ منال ان کے گلے سے لگتے ہوئے بے اختیار رو دی اور پھر رو رو کر اس نے ساری داستان نصرت جہاں کو سنا دی، اس کا یوں بلک بلک کر رونا فراز کو مزید تکلیف دے رہا تھا، دوسری طرف منال کی تمام بات سن کر نصرت جہاں بھی ہتھے سے اکھڑ گئی تھیں۔
"فراز یہ تم نے کیا کیا ہے، اتنا بڑا قدم تم نے بغیر سوچ سمجھے اٹھا لیا۔"
"جی نہیں امی، میں نے جو کچھ بھی کیا ہے بہت کچھ سوچ سمجھ کر کیا ہے اور اس کے لئے بھی مجھے چچی جان نے ہی مجبور کیا تھا۔" فراز نے دو بدو جواب دیا تھا، منال ابھی تک نصرت جہاں کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔
"میں تو یہ سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں کہ اپنے چچا کے گھر پولیس کو لے جاتے ہوئے تم نے ایک پل کے لئے بھی کچھ نہیں سوچا۔" نصرت جہاں نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔
"اس سب کے لئے بھی مجھے چچی جان نے ہی مجبور کیا تھا، آج اگر گھر کی اور خاندان کی عزت بچانے کے لئے میں ان کے گھر پولیس کو نہ لے کر جاتا تو آنے والے وقت میں ہماری عزت کورٹ کچہریوں میں اچھل رہی ہوتی اور اپنی عزت کو بچانے کے لئے ہی میں نے یہ قدم اٹھایا ہے۔" چہرے پر تناؤ لئے وہ غصے سے بولا۔
"ثریا ایسا کچھ بھی نہ کرتی، تم کچھ انتظار تو کرتے۔"
"اچھا امی پلیز، مجھے جو صحیح لگا وہ میں نے کر دیا، اب آپ اس طرح کی باتیں کر کے مجھے مزید ٹینشن نہ دیں، فی الحال چچی جان غصے میں تھیں، ایک دو دن تک جب ان کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو میں منال کو اپنے ساتھ لے جا کر ان سے معافی مانگ لوں گا۔" غصے سے دوٹوک انداز میں کہتا وہ باہر کی جانب بڑھ گیا تھا اور پھر کچھ ہی دیر بعد اس کی گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تھی۔
"ادھر آؤ منال بیٹا، تم ادھر بیٹھو، حنا تم جلدی سے جا کر منال کے لئے ٹھنڈا سا شیک بنا کر آؤ۔" نصرت جہاں نے اسے اپنے قریب ہی صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی حنا کو جو کہ بھابھی کی اس طرح آمد پر بے تحاشا خوش اور حیران ہو رہی تھی سے مخاطب ہوئیں۔
"جی امی میں ابھی لاتی ہوں۔" وہ فوراً سے بیشتر ان کے حکم کی تعمیل کے لئے چلی گئی۔
"دیکھو بیٹا پریشان مت ہو، ہم لوگ ہیں نا تمہارے ساتھ، تم تنہا بالکل بھی نہیں ہو اور نہ ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خود کو بھی تنہا سمجھنا۔'' انہوں نے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ لیتے ہوئے محبت بھرے یقین سے کہا تھا۔

☆☆☆

کچھ دور ہمارے ساتھ چلو
ہم دل کی کہانی کہہ دیں گے
سمجھے نہ جسے تم آنکھوں سے
وہ بات زبانی کہہ دیں گے
پھولوں کی طرح ہونٹوں پہ
اک شوخ تبسم بکھرے گا
دھیرے سے تمہارے کانوں میں
اک بات پرانی کہہ دیں گے
اظہار وفا تم کیا جانو
اقرار وفا تم کیا جانو
ہم ذکر کریں گے غیروں کا
اور اپنی کہانی کہہ دیں گے
کچھ دور ہمارے ساتھ چلو

کافی رات تک وہ گاڑی یونہی بے مقصد سڑکوں پر گھماتا رہا تھا اور جب رات گئے گھر واپس آیا تو نصرت جہاں کو جاگتے دیکھ کر کچھ شرمسار سا ضرور ہوا تھا۔

''فراز ادھر آؤ، یہاں میرے پاس بیٹھو۔'' انہوں نے بہت نرمی سے اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔

''آئی ایم سوری امی...... میں۔'' اس نے ندامت سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں فراز، غلطی بھی انسانوں سے ہی ہوتی ہے، بڑی بات غلطی ہونا نہیں ہے بلکہ بڑی بات تب ہے جب ہم اس غلطی کو سدھار لیں۔'' انہوں نے بڑے سبھاؤ سے کہا پھر بولیں۔

''دیکھو بیٹا منال اس وقت بہت اپ سیٹ ہے جن حالات سے وہ اس وقت گزر رہی ہے ان حالات میں کوئی بھی لڑکی ہوتی تو وہ اسی طرح بی ہیو کرتی اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم اس کے ساتھ نہایت نرمی صبر اور تحمل سے پیش آؤ، ان تمام حالات کو کچھ نہ کچھ تو ری ایکشن ہوگا اس پر اور اس ری ایکشن پر تمہیں بہت حوصلے سے کام لینا ہوگا۔'' اس کے بالوں میں پیار سے انگلیاں پھیرتیں وہ دھیرے دھیرے اسے سمجھا رہی تھیں۔

''جی امی جیسا آپ کہیں گی میں ویسا ہی کر لوں گا۔'' اس نے سعادت مندی سے کہا۔

''اور صبح ہوتے ہی منال کی بات اس کی ماما سے ضرور کروانا ویسے ایک بات تو بتاؤ جس وقت تم منال کو لینے گئے تھے کیا تمہارے چچا گھر پر تھے۔'' انہیں اچانک سے کچھ یاد آیا تھا۔

''نہیں چچا گھر پر نہیں تھے، وہ ایکچوئلی امی۔'' وہ بات کرتا کرتا خاموش ہو گیا تھا یوں جیسے اپنے آپ کو کچھ بتانے پر آمادہ کر رہا ہو۔

''فراز جو بات بھی ہے، مجھ سے کہہ دو۔'' انہوں نے اسے حوصلہ دیا۔

''ایکچوئلی امی، میں نے یہ جو بھی قدم اٹھایا ہے اسے اٹھانے سے پہلے میں چچا جان کے پاس ہی گیا تھا اور اکیلے میں میں نے ان سے نہ صرف ساری بات کی تھی بلکہ اپنے پلان سے بھی انہیں آگاہ کیا تھا اور وہ اس سب میں میرے ساتھ تھے، مگر ہر بات سے قطع نظر انہوں نے خود کو سامنے لانے سے انکار کر دیا تھا، کیونکہ اگر وہ اس معاملے میں سر عام میرے ساتھ ہم قدم ہوتے تو آپ جانتی ہیں کہ چچی جان نے ان کے ساتھ کیا کرنا تھا، بس پھر اسی لئے انہوں نے مجھے یہ سب کچھ کرنے کی اجازت دے دی تھی۔'' وہ دھیرے دھیرے حقیقت سے انہیں آگاہ کر رہا تھا جس پر نصرت جہاں بھی کافی حد تک مطمئن ہو گئی تھیں۔

''اچھا اب جاؤ تم اپنے کمرے میں، منال کمرے میں اکیلی ہے۔'' انہوں نے فکر مندی سے کہا اور پھر اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

وہ دشمن جاں آج نہ صرف اس کے گھر بلکہ اس کے کمرے میں تھی، یہ خوشگوار احساس ہوتے ہی وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھا تھا، اب تک غصے اور اشتعال کی بدولت وہ اس کے متعلق کچھ سوچ ہی نہ پایا تھا، اس نے دروازہ کھولا سامنے ہی وہ اپنے وجود کی تابانیوں سمیت محو خواب تھی، پچھلی دو راتوں سے وہ سو نہ پائی تھی دوسرا صبح سے ہونے والے ان حالات و واقعات نے اس کی ہمتیں ختم کر دی تھیں، فراز اس کے قریب چلا آیا ایک بازو سینے پر اور دوسرا ماتھے پر ٹکائے وہ بے سدھ سو رہی تھی، الجھے پریشان بال، متورم آنکھیں، شدت گریہ کی بدولت سرخ ہوتی ناک یہ سب کچھ فراز کو اس کے دلی کیفیت سے آگاہ کرنے کو کافی تھے۔

فراز کے لئے یہی بہت تھا کہ وہ جس کے تصور سے اس کی دل کی دنیا آباد تھی آج اس کے جیتے جاگتے وجود سے نہ صرف اس کا کمرہ بلکہ اس کا پورا وجود مہک رہا ہے نرم گرم جذبات کی آماجگاہ بنا اس کا دل اسے کسی شوخ جسارت پر اکسا رہا تھا، مگر وہ خود پر ضبط کرتا اس کے قریب ہی لیٹ گیا تھا اور پھر بے اختیار اپنا دائیاں بازو اس کے بازو پر رکھ دیا، ارادہ اسے جگانے کا قطعی نہ تھا مگر وہ کسی انجانے احساس کے تحت خود ہی چونک کر جاگ گئی تھی اپنے اتنے قریب فراز کو دیکھ کر وہ جس تیزی سے بیڈ سے اتری تھی اس نے فراز کو شدید شرمندگی سے دوچار کر دیا تھا۔

''آپ...... آپ یہاں۔'' نیند سے بھری گلابی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت تھی۔

''لیکن یہاں تو میرے پاس حنا تھی۔'' وہ اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے بولی۔

کیونکہ حنا ہی اسے اس کمرے میں لے کر آئی تھی اور نہ صرف لے کر آئی تھی بلکہ کافی دیر تک اس کے ساتھ باتیں بھی کرتی رہی تھی اور اب جب اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں حنا کے بجائے فراز کو دیکھ کر اسے شدید حیرت کا جھٹکا لگا تھا، حقیقی معنوں میں وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ کمرہ فراز کا ہے، ورنہ وہ کبھی بھی اس کمرے میں نہ ٹھہرتی۔

''دیکھو منال یہ کمرہ اب تک صرف میرا تھا مگر اب یہ کمرہ ہم دونوں کا مشترکہ ہے اس لئے بالکل ریلیکس ہو کر سو جاؤ، میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔'' فراز نے نرمی سے اسے دلاسا دیا تھا۔

''نہیں مجھے یہاں نہیں سونا۔'' اس نے نروٹھے پن سے کہا۔

''میں کہہ رہا ہوں نا منال کو میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا، تم ریلیکس ہو کر بیڈ پر سو جاؤ، میں وہاں صوفے پر سو جاتا ہوں۔'' فراز اتنا کہہ کر تکیہ اٹھاتا صوفے پر چلا گیا تھا، تب وہ کچھ دیر تک یونہی کھڑی کچھ سوچتی رہی تھی اور پھر آہستگی سے بیڈ پر لیٹ گئی۔

☆☆☆

اگلی صبح معمول کے مطابق تھی چونکہ سنڈے تھا اس لئے فراز کی بھی آفس سے چھٹی تھی، ناشتے سے فارغ ہوتے ہی نصرت جہاں نے فراز کو منال کو مارکیٹ لے جانے کا کہہ دیا مگر منال کسی طرح بھی رضامند نہ تھی۔

''منال بیٹا تم اس گھر کی بہو ہو، اگر تمہاری رخصتی صحیح طریقے سے ہوتی تو میں اپنی بیٹی کے لئے دل کھول کر خود شاپنگ کرتی لیکن اب جب یہ سب کچھ اس طریقے سے نہیں ہوا جس طریقے سے ہونا چاہیے تھا اس لئے تم خود فراز کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جا کر اپنی مرضی کی شاپنگ کر لو، میں اپنی بہو کو ہر وقت بنے سنورے دیکھنا چاہتی ہوں اور پھر جب میں تمہیں ثریا کے پاس لے کر جاؤں گی تو بنی سنوری خوشحال میری بہو کو دیکھ کر ثریا نہ صرف خوش اور مطمئن ہو جائیگی بلکہ تم لوگوں کو معاف بھی کر دے گی اس لئے ابھی تم نے سب سے پہلا جو کام کرنا ہے وہ اپنے لئے اچھی سی شاپنگ کرنی ہے۔'' انہوں نے رسان سے اسے سمجھایا۔

''لیکن بڑی ماما۔'' جز بز ہوتی وہ کچھ بولنا ہی چاہتی تھی کہ انہوں نے ٹوک دیا۔

''منال کیا تم اپنی بڑی ماما کی یہ بات نہیں مانو گی۔'' انہوں نے چاہت بھری ناراضگی سے کچھ اس طرح کہا تھا کہ اسے بے ساختہ ان کی بات ماننا پڑی اور پھر وہ زبردستی حنا کو اپنے ساتھ لے کر ہی بازار گئیں۔

تقدیر کے لکھے کو اس طرح لکھا، سمجھ کر وہ خاموش ہو گئی تھی کہ واویلا مچانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

اس کے نہ نہ کرتے ہوئے بھی فراز اور حنا نے اس کے لئے ڈھیروں ڈریسز، شوز، پرس، میک اپ کا سامان، چوڑیاں، جیولری اور نجانے کیا کچھ خرید لیا یہی نہیں بلکہ فراز نے اس کے لئے موبائل اور سم بھی خرید لی تھی، خود سے وابستہ رشتوں کے لئے وہ اسی طرح کیئر فل رہتا تھا، پھر اب معاملہ تو اس کی عزیز از جان بیوی کا تھا۔

گھر پہنچتے ہی اس نے موبائل میں سم ڈال کر منال کو پکڑا دیا تھا جسے تھوڑے سے پس و پیش کے ساتھ اس نے تھام لیا۔

''ویسے بھابھی آپ اس موبائل سے سب سے پہلی کال کسے کریں گی۔'' حنا نے شوخی سے چہکتے ہوئے پوچھا۔

''اپنی ماما کو۔'' منال بے اختیار بول اٹھی۔

''ہاں تو پھر دیر کیوں کر رہی ہو بیٹا، جلدی سے کال ملاؤ۔'' نصرت جہاں نے خوشدلی سے اس کا حوصلہ بڑھایا جس پر اس نے فوراً کال ملا لی، دوسری طرف بیل جانے لگی۔

''ہیلو۔'' دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے کہا۔

''کون ہے؟'' دوسری طرف سے ثریا بیگم نے شاید اس کی آواز نہ پہچانی تھی تب ہی پوچھا۔

''ماما میں...... میں منال۔'' لفظ اس کے گلے میں اٹکنے لگے۔

''کون......کون منال، میں کسی منال کو نہیں جانتی، اس لئے مہربانی فرما کر دوبارہ یہاں فون کرنے کی کوشش مت کرنا۔'' انتہائی سنگدل سے انہوں نے کہا۔

''ماما پلیز آپ میری بات تو سن لیں...... میں۔'' ان کے رویے کی سنگدلی نے اسے روہانسا کر دیا، لب بھینچے خاموشی سے اس کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھا فراز اس کی کیفیت کا بغور جائزہ لے رہا تھا، جبکہ نصرت جہاں اور حنا بھی خاموش بیٹھے اسے نظروں ہی نظروں میں حوصلہ دے رہے تھے۔

''اب کہنے اور سننے کے لئے منال تم نے چھوڑا ہی کیا ہے۔'' انداز ہنوز برقرار تھا۔

''ماما پلیز، میری بات کا یقین کریں میں نے کچھ نہیں کیا۔'' وہ روتے ہوئے وضاحتیں دے رہی تھی۔

''سب کچھ کرنے کے بعد اب معصوم بننے کا کوئی فائدہ نہیں ہے منال اتنا دکھ مجھے فراز کے یہ قدم اٹھانے پر نہیں ہوا جتنا دکھ مجھے یہ جان کر ہوا ہے کہ خود میری اپنی بیٹی نے میرا ساتھ چھوڑ کر اس کا ساتھ دیا ہے، اس پلاننگ میں فراز کا ساتھ دینے والے تم خود تھیں۔'' گہرے دکھ اور تاسف کے ساتھ وہ اسے ملامت کر رہی تھیں۔

''آپ یقین کریں ماما...... میں نے ان کا ساتھ نہیں دیا تھا، یہ جو کچھ بھی کیا تھا انہوں نے خود ہی کیا۔'' شدت جذب سے رونے کی وجہ سے لفظ اس کے گلے میں ہی اٹکنے لگے تھے اور وہ جو بہت خاموشی سے منال کے چہرے کے اتار چڑھاؤ نوٹ کر رہا تھا بے اختیار اس کے قریب آیا تھا اور فون اس کے ہاتھ سے لے کر اپنے کان سے لگا لیا۔

''جھوٹ سراسر جھوٹ، میں تمہاری معصومیت کے دھوکے میں رہی اور تم۔'' دوسری طرف ثریا بیگم کہہ رہی تھیں کہ وہ بول اٹھا۔

''گستاخی معاف چچی جان آپ یقین کریں یا نہ کریں لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں نے جو بھی قدم اٹھایا اس میں میرے ساتھ نہ تو منال شامل تھی اور نہ ہی میری فیملی کا کوئی اور فرد، ان حالات میں مجھے جو بہتر لگا وہ میں نے کر لیا اور اس کے لئے میں آپ سب سے بہت شرمندہ ہوں خاص طور پر آپ سے، ہم آپ کے بچے ہیں، اس لئے پلیز آپ ہمیں معاف کر دیں تا کہ ہم آپ سے ملنے آ سکیں۔'' لہجے میں مضبوطی لئے وہ بہت سلجھے ہوئے انداز میں بول رہا تھا، مگر دوسری طرف اس کی اس وضاحت پر ثریا بیگم بالکل ہی بھڑک اٹھیں۔

''مجھے وضاحت دینے کی یا صفائیاں دینے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے، مجھے جو سمجھنا تھا میں نے سمجھ لیا اور جتنا جاننا تھا میں نے جان لیا، ہاں ایک بات میں تم سے ضرور کہوں گی کہ اپنی بیوی کو لے کر غلطی سے بھی میری دہلیز پر قدم رکھنے کی ضرورت نہیں ہے، میری بیٹی منال میرے لئے مر چکی ہے، سنا تم نے۔'' غصے سے گرجتے لہجے میں انہوں نے دو ٹوک بات کی تھی اور پھر فون بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

ثریا بیگم کے سخت سنگدلانہ رویئے اور ہٹ دھرمی کو دیکھتے ہوئے فراز نے دوبارہ ان سے بات کرنے کی کوشش نہ کی تھی ہاں البتہ منال نے اس طرح کی بے شمار کوششیں کر ڈالی تھیں مگر سب بے سود تھا، شروع شروع میں وہ سخت سست سنا ڈالتی تھیں مگر اب اس کا نمبر دیکھ کر وہ فون ہی نہیں اٹھاتی تھیں، ہاں اس تمام عرصے میں اس کی اپنے والد ریاض احمد سے کئی بار بات ہوئی تھی اور انہوں نے اسے پیار سے حوصلہ اور تسلی دیتے ہوئے اتنا ضرور کہا تھا کہ۔

''تم سب کچھ وقت اور حالات پر چھوڑ دو، انشااللہ سب کچھ بہتر ہو جائے گا۔'' اور ریاض احمد کی کہی گئی اس بات نے اسے واقعی بہت حوصلہ دیا تھا تب ہی وہ سب کچھ وقت اور حالات پر چھوڑ کر کافی حد تک مطمئن ہو گئی تھی۔

اس کا رویہ تقریباً سب لوگوں کے ساتھ ہی اچھا تھا، حنا سے کافی فرینڈ شپ ہو گئی تھی اکثر وہ اس کے ساتھ کچن میں بھی تھوڑا بہت ہاتھ بٹا دیتی تھی، عیاض سے بھی گپ شپ تھی، موڈ ہوتا تو نصرت جہاں کے پاس بھی بیٹھی رہتی تھی، اگر اس کا رویہ صحیح نہیں تھا تو فراز کے ساتھ صحیح نہیں تھا، ایک کمرے میں رہتے ہوئے وہ دونوں آج بھی ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہی تھے، منال اگلے دن خود ہی سے فراز کے آنے سے پہلے صوفے پر سو گئی تھی اور اب تک وہ صوفے پر ہی سوتی آ رہی تھی یہ سب کچھ اگرچہ کہ فراز کے لئے تکلیف دہ مرحلہ تھا، مگر وہ ان رشتے میں ''زبردستی'' کا قائل قطعی نہ تھا، دوسری طرف نصرت جہاں بھی اپنی بڑی اولاد کی اس طرح شادی پر کبھی دکھی ہو جاتی تھیں ہزاروں ارمان تھے ان کے دل میں اپنے بیٹے اور بہو کے لئے، نہ ان کے بیٹے کو سہرا بندھا نہ کوئی ولیمہ، نہ رسم نہ رواج، یہ سب کچھ سوچ کر وہ تھوڑا دکھی ضرور ہو جاتی تھیں مگر پھر ان حالات کو جن میں فراز اسے لے کر یہاں آیا تھا انہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوچ کر وہ مطمئن ہو جاتی تھیں۔

فراز اور منال میں نئے نویلے دلہا دلہن جیسا انہیں کچھ بھی تو محسوس نہ ہوتا تھا جب وہ اس بات کا شکوہ فراز سے کرتیں تو وہ ''سب ٹھیک ہو جائے گا'' کہہ کر انہیں خاموش کروا دیتا تھا، ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا تھا منال کو یہاں آئے ہوئے اور اس گزرے ایک ماہ میں فراز نے نوٹ کیا تھا کہ کبھی کبھی وہ بہت خود سر اور روڈ ہو جاتی تھی اور وہ اس کے اس روڈلی انداز کو اکثر نظر انداز کر جاتا تھا مگر آج...... آج جب وہ اس کے بیسٹ فرینڈ حسن کی مسز سے اتنے روڈلی انداز میں بات چیت کر رہی تھی اس سے فراز کو منال پر شدید غصہ آیا تھا مگر پھر ہمیشہ کی طرح کافی دیر بعد اس نے خود کو نارمل کر لیا تھا۔

☆☆☆

فراز نے جیسے ہی ڈرائنگ روم میں قدم رکھا مترنم کھنکھناتا قہقہہ اس کے کانوں میں پڑا تھا، آواز کے تعاقب میں جب اس نے نظر ڈالی تو سامنے ہی وہ دشمن جاں بڑے آرام سے صوفے میں دھنسی بیٹھی تھی، اس کے ساتھ والے صوفے پر حنا اور سامنے عیاض بیٹھا تھا جبکہ میز پر رکھی لڈو اور گوٹیاں دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا کہ یقیناً یہ لوگ لڈو کھیل رہے ہیں۔

''عیاض ویسے آپس کی بات ہے تمہاری چاروں گوٹیاں اپنے گھر میں بیٹھی آرام فرماتی ہوئی کتنی اچھی لگ رہی ہیں۔'' ایک بار پھر اس کا قہقہہ بلند ہوا تھا، فراز کو یوں لگا جیسے اس کے آس پاس گھنٹیاں بج اٹھی ہوں، اس نے پہلی بار یوں اسے کھلکھلا کر ہنستے دیکھا تھا وہ بے خود سا کھڑا اسے دیکھے گیا۔

''ارے فراز بھائی آپ کب آئے۔'' سب سے پہلے عیاض کی نظر اس پر پڑی تھی۔

''جب کسی کی خوبصورت ہنسی کی جھنکار میرے کانوں میں پڑی، میں اسی وقت آیا تھا اگر ہنسی اتنی خوبصورت تھی کہ میں بے اختیار ہو کر وہیں رک گیا کہ کہیں اس ہنسنے والی کو میری نظر نہ لگ جائے۔'' قدم اس کی جانب بڑھاتے ہوئے وہ بے خود سا بول گیا۔

''اوہ آئی سی بھائی، آپ تو لگتا ہے بھابھی کی محبت میں شاعر ہو گئے ہیں۔'' عیاض اپنے بھائی کے شوخ اور شاعرانہ موڈ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

بریف کیس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا وہ منال کے قریب ہی صوفے میں دھنس گیا اور اس کے یوں پھیل کر بیٹھنے پر منال تھوڑا سا کسمسائی ضرور تھی جس پر فراز دھیرے سے مسکرا دیا۔

''بھائی آپ کے لئے چائے لاؤں۔'' بھائی کے فریش موڈ نے حنا کو بھی خوش کر ڈالا تھا تب ہی خیال آتے ہی بولی۔

''آف کورس گڑیا، اچھی سی سٹرونگ سی چائے لے کر آؤ، کیونکہ ابھی میں نے تمہاری بھابھی کے ساتھ ایک گیم بھی کرنی ہے۔'' اس کے موڈ کی شوخی و جولانی عروج پر تھی، آج اسے احساس ہوا تھا کہ باہر سے آنے والے تھکے ہارے مرد کے لئے گھر میں داخل ہوتے ہی مسکرا کر استقبال کرنے والی بیوی کتنی اہمیت رکھتی ہے، اس کی ساری تھکن، کوفت اور فرسٹریشن منال کے کھنکتے قہقہے اور مسکراتے چہرے نے چھین لی تھی۔

''یاہو......'' اس کی بات پر عیاض اور حنا نے زور سے نعرہ لگایا۔

''نہیں میں اب نہیں کھیلوں گی، مجھے نیند آ رہی ہے۔'' منال نے ساری گوٹیاں اکٹھی کرتے ہوئے مزید کھیلنے سے انکار کر دیا۔

''ارے یہ کیا بات ہوئی بھابھی، آپ مزید

کھیلنے سے کیوں منع کر رہی ہیں، آپ دیکھنا انشاء اللہ آپ ہی جیتیں گی۔'' عیاض نے کہا۔

''پلیز بھابھی، آپ ہماری خاطر صرف ایک گیم کھیل لیں۔'' حنا نے بھی پرزور انداز میں کہا اور پھر ان دونوں نے اسے دوبارہ سے کھیلنے پر مجبور کر دیا، گیم زبردست انداز میں چل رہی تھی کہ فراز نے اس کی ایک گوٹ مار دی عیاض چونکہ فراز کا طرف دار تھا اس لئے خوب کلیپنگ کی اس نے۔

''بھابھی پلیز اچھے سے دانے لیں ناں، پلیز بھابھی کوشش کریں، آپ نے فراز بھائی سے جیتنا ہے۔'' حنا چونکہ منال کی طرف تھی اس لئے اسے پرزور انداز میں تاکید کر رہی تھی۔

اسی وقت نصرت جہاں نے اسے آواز دی تو وہ کچن کی جانب بڑھ گئی اور پھر کچھ ہی دیر بعد فراز نے اس کی دو گوٹ گھر بیٹھا دی، پے در پے ناکامی نے منال کو غصے کے ساتھ جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔

''بھیا پلیز آپ نے بھابھی کی چاروں گوٹیں ان کے گھر بٹھانی ہیں کیونکہ انہوں نے میرے ساتھ یہی کیا تھا۔'' فون کی مسلسل بجتی بیل پر عیاض ڈرائنگ روم میں جاتے ہوئے کہا۔

''نہیں مجھے آپ کے ساتھ نہیں کھیلنا۔'' عیاض کے جاتے ہی منال نے ہاتھ مار کر ساری گوٹیں بکھیرتے ہوئے کہا، جن کے مجبور کرنے پر وہ کھیلنے لگی تھی جب وہ ہی اٹھ گئے تھے، تو پھر وہ کیوں کھیلتی پھر کچھ وہ ہار بھی رہی تھی اس لئے۔

''کیوں سویٹ ہارٹ، کیا تمہیں ہارنا اچھا نہیں لگتا۔'' ایکدم سے فراز نے گوٹیں بکھیرتے اس کے دونوں ہاتھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''میرے ہاتھ چھوڑیں۔'' اپنے ہاتھوں کو چھڑوانے کی جدوجہد کرتے ہوئے اس نے کہا، لہجے میں ہارنے کا دکھ اور شرمندگی تھی۔

''میں بھی تو تمہارا ہی ہوں، تو پھر جان حیات میری جیت کو تم اپنی جیت بھی تو سمجھ سکتی ہو ناں۔'' اس نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''پلیز میرے ہاتھ چھوڑیں اور مجھے جانے دیں۔'' وہ ایکدم سے روہانسی ہو گئی تھی تب عیاض کو سامنے سے آتا دیکھ کر اس نے منال کے ہاتھ ہلکے سے دبا کر چھوڑ دیئے۔

''بھائی کون جیتا ہے۔'' فون بند کر کے آتے ہی اس نے پوچھا۔

''تمہاری بھابھی جیتی ہیں۔'' فراز نے متبسم لہجے میں اطلاع دی۔

''یہ کیا بھائی، گیم تو آپ جیت رہے تھے پھر بھابھی کیسے جیت گئیں۔''

''تمہارے جانے کے بعد تو تمہاری بھابھی نے اپنے جوہر دکھائے اور ساری گیم پلٹ دی نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔'' فراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور آپ اپنی ہار پر اس قدر خوش ہو رہے ہیں۔'' عیاض نے حیرت سے پوچھا۔

''ارے یار میں اور وہ الگ الگ تھوڑی ہیں وہ جیت گئی ہے تو کیا ہوا اس کی جیت میری بھی تو جیت ہے۔'' وہ مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆

موسم ایک دم سے تبدیل ہوا تھا فضا میں موجود خنکی بڑھتی جا رہی تھی یعنی سردیوں کی آمد آمد تھی، ایک دو مزید بارشیں ہونے کے بعد شاید ٹھنڈ ہو جاتی اور اس بڑھتی ٹھنڈ کے احساس نے فراز کو اس رات اچانک چونکا ڈالا تھا، اس نے سونے کے لئے جیسے ہی سینے تک کمبل ڈالا اس کی نظر اچانک سامنے صوفے پر سوئی منال پر پڑی، اپنی شال اپنے پورے وجود پر پھیلائے وہ بے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سدھ سو رہی تھی اپنے طور پر اس نے سردی سے بچاؤ کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا تھا اور اسے اس طرح سوتے دیکھ کر فراز کو شدید شرمندگی نے گھیر لیا خود تو آرام دہ بستر پر کمبل لپیٹ کر سکون سے سو جانے والے کو بالکل احساس نہ ہوا کہ اس کی نصف بہتر کس حال میں ہے۔

وہ فوراً اپنے بستر سے نکلا تھا اور پھر کمبل اٹھا کر اس نے منال کے اوپر ڈال دیا، وہ جانتا تھا کہ اس کمبل کے بغیر اسے نیند بالکل نہیں آئے گی مگر آج کی رات تو کسی نہ کسی طرح گزارا کرنا ہی تھا، اس لئے خود وارڈ روب سے بیڈ شیٹ لے کر لیٹ گیا، صبح وہ امی سے کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ایک اور کمبل نکلوا لے گا۔

☆☆☆

"منال منال دیکھو کون آیا ہے۔" وہ اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی جب اس کے کانوں سے فراز کی آواز ٹکرائی تھی، اس کی آواز سن کر وہ ایک پل کے لئے تو چونکی تھی کہ آج آفس سے وہ اتنی جلدی آ گیا تھا۔

"منال کہاں ہو بھئی، ادھر آؤ دیکھو کون آیا ہے۔" فراز کی آواز دوبارہ اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی مگر وہ نظر انداز کرتی دوبارہ سے کتاب کی ورق گردانی کرنے میں مصروف ہو گئی تھی، اس وقت اس کی بے زاری اور بے نیازی قابل دید تھی۔

"منال......منال۔" اس بار اسے پکارنے والے کی آواز بدلی ہوئی تھی مگر تھی مانوس سی اور یہ آواز کانوں میں پڑنے کی دیر تھی کہ وہ بے اختیار چونک اٹھی۔

"پاپا، یہ تو پاپا کی آواز ہے۔" خوشی و حیرانگی کے ملے جلے احساسات کے تحت اس نے خود کلامی کی تھی اور پھر جلدی جلدی قدم اٹھاتی ڈرائنگ روم میں چلی آئی، سامنے ہی ریاض احمد کھڑے اپنی بھابھی اور بھتیجی سے مل رہے تھے۔

"پاپا۔" آنکھوں میں نمی لئے خوشی سے بے اختیار چیختی ہوئی وہ ان کے سینے سے جا لگی تھی۔

"پاپا...... پاپا اتنے دن بعد آپ کو میرا خیال آیا ہے، بلیو می پاپا یہ جو کچھ بھی ہوا اس میں۔" کچھ دیر بعد ان کے سینے سے سر اٹھاتے ہوئے اس نے کہنا شروع کیا، آنکھوں سے سیل رواں بدستور جاری تھا۔

"منال بیٹا بس اب تم بالکل بھی نہیں روؤ گی، پچھلے دنوں جو کچھ بھی ہوا سب میرے علم میں ہے، اس لئے سب سے پہلے تو تم یہاں میرے پاس بیٹھو۔" انہوں نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے اسے اپنے قریب بٹھا لیا۔

"لیکن پاپا ماما سمجھتی ہیں کہ جو کچھ ہوا ہے یا انہوں نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ سراسر میری ایما پر...... پاپا...... ماما۔" وہ پھر سے رونا شروع ہو گئی تھی۔

"دیکھو منال اگر تم یونہی روتی رہیں نا تو میں ابھی واپس چلا جاؤں گا اور پھر تمہارے بلانے پر بھی نہیں آؤں گا۔" اس بار ریاض احمد نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا تو منال کو چپ ہونا ہی پڑا۔

"ایسے نہیں جاؤ پہلے جا کر منہ دھو کر آؤ، ایسی رونے دھونے والی میری بیٹی نہیں ہو سکتی۔" انہوں نے کہا تب وہ اٹھ کر چلی گئی۔

"تھینکس گاڈ چچا جان کہ اس نے آپ کی بات مان لی ورنہ تو۔" اس کے جاتے ہی فراز نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے شکر کیا تھا، ورنہ تو منال کا رونا اسے شدید الجھن اور پریشانی میں مبتلا کر ڈالتا تھا، ایسے میں کوئی محبت بھرا مظاہرہ کر کے اسے چپ کروانے کا تو سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا۔

"فراز بری بات، تم میری بہو کی شکایت لگا

رہے ہو۔" پاس بیٹھی نصرت جہاں نے بیٹے کو ٹوکا۔

"کوئی بات نہیں برخوردار آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گی، اس لئے پریشان مت ہو۔" ریاض احمد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مسکرا کر کہا اور اسی وقت منال چلی آئی، منہ ہاتھ دھونے کے بعد کافی حد تک فریش تو ہو ہی گئی تھی مگر رونے کی وجہ سے آنکھوں کی ہلکی سی سوجن اور ناک کی سرخی نے اس کو ایک عجیب سا نکھار بخش دیا تھا۔

"منال یہاں بیٹھو میرے پاس اور میری بات دھیان سے سنو۔" انہوں نے اسے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا پھر سر جھکائے کچھ دیر سوچنے کے بعد بولے۔

"دیکھو منال، فراز نے ان حالات میں جو بھی قدم اٹھایا یا بالکل صحیح اٹھایا تھا اور مکمل میری رضامندی سے ہی اس نے یہ قدم اٹھایا تھا، چونکہ بیٹا تم ہر اس بات سے بے خبر تھیں جو تمہاری ماں تمہارے سلسلے میں کر رہی تھی، یہ بالکل سچ ہے کہ تمہاری ماں فراز سے تمہیں طلاق دلوا کر اپنے بھتیجے سے بیاہنا چاہتی تھی شاہد کی جائز ناجائز طریقوں سے کمائی گئی دولت کی چکا چوند کے آگے تمہاری ماں کی آنکھیں چندھیا گئی ہیں، اس لئے اسے کچھ صحیح اور غلط نظر نہیں آ رہا، جب وہ شاہد کے کارناموں سے واقف ہو گی تب اس کی سمجھ میں آئے گا کہ کیا غلط ہے اور کیا صحیح۔" وہ ایک پل کے لئے رکے پھر بولے۔

"تمہاری ماں کی جانب سے فراز کو ملنے والی دھمکیوں میں جب دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا تو ایک دن فراز کا مجھے فون آیا اور اس نے مجھے باہر ملنے کے لئے بلایا اور اس سے ملنے کے بعد اس نے جو مسئلہ میرے سامنے رکھا در حقیقت میں خود اس سے بے حد پریشان تھا، میں اپنی پیاری سی بیٹی کو اس پیارے انسان سے چھین کر اس شیطان صفت آدمی کے حوالے کبھی بھی نہ کرنا چاہتا تھا مگر بیٹا اس سب کو کرنے کے لئے میرے اندر حوصلہ بھی نہ تھا، کیونکہ تم جانتی ہو کہ ثریا بیگم کو صرف اپنی من مانی کرنے کا شوق ہے، اس کی ہاں میں ہاں ملائے رکھو گے تو تمہارا وقت اچھا گزر جائے گا، پچھلے چوبیس سال سے میں یہی کچھ کرتا آ رہا ہوں، بیٹا میں اس سے جان چھڑا سکتا تھا مگر میں نے ایسا صرف اور صرف تمہاری وجہ سے نہیں کیا، میں نہیں چاہتا تھا کہ آنے والے وقت میں دنیا کا کوئی بھی انسان تمہیں میری وجہ سے کوئی بات سنائے، اس لئے بیٹا میں اس کے ساتھ کمپرومائز کرتا رہا، اس نے تمہارے تایا کی فیملی میں آنے جانے سے مجھے منع کیا، اس نے زندگی میں جو جو پابندیاں مجھ پر لگائیں، میں اپنے گھر کے سکون اور تمہاری خاطر اس کا پابند ہوتا چلا گیا مگر اس مقام پر جہاں وہ تمہیں میرے اپنوں سے الگ کر رہی تھی وہاں میں خود کو اس کا پابند نہیں بنا سکا، در پردہ ہی سہی میں نے وہ کیا جو میرے دل کی خواہش تھی، لوگوں کی نظروں میں بے شک میں ایک بزدل مرد ہوں گا لیکن مجھے اپنی بیٹی کی خوشیوں کے لئے بزدلی کا یہ طوق گلے میں ڈالنا منظور ہے اکثر سننے میں آتا ہے کہ اپنے بچوں کی خاطر قربانی دینے والی زیادہ تر مائیں ہی ہوتی ہیں مگر کبھی کبھی باپ بھی اپنے بچوں کے لئے قربانی دے دیتے ہیں، اس لئے بیٹا اپنے دل میں یہ اطمینان رکھو کہ فراز نے جو کچھ کیا تمہارے پاپا کی رضامندی سے کیا تھا اور عنقریب میں تمہاری ماما کو بھی لے کر آؤں گا۔" تمام وضاحت دے کر وہ صوفے کی بیک سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، یوں جیسے کوئی تھکا ہارا مسافر لمبی مسافت طے کر کے کچھ دیر ستانے کو بیٹھا ہو جسے ابھی مزید مسافت طے کرنی ہو، گزرے وقت کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر چھائیاں ان کے چہرے سے عیاں تھیں۔

گزرے چوبیس برسوں میں اس نے اپنے دل کا حال کبھی کسی پر عیاں نہ کیا تھا مگر آج آج اسے اپنی مجبوریوں کا اعتراف ضرور کرنا تھا، اپنی بیٹی کے اطمینان اور اس کی خوشیوں کے لئے یہ بہت ضروری ہو گیا تھا، نصرت جہاں اپنے دیور کے چہرے پر گزرے ماہ و سال کی گرد دیکھ کر بہت افسردہ ہو گئی تھیں۔

''پاپا...... آپ۔'' وہ جو بہت غور سے باتیں سن رہی تھی، ایکدم بے چینی سے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے تھے۔

''افوہ بیٹا چھوڑو یہ سب کچھ اور یہ بتاؤ کہ تمہارے پاپا پچھلی بار تمہارے گھر آئے ہیں کیا تم اپنے پاپا کو چائے پانی کا بالکل نہیں پوچھو گی۔'' ماحول کی کثافت کا کم کرنے کے لئے انہوں نے ہشاش بشاش لہجے میں کہا۔

''اوہ سوری پاپا میں......'' مارے شرمندگی کے اس نے کہا۔

''مجھے تو لگتا ہے بیٹا کہ تم یہاں کوئی کام وام نہیں کرتی ہو گی ہے نا۔'' اگلے ہی پل انہوں نے پھر کہا۔

''وہ ایکچوئلی پاپا۔''

''بری بات منال، یہ گھر ہی اب تمہارا اپنا گھر ہے، یہاں غیروں کی طرح مت رہا کرو اور بھابھی آپ بھی سن لیں، اب آپ کی آرام کرنے کی عمر ہے اس لئے گھر کی ساری ذمہ داریاں بہو کے کندھوں پر ڈال کر بے فکر ہو جائیں۔'' انہوں نے منال کو ملامت کرنے کے بعد نصرت جہاں کی طرف رخ پھیرتے ہوئے کہا۔

''کہتے تو تم ٹھیک ہی ہو ریاض لیکن ابھی میں اپنی بچی کے کچھ چاؤ چونچلے تو کر لوں، کام اور ذمہ داریاں اٹھانے کے لئے تو عمر پڑی ہے۔'' نصرت جہاں نے محبت سے منال کو اپنے سے قریب کرتے ہوئے کہا۔

''اف امی، آپ کب تک اس محترمہ کو بچی بنا کر رکھیں گی، اسے یہ تو بتائیں کہ اب یہ بڑی ہو گئی ہے اس لئے۔'' خاموش بیٹھے فراز نے چڑ کر کہا منال کی بے اعتنائی اسے مسلسل جھنجھلاہٹ کا شکار کر رہی تھی۔

''تم چپ رہو، خبردار جو تم نے میری بیٹی کو کچھ کہا، بہت سلجھی ہوئی سمجھدار لڑکی ہے یہ۔'' نصرت جہاں نے بیٹے کو گھر کا۔

''خاک سمجھدار ہے یہ۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا تھا، خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا، منال کے فریش موڈ اور مسکراتے چہرے کو دیکھ کر فراز کو پوری کائنات مسکراتی ہوئی لگ رہی تھی، اس کی نظریں ہی نہ ہٹ رہی تھیں منال کے چہرے سے۔

''پاپا...... پاپا آپ کب لے کر آئیں گے ماما کو۔'' ریاض احمد نے جانے کے لئے جب قدم بڑھائے تو منال نے اختیار ہو کر ان سے پوچھا۔

''بہت جلد، انشا اللہ۔'' اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر انہوں نے محبت سے بھرپور لہجے میں کہا پھر بولے۔

''تم بس دعا کرتی رہنا کہ اللہ پاک تمہاری ماں کی آنکھوں پر جو پٹی بندھی ہے اسے جلد از جلد اتار دے۔'' وہ کہہ کر کے نہ تھے۔

☆☆☆

ہم چھین لیں گے تم سے یہ شان بے نیازی
تم مانگتے پھرو گے اپنا غرور ہم سے

وہ کچن میں پانی پینے کے لئے آیا تھا، سامنے ہی وہ لاپرواہ سے حلیے میں کھڑی نہ صرف خود سے بلکہ اپنے اردگرد سے بھی غافل تھی اور اسے یوں کھڑا دیکھ کر فراز شعر پڑھے بغیر نہ رہ سکا تھا اور شعر کے معنی و مطلب سمجھتے ہوئے وہ بے اختیار چونکی تھی۔

''وہ آپ باہر چلیں میں کھانا، کھانا لگواتی ہوں۔'' اپنی دانست میں اس نے فراز کو کچن سے باہر جانے کے لئے کہا تھا۔

''کیا تمہیں میری ''طلب'' کا احساس ہے۔'' وہ دھیرے دھیرے چلتا، دیگچی میں چمچ چلاتی منال کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا، اس کے سانسوں کی تپش منال کو اپنے کندھوں پر محسوس ہو رہی تھی، ہر گزرتے دن کے ساتھ فراز کی ''شدت جذبات'' میں اسے اضافہ ہوتا محسوس ہو رہا تھا، وہ جانتی تھی کہ وہ وقت دور نہیں ہے جب وہ اس کے جذبات کے آگے ہار جائے گی، ابھی تو وہ کسی نہ کسی طرح اسے ٹال دیتی تھی، مگر ایسا زیادہ عرصہ تک نہیں چل سکتا تھا، کسی بھی مرد کے لئے اپنی خواہش اور خوشی سے زیادہ عرصہ دور رہنا ممکن نہ تھا۔

''وہ...... میں کھانے کی بات کر رہی تھی۔'' فرار کی راہیں تلاش کرتے ہوئے اس نے یہ مشکل تمام کہا، ورنہ فراز کی قربت اس کے حواس گم کرنے کے لئے کافی تھی۔

''میں بھی تو اپنی ''خواہش'' کی بات کر رہا ہوں۔'' لہجہ اور انداز دونوں معنی خیز تھے اور اس سے پہلے کہ وہ اپنی ''خواہش'' کے اظہار کا کوئی عملی مظاہرہ کرتا باہر سے حنا کی آواز آ گئی۔

''بھابھی امی کہہ رہی ہیں کہ کھانا لگا دیں۔''

''اوہ شٹ۔'' وہ خالی مکہ فضا میں لہراتا ہوا بولا اور پھر وہ جو شکر ادا کرتی برتنوں کی جانب بڑھ رہی تھی اس کے تاثرات دیکھتا باہر نکل آیا۔

''اف بھابھی، یہ...... یہ کوفتے ہیں۔'' سب سے پہلے عیاض نے ڈونگے میں چمچ ہلاتے ہوئے ٹوکا، عجیب عجیب سی شیپ کے کوفتے ڈونگے میں موجود تھے ان میں سے کچھ ٹوٹ بھی چکے تھے، اس لئے عیاض کا مذاق بنانا یقینی تھا۔

''بری بات عیاض، تمہاری بھابھی نے اتنی محنت سے تم لوگوں کے لئے کھانا بنایا ہے اور تم ہو کر نقص نکال رہے ہو۔'' انہوں نے بیٹے کو گھر کا۔

''اصل میں بڑی ماما، میں نے یہ پہلی بار بنائے ہیں، کچھ سمجھ ہی نہ آ رہا تھا پہلے سوچا کہ آپ سے پوچھ لوں، مگر پھر یہ سوچ کر چپ ہو گئی کی آپ آج مارکیٹ سے اتنا تھک کر آئی تھیں پھر آ کر کچن میں میرے ساتھ لگ جائیں اس لئے میں نے ریسپی دیکھ کر بنا ہے مگر یہ۔'' وہ شرمندگی سے وضاحت کر رہی تھی۔

''افوہ یار، ٹیسٹ تو دیکھو، کیا زبردست ٹیسٹ ہے۔'' اس کی شرمندگی کم کرنے کی خاطر فراز نے نوالا منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں بھائی آپ کو تو واقعی ٹیسٹی لگیں گے، آپ کی بیگم نے جو بنائے ہیں۔'' عیاض نے مسکراتے ہوئے اس پر چوٹ کی۔

''تمہیں بھی یقیناً ٹیسٹی لگیں گے جب تم یہ سوچ کر کھاؤ گے یہ میری پیاری بھابھی نے اپنے پیارے پیارے ہاتھوں سے بنائے ہیں۔'' اس کے چوٹ کرنے پر فراز مزید شوخ ہوا تھا۔

''افوہ بچو، کیا ہو گیا ہے تمہیں، اگر میری بہو کے بنائے گے کوفتے کسی کو پسند نہیں ہیں تو وہ یہ رات والی دال کھا لے مگر فضول میں میری بہو کے بنائے گئے کھانے میں نقص نہ نکالے۔'' اس سے پہلے کہ وہ دونوں بھائی باقاعدہ چونچ لڑاتے نصرت جہاں نے دال کا ڈونگہ ان کے آگے رکھتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی کوفتوں کا ڈونگہ اٹھا لیا۔

''یہ کیا امی، میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا بھائی کو چڑانے کے لئے، پلیز آپ یہ ڈونگا ادھر دے دیں۔'' عیاض نے لجاجت سے کہا۔

''اب آئے ہونا راہ راست پر، چلو بچوں سب خاموشی سے کھانا کھاؤ۔'' نصرت جہاں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا اور پھر خاموشی سے سب نے کھانا کھایا۔

☆☆☆

''وہ بڑی ماما کہہ رہی تھیں کہ آپ کھانے کے بعد چائے لیتے ہیں اس لئے یہ چائے۔''

کھانا کھانے کے بعد کمپیوٹر آن کیے وہ کوئی ضروری فائل بنانے میں مگن تھا جب منال گرم گرم بھاپ اڑاتا مگ لیے چلی آئی۔

جس دن سے ریاض احمد اس سے مل کر گئے تھے اس دن سے وہ اس گھر اور اس گھر کے مکینوں سے کافی گھل مل گئی تھی، وہ خودسری جو وہ اکثر فراز کے سامنے وہ کر جاتی تھی، وہ بھی اب اس کے رویے میں مفقود ہو گئی تھی، پیرٹ گرین شفون کے سوٹ میں ہم رنگ چوڑیاں ڈالے دلکش نقوش لئے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی، اس کے دلکش سراپے میں کھوئی نظریں جب واپس پلٹیں تو ان کی چمک میں حد درجہ اضافہ ہو چکا تھا۔

''صرف چائے ہی لائی ہو یا ساتھ میں اپنی ''چاہ'' بھی لے کر آئی ہو۔'' معنی خیز انداز میں کہہ کر فراز نے ایک ہاتھ سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اور دوسرے سے چائے کا کپ لیتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''وہ میں...... میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔'' جھجکتے ہوئے اس نے کہنا چاہا۔

''جی کہیے کہیے، ہم تو نجانے کب سے آپ کو ''سننا، سمجھنا اور محسوس'' کرنا چاہتے ہیں مگر آپ ہیں کہ ہماری پرواہ ہی نہیں کرتیں۔'' انداز و لہجہ مزید شوخ ہوا۔

''پلیز فراز، آپ مجھے پریشان کیوں کرتے ہیں میں ابھی۔''

''مائی سویٹ ہارٹ اگر میں تمہیں پریشان نہیں کروں گا تو پھر کسے کروں گا آئی ایم لو و دیو تم آخر کب تک۔'' اس کے دونوں ہاتھوں پر اپنی محبت بھری گرمی کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے اس نے کہا۔

''جب تک ماما یہاں میرے پاس نہیں آ جاتیں، جس طرح آپ کے بڑے آپ کی خوشی میں خوش تھے تو آپ نے یہ قدم اٹھایا، اسی طرح میں بھی یہ چاہتی ہوں کہ میرے بڑے بھی میری خوشی میں خوش ہوں تب میں اس رشتے کی شروعات کروں، میں اپنے بڑوں کی رضا اور خوشی کے بغیر اپنی اس نئی زندگی کی شروعات نہیں کر سکتی، مجھے ڈر لگتا ہے ماما وہ آپ کو دل سے تسلیم نہیں کرتیں اس لئے مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ سب کچھ......'' بے اختیار ہی اپنے دل کا خوف اس کی زبان پر چلا آیا تھا، تب ہی دھیرے دھیرے اسے تمام حکایت دل اس نے سنا ڈالی۔

جس دن سے وہ لوگ ایک چھت تلے رہنے لگے تھے یہ پہلی بار تھا کہ وہ اپنے ''حق و فرض'' پر باقاعدہ بات کر رہے تھے، فراز کی بڑھتی بے قراریوں پر بند باندھنا جب منال کو مشکل لگنے لگا تو وہ اس سے دانستہ بات کرنے چلی آئی دوسری طرف اس کی تمام بات سن کر وہ دل ہی دل میں اس کی سوچ اور خواہش سے بہت متاثر ہوا تھا۔

''اوکے میری جان میں اس وقت کا خوشدلی سے انتظار کروں گا۔'' فراز نے دھیرے سے اس کے ہاتھ لبوں تک لے جاتے ہوئے کہا اور پھر اپنے یقین کی مہر اس کے ہاتھ کی پشت پر ثبت کرتا وہ چائے کی جانب متوجہ ہو گیا۔

☆☆☆

ریاض احمد جس وقت آفس سے گھر جا رہے تھے ان کے موبائل پر فراز کی کال آئی تھی۔

''ہیلو چچا جان اس وقت آپ کہاں ہیں۔'' رسمی سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا۔

''اس وقت تو میں گھر جا رہا ہوں لیکن بتاؤ، سب خیریت ہے نا۔'' انہوں نے جواب دیا۔

''جی بالکل خیریت ہے وہ ایکچولی میں نے تمام انفارمیشن جمع کر لی ہیں اس لئے جب آپ مناسب سمجھیں اس لڑکی سے مل لیجئے گا، ایڈریس میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں۔'' فراز نے تفصیل سے انہیں آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے فراز، اس وقت تو میں گھر جا رہا ہوں کیونکہ مجھے کافی تھکن محسوس ہو رہی ہے اس لئے پھر کسی دن میں اس لڑکی سے مل لوں گا۔'' وہ دونوں اس وقت مبہم سے انداز میں بات چیت کر رہے تھے۔

''چلیں ٹھیک ہے، جیسے آپ کو بہتر لگتا ہے کر لیں، اب باقی کا معاملہ آپ کس طرح ہینڈل کرتے ہیں یہ آپ پر ڈیپنڈ کرتا ہے۔'' فراز نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر فون بند کرنے سے قبل بولا۔

''بی بریو انکل، آپ کا یہ بیٹا آپ کے ساتھ ہے اس لئے جب بھی میری ضرورت پڑے، بلا جھجک مجھے آواز دے لیجئے گا اوکے بائے۔'' مضبوط لہجے میں انہیں اپنے بھرپور ساتھ کا یقین بخشتا فون بند کر گیا تھا۔

گھر میں داخل ہوتے ریاض احمد نے نوٹ کر لیا تھا کہ آج یقیناً ثریا بیگم کا موڈ آف ہے وجہ کیا تھی اس آف موڈ کی اس سے وہ قطعی نا آشنا تھا، اگرچہ کہ تھکاوٹ کے سبب وہ آج جلدی گھر آ گئے تھے کہ کچھ دیر ریسٹ کرنے سے شاید ان کی طبیعت بہتر ہو جائے مگر گھر آنے کے بعد انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ جلدی گھر آ کر ان کی طبیعت بہتر ہونے کی بجائے مزید خراب ضرور ہو جائے گی۔

''کیا بات ہے ثریا بیگم لگتا ہے کہ آج تمہاری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔'' اپنے طور پر انہوں نے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کی تھی۔

''میری طبیعت کے ٹھیک ہونے یا نہ ہونے کی تمہیں کیوں پرواہ ہونے لگی، تم تو اپنی ہی دنیا میں مگن رہو، تمہاری بلا سے اس گھر میں کچھ ہو یا مجھے کچھ ہو تمہیں کیا۔'' وہ غصے سے بھرے لہجے میں بولیں۔

''اب کیا ہو گیا ہے تمہیں یا پھر یہ ہی بتا دو کہ اس گھر کو کیا ہو گیا ہے۔'' سابقہ انداز میں انہوں نے پوچھا۔

''مجھے یا اس گھر کو جو کچھ بھی ہوا ہے، اس کے لئے تمہیں پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے تم تو وہ انسان ہو جو سانپ کے گزرنے کے بعد لکیر کو پیٹنا تو دور کی بات اس کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتا، دوسرے لفظوں میں تمہاری نظر میں نہ تو سانپ کی اہمیت ہے اور نہ لکیر کی۔'' غصے سے دانت پیستے ہوئے انہوں نے کہا، ان کا اشارہ جس بات کی طرف تھا ریاض احمد اچھی طرح سمجھ چکے تھے۔

''ثریا بیگم بعض اوقات ہماری نظروں کو دھوکا بھی تو ہو سکتا ہے، سانپ کے بجائے وہ لکیر کسی رسی کی بھی تو ہو سکتی ہے پھر اس لکیر کو پیٹ پیٹ کر اپنا وقت ضائع کیوں کریں۔'' ریاض احمد سادہ سے انداز میں بہت گہری بات کر گئے تھے اور ان کی اس گہری بات نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا کہ وہ بے اختیار بھڑک اٹھیں۔

''تم...... تم ریاض احمد نجانے کس مٹی کے بنے ہوئے ہو، تمہارا بھتیجا تمہارے دروازے پر تمہاری عزت کی دھجیاں بکھیرنے کے لئے پولیس کو لے کر آ گیا مگر تم پہ کوئی اثر نہ ہوا۔''

''تو کیا کرتا میں، منال اس کی شرعی بیوی تھی۔'' یہ بھتیجے کی دی گئی ہمت ہی تھی کہ وہ آج پہلی بار اس کی طرف داری میں بولے تھے۔

''ہاں یہ بھی تم ٹھیک کہہ رہے ہو، منال اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی شرعی بیوی ہی تو تھی پھر میری کیوں عقل ماری گئی تھی جو میں تم سے یہ آس لگا بیٹھی تھی کہ اس ٹٹ پونجیے سے منال کو طلاق دلوانے میں تم میرا ساتھ دو گے میں یہ بات کیوں بھول گئی تھی کہ تمہاری اماں نے یہ رشتہ جوڑا ہی تمہاری رضا مندی سے تھا پھر تم کیوں اس رشتے کو توڑنے میں میرا ساتھ دو گے، پاگل تھی نا میں جو اپنی بیٹی کی بھلائی کے لئے کنویں کے ان مینڈکوں سے رشتہ توڑ کر اپنے لینڈ لارڈ بھتیجے سے جوڑنے چلی تھی، ارے مت ماردی گئی تھی میری، جو تم سے اور تمہارے خاندان سے رشتہ جوڑ بیٹھی اسی لئے...... اسی لئے اپنی بیٹی کو ان کنگلوں سے دور رکھنا چاہتی تھی میں اور وہ شاہد...... شاہد کتنا چاہتا تھا منال کو، اپنی ساری دولت جائیداد منال کے نام کرنا چاہتا تھا مگر تمہاری بیٹی، وہ تو میرے منہ پر کالک مل کر یہ جا وہ جا ہوئی۔'' ثریا بیگم حسب عادت جو منہ میں آ رہا تھا بولے چلی جا رہی تھیں، بات کا بتنگڑ بنانا کوئی ان سے سیکھتا۔

''یہ بھی شکر ہے کہ تمہاری بیٹی کی اصلیت ہم پر کھل گئی ورنہ میں زور زبردستی سے اسے طلاق دلوا کر شاہد سے بیاہ دیتی تو کتنا بڑا دھوکا ہوتا میرے بھتیجے کے ساتھ۔'' وہ مزید گل افشانیاں کرتیں بے اختیار ریاض احمد چیخ اٹھے۔

''بس ثریا بیگم بس، میری بیٹی کی اصلیت کھلنے پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اگر پریشان ہونا ہی ہے تو اپنے بھتیجے کی اصلیت کھلنے پر پریشان ہونا جو دوسرں کو دھوکا دینا جانتا ہے وہ خود کیسے کسی کے دھوکے کا شکار ہو سکتا ہے اور اگر اپنے بھتیجے کی اصلیت جاننا چاہتی ہو تو آؤ میرے ساتھ، تمہاری روز کی فضول بکواس سننے بہتر ہے کہ میں تمہیں حقیقت دکھا اور بتا ہی دوں تو بہتر ہے، چلو آؤ میرے ساتھ۔'' میز پر سے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے ریاض احمد نے دوٹوک انداز میں کہا، دوسری طرف ریاض احمد کے تیور اور انداز دیکھ کر ثریا بیگم ایکدم سکتے میں آ گئی تھیں، انہوں نے کبھی ثریا بیگم سے اونچی آواز میں بات نہ کی تھی اور بلکہ ثریا بیگم نے بھی انہیں اونچی آواز میں بات کرنے ہی نہ دی تھی پھر آج آج انہیں کیا ہو گیا تھا۔

''ثریا بیگم چلو میرے ساتھ۔'' انہوں نے اسی مضبوط لہجے کے ساتھ کہا اور پھر اس کا بازو کھینچتے ہوئے باہر لے گئے، وہ بھی سکتے کی کیفیت میں ان ساتھ چلتی چلی گئیں۔

''یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو۔'' ایک فلیٹ کے دروازے کے سامنے وہ رکے تھے جب ثریا بیگم نے کہا، جبکہ ریاض احمد اس کی بات کو نظر انداز کرتے دروازے کو ناک کرنے آگے بڑھے تھے۔

''کون؟'' اندر سے آواز آئی تھی اور پھر اگلے ہی لمحے دروازہ کھل گیا۔

''جی فرمائیے۔'' جدید تراش کے کپڑے پہنے اندر سے ایک لڑکی برآمد ہوئی تھی اپنے سامنے دو اجنبیوں کو کھڑا دیکھ کر اس نے نہایت شائستگی سے پوچھا۔

''وہ بیٹا کیا ہم اندر آ سکتے ہیں، ایکچوئلی ہم یہاں آپ کے پڑوس میں رہتے ہیں، آپ سے کچھ ضروری بات کرنی تھی اس لئے۔'' ریاض احمد نے وضاحت آمیز انداز میں کہا۔

''جی آیئے۔'' دروازے سے سائیڈ پر ہوتے ہوئے اس لڑکی نے کہا۔

''بیٹا وہ مجھے آپ کے شوہر شاہد کاظمی سے بات کرنی تھی، اگر وہ اس وقت گھر پر ہیں تو۔'' ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بعد فراز احمد نے کہا، ثریا بیگم اس تمام عرصے میں خاموش بت کا کردار ادا کر رہی تھیں مگر جب ریاض احمد نے ان کے بھتیجے شاہد کاظمی کا نام لیا تو وہ بے اختیار چونک کر ریاض احمد کی جانب متوجہ ہوئی تھیں دوسری طرف ریاض احمد بھی اس کا چونکنا محسوس کر چکے تھے تب ہی نظروں ہی نظروں میں اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''شاہد کاظمی اب میرے شوہر نہیں رہے اس لئے آپ۔'' جواب دیتے سمے اس لڑکی کی آواز ایکدم سے بھرا گئی تھی۔

''کیا مطلب بیٹا ابھی کل تک تو۔'' لڑکی کا جواب ریاض احمد کے لئے بالکل غیر متوقع تھا، تب ہی بے اختیار چونکتے ہوئے بولے۔

''جی کل تک میں ان کی بیوی ہی تھی مگر آج صبح انہوں نے مجھے طلاق دے دی ہے۔'' اپنے آنسو ضبط کرتی وہ بہ مشکل بولی تھی، شاید یہ اس دکھ کی شدت ہی تھی جو اس نے کسی قسم کی کوئی بات ان سے نہ چھپائی تھی۔

''نت نئی لڑکیوں سے پیار کا جال بچھا کر خفیہ شادی کرنا اور پھر اسی خاموشی سے انہیں چھوڑ دینا شاہد کاظمی کا مشغلہ ہے، کتنا سمجھایا تھا مجھے میرے ماما پاپا نے مگر میں نے ان کی کوئی بات نہ سنی تھی، یہ ان کی بددعائیں ہی ہیں کہ آج میرے ساتھ یہ سب کچھ ہوا۔'' آنسو پلکوں کی باڑھ توڑ کر اس کی قمیض کے دامن میں جذب ہو رہے تھے۔

''دیکھا ثریا بیگم، یہ معصوم لڑکی اس شاہد کاظمی کی کل تک بیوی تھی جس سے تم اپنی بیٹی کو بیاہنے کے سپنے دیکھ رہی تھیں اور آج اس نے اسے طلاق دے دی ہے یقیناً کوئی نیا شکار پھانس لیا ہو گا۔'' ریاض احمد نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا، وہ یہاں ثریا بیگم کے بھتیجے شاہد کاظمی کی اصلیت خود ثریا بیگم پر کھولنے کے لئے اسے یہاں لے کر آئے تھے۔

''جھوٹ...... جھوٹ بولتی ہے یہ میرا بھتیجا ایسا نہیں ہو سکتا، وہ تو میری بیٹی منال سے شدید محبت کرتا ہے۔'' تمام بات سن کر ثریا بیگم ہتھے سے ہی اکھڑ گئی تھیں۔

''ایک منٹ آنٹی۔'' اس لڑکی نے اٹھتے ہوئے کہا، اپنے سامنے ہونے والی بات چیت سے اسے کسی حد تک تو اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ مرد اور عورت اس کے پاس کس سلسلے میں آئے ہیں، اپنی زندگی تو وہ برباد کر چکی تھی کسی اور کی زندگی اگر وہ برباد ہونے سے بچا سکتی ہے تو اسے بچانی چاہیے اور اسی سوچ اور خیال کے تحت ہی وہ اٹھی تھی اور جب واپس ان کے سامنے آئی تو اس کے ہاتھ میں چند تصویریں تھیں۔

''یہ دیکھیں کیا آپ اس شخص کی بات کر رہی ہیں۔'' تصویر ان کے سامنے کرتے ہوئے اس لڑکی نے کہا۔

''ہاں یہ تصویر تو شاہد کی ہے اور یہ اس کے قریب بیٹھی لڑکی تم۔'' تصویر پر نظر ڈالتے ہی ثریا بیگم کو زبردست شاک لگا تھا، جس بھتیجے کی شان میں وہ ہر وقت زمین آسمان کے قلابے ملاتی رہتی تھیں وہ بڑی شان سے اس لڑکی کے بے حد قریب کھڑا مسکرا رہا تھا اور پھر اس لڑکی نے اسی طرح کی مزید کئی تصاویر ان کے سامنے رکھیں، اپنا نکاح نامہ اور طلاق نامہ بھی ثبوت کے طور پر انہیں دکھایا۔

''میں جس وقت اس راستے پر شاہد کے ساتھ چل رہی تھی اس وقت میں یہ نہیں کہتی کہ مجھے کوئی سچائی بتانے والا نہ تھا، خود شاہد کی پہلی بیوی سے میں ملی تھی، شاہد نے اس وقت کئی طرح کے بہانے بنائے تھے، یہ کہ اس کے ماں باپ نے زبردستی اس کی شادی اس لڑکی سے کروا دی وہ اس لڑکی کو پسند نہیں کرتا اور یہ کہ وہ محبت تو صرف اور صرف مجھ سے کرتا ہے، اس طرح کے نجانے کتنے بہانے بنائے تھے اس نے اور میں بھی اس کے خوبصورت لفظوں کے جال میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھنستی چلی گئی تھی تب ہی تو نہ عقل آئی اور نہ شعور نہ ماں باپ کی عزت کی فکر کی اور نہ سماج کے رویوں اور باتوں کی پرواہ کرے گی، بالآخر ایک دن میرے ساتھ بھی وہی کچھ ہوا جو مجھ سے پہلی لڑکی کے ساتھ اس نے کیا تھا وہ ایک دل پھینک امیر عاشق ہے، لڑکیوں کے جذبات سے کھیلنے میں بڑا ماہر ہے وہ نجانے کتنی لڑکیوں کی زندگیاں اس طرح تباہ کر چکا ہوگا۔'' وہ لڑکی جب بولنے پر آئی تو تمام باتیں کھولتی چلی گئی، سچائی اس کے لہجے سے عیاں تھی اور یہ سب دیکھ کر ثریا بیگم تو مارے صدمے کے کچھ بول ہی نہ پا رہی تھیں۔

''آئی ایم سوری بیٹا، ہم لوگوں نے آ کر آپ کا دکھ ہرا کر دیا، بٹ تھینکس کہ آپ نے ہماری آنکھوں پر بندھا پردہ اتار کر حقیقت تک ہماری رسائی کی۔'' ریاض احمد نے اٹھتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا اور پھر باہر نکل گیا، ثریا بیگم بھی نادم سی ان کے پیچھے پیچھے تھیں۔

☆☆☆

اپنے گھر کے گیٹ پر گاڑی روکتے ہوئے ریاض احمد نے خاموش گم صم نادم سی بیٹھی ثریا بیگم پر ایک گہری نظر ڈالی تھی۔

''ثریا بیگم میری بیٹی نے خود پر ہر خوشی حرام کی ہوئی ہے صرف اس لئے کہ اس کی ماں اس سے ناراض ہے۔'' ریاض احمد بولنا شروع ہوئے۔

''تمام حقیقت سے واقف ہونے کے بعد کیا اب بھی تم یہی کہو گی کہ فراز نے کوئی غلط قدم اٹھایا ہے، تمہیں تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے ثریا بیگم کہ اس نے تمہاری بیٹی کی زندگی برباد ہونے سے بچا دی ہے، حقیقی محبت کرنے والا شوہر تمہاری بیٹی کے نصیب میں لکھ دیا ہے اس نے، ورنہ تمہاری دھمکیوں کے بعد منال کو طلاق دینا فراز کے لئے کون سا مشکل تھا مگر نہیں وہ منال سے سچی محبت کرتا تھا تب ہی اس نے منال کے حصول کے لئے ایک غلط قدم اٹھایا جسے بنیاد بنا کر تم نے ...... خیر چھوڑو یہ باتیں اور یہ بتاؤ کہ اگر تم اپنی سابقہ غلطیوں پر شرمندہ ہو تو میرے ساتھ بلا جھجک اپنی بیٹی کو ملنے جا سکتی ہو ہاں اگر تمہیں اپنے کیے پر کوئی شرمندگی نہیں ہے تو بے شک اتر کر اپنے گھر چلی جاؤ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔'' ریاض احمد نے فیصلہ ان پر چھوڑ دیا اور خوان کے فیصلے کے انتظار میں گاڑی سے باہر دیکھنے لگے، کچھ دیر تک تو انہوں نے ثریا بیگم کے اترنے کا انتظار کیا، مگر جب وہ اس طرح نادم سی خاموش بیٹھی رہیں تو انہوں نے گاڑی بھائی کے گھر کی طرف بڑھا دی۔

ماں کے گلے سے لگی وہ کافی دیر تک روتی رہی تھی، بہت سارے گلے شکوے تھے، انجانے میں وہ اپنی بیٹی کی زندگی برباد کرنے چلی تھیں، وہ غفور والرحیم جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔

''ارے یہ کیا چچا جان آپ تو کہہ رہے تھے کہ۔'' فراز جس وقت آفس سے گھر آیا سامنے کا منظر دیکھ کر حیرت کی شدت سے بولا۔

''بس یار ہم دنیا میں ہر چیز کی پلاننگ تو کرتے رہتے ہیں مگر ہوتا وہی ہے جو ہمارے رب کو منظور ہوتا ہے۔'' انہوں نے نصرت جہاں اور ثریا بیگم کو آپس میں باتوں میں مصروف دیکھ کر کہا۔

''فراز بیٹا مجھے معاف کر دو، وقت نے ثابت کر دیا ہے کہ کبھی کبھی بڑوں سے بھی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔'' ثریا بیگم نے فراز سے کہا۔

''چچی جان آپ میری بڑی ہیں بے شک میں آپ سے چھوٹا صحیح مگر اس طرح مجھ سے معافی مانگ کر مجھے اس قدر چھوٹا مت کریں کہ میں خود سے بھی نظریں نہ ملا پاؤں۔'' فراز نے کھلے دل سے انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے کہا، بہت سے گلے شکوؤں کے بعد ماحول ایکدم سے زبردست ہو گیا تھا۔

''بس بھئی ثریا اور ریاض اب تم لوگ بھی پروگرام بنا لو، کیونکہ میرا تو عید کے بعد عمرہ پر جانے کا پکا پروگرام ہے اور میں چاہتی ہوں کہ میرے ساتھ تم دونوں بھی اللہ کے گھر کی زیارت کرنے چلو۔'' نصرت جہاں نے بڑے پن سے کہا۔

''ارے واہ بھابھی اس تو اچھی کوئی بات ہے ہی نہیں، کیونکہ بیگم، اس نیک کام میں تمہارا کیا خیال ہے۔'' ریاض احمد نے خوشدلی سے ثریا بیگم سے پوچھا۔

''جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔'' انہوں نے سب کچھ ان پر چھوڑ دیا۔

''تو ٹھیک ہے ریاض، ہم تینوں کے کاغذات کی تیاری کی ذمہ داری ہم لوگ فراز کے ذمہ لگا دیتے ہیں۔'' نصرت جہاں نے کہا اسی وقت ایکدم سے باہر شور گونجا تھا۔

''لگتا ہے عیاض اور فراز بکرے لے آئے ہیں چلو چل کر دیکھتے ہیں۔'' نصرت جہاں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''کیا ہے عیاض اسے پیچھے کرو یہ...... یہ مجھے ٹکر مار دے گا۔'' منال چونکہ بکرے کے بڑے بڑے سینگوں سے ڈر رہی تھی اس لئے عیاض سے بولی۔

''واہ بھابھی آپ اس بے زبان بکرے سے ڈر رہی ہیں، ارے ڈرنا ہے تو اپنے مجازی خدا سے ڈرا کریں۔'' وہ بھی چھیڑنے سے باز نہ آیا۔

''مجازی خدا سے تو بہت ڈرتی ہیں محترمہ، اب ہی تو وقت آیا ہے ان کا ڈر دور کرنے کا کیوں جان فراز۔'' منال کے قریب کھڑے فراز نے آخری فقرہ ہلکی سی آواز میں صرف منال کو سنانے کے لئے کہا۔

دونوں کی نظریں آپس میں ٹکرائی تھیں فراز کی گہری بولتی نظریں جیسے اسے کہہ رہی تھیں کہ تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے جبکہ منال کی نظروں میں میٹھا میٹھا سا خوف تھا، کچھ دور کھڑی ثریا بیگم ان دونوں کو ایک دوسرے میں کھوئے دیکھ کر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہی تھیں۔

☆☆☆

انا کی قید سے نکلے مقابلہ تو کرے
وہ میرا ساتھ نبھانے کا حوصلہ تو کرے
کبھی نہ ٹوٹنے والا حصار بن جاؤں
وہ میری ذات میں رہنے کا فیصلہ تو کرے

''امی! وہ میں منال کو شاپنگ پر اپنے ساتھ لے جاؤں۔'' نصرت جہاں اپنا جیولری باکس کھولے بیٹھی تھیں جب فراز ان کے پاس آیا اور آتے ہی اپنے دل کی خواہش بیان کی۔

''ہاں ہاں بیٹا کیوں نہیں، میں ابھی بلاتی ہوں منال کو...... منال...... منال بیٹا کہاں ہو تم۔'' انہوں نے اس جواب دینے کے ساتھ ہی منال کو آواز دے ڈالی۔

''جی بڑی ماما، آپ نے مجھے بلایا ہے۔''

اگلے ہی پل براؤن گرم سوٹ پہنے منال ان کے سامنے تھی، چونکہ کچن سے آئی تھی اس لئے ہاتھ آٹے سے بھرے ہوئے تھے۔

''بیٹا فراز تمہیں اپنے ساتھ شاپنگ پر لے جانا چاہتا ہے، اس لئے کچن کا کام حنا دیکھ لے گی اور تم تیار ہو کر اس کے ساتھ چلی جاؤ۔''

''لیکن بڑی ماما، میں نے تو اپنی عید کی تمام شاپنگ حنا کے ساتھ جا کر مکمل کر لی ہے اس لئے مجھے تو کوئی شاپنگ نہیں کرنی۔'' سامنے بیٹھے فراز کی گہری نظروں سے بزل ہوتے ہوئے اس نے کہا۔

''بیٹا خوش قسمت ہوتی ہیں وہ عورتیں جن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے شوہران کی خریداری میں دلچسپی رکھتے ہیں، پہلے تم نے جو کچھ بھی خریدا تھا اپنی مرضی سے خریدا تھا اب کچھ خریداری فراز کی مرضی سے بھی کرلو، جاؤ شاباش جلدی سے تیار ہو کر آؤ، کل عید ہے پھر باقی کی تیاریاں بھی کرنی ہے۔'' انہوں نے پیار سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے بڑی ماما، پھر میں حنا کو اپنے ساتھ لے لیتی ہوں، وہ ایکچوئلی اس کی چوائس بہت اچھی ہے اس لئے میں۔''

''چوائس تو میرے بیٹے کی بھی زبردست ہے، تم ایک بار اس کے ساتھ جا کر اعتبار کر کے تو دیکھو۔'' انہوں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''جاؤ جلدی سے تیار ہو کر آؤ۔'' تب وہ مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق تیار ہونے چل دی۔

☆☆☆

''ہاں تو میری جان، کب تک تم اپنے ساتھ کوئی نہ کوئی دم چھلہ لگا کر پھرو گی کبھی نہ کبھی تو میرے ہاتھ آؤ گی ہی وہ کیا کہتے ہیں کہ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔'' گاڑی میں بیٹھتے ہوئے فراز نے بھرپور شرارت سے کہا۔

''آپ مجھے بکرا کہہ رہے ہیں۔'' منال نے غصے سے پوچھا۔

''نہیں میں تمہیں بکرے کی ماں کہہ رہا ہوں کیوں میرا دیا گیا یہ نام پسند نہیں آیا تو چلو پھر جان فراز کہہ لیتے ہیں۔'' وہ شوخ موڈ میں بات سے بات نکال رہا تھا، اس کی توجہ ڈرائیونگ کی جانب کم اور منال کی جانب زیادہ تھی۔

''آگے دیکھ کر گاڑی چلائیں کیوں مروائیں گے۔'' اس نے فراز کی توجہ ونڈ سکرین کی جانب کروانا چاہی تھی۔

''اچھا ہے نا جان فراز ایک ساتھ جئیں گے اور ایک ساتھ مریں گے۔'' موڈ بدستور شوخ ہو رہا تھا۔

''لیکن مجھے ابھی نہیں رنا، ابھی تو مجھے۔'' وہ بے اختیار ہی بولی تھی اور نجانے مزید کیا کہنے جا رہی تھی کہ بے اختیار زبان دانتوں تلے دبالی، فراز کا بھرپور جاندار قہقہہ گاڑی میں گونجا تھا جس پر وہ مزید پزل ہوگئی۔

''آپ سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔'' اگلے ہی پل وہ غصے سے بولی اور پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

باقی کا سارا وقت وہ اسی طرح خاموش ہی رہی، فراز نے اپنی پسند سے جدید تراش کا بوتیک سٹائل کا شاکنگ پنک کلر کا ڈریس لیا میچنگ کی چوڑیاں، جیولری، شوز، بیگ اور نجانے کیا کچھ، وہ منال کو اپنے ساتھ لے کر ضرور گیا تھا مگر کسی چیز میں بھی اس نے منال کی رائے نہ پوچھی تھی، اپنی مرضی اور چوائس سے ہی وہ سب کچھ خریدتا رہا تھا اور اسے ایسا کرتے دیکھ کر منال سوچ رہی تھی کہ وہ اسے ساتھ کیوں لے کر آیا ہے جب سب کچھ ہی وہ اپنی مرضی سے خرید رہا تھا ہاں مگر دل ہی دل میں اس کی چوائس کی داد ضرور دے رہی تھی۔

☆☆☆

کل عید تھی ڈرائنگ روم میں منال، حنا اور عیاض کے ساتھ بیٹھی نہ صرف مہندی کے نقش و نگار بنا رہی تھی بلکہ دونوں آپس میں گپیں بھی لگا رہی تھیں، ساتھ ہی ساتھ ٹی وی پر چلنے والے پروگرام سے بھی وہ تینوں لطف اندوز ہو رہے تھے، ڈرائی فروٹ کی پلیٹ بھی قریب ہی پڑی تھی جس سے وہ سب لطف اندوز ہو رہے تھے، نصرت جہاں نے ریاض احمد اور ثریا بیگم کو بھی اپنے ہاں ہی روک لیا تھا، اس وقت سب بڑے اپنے اپنے کمروں میں آرام کر رہے تھے، اگر بے چین تھا تو صرف فراز احمد جو اپنے کمرے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے چینی سے ٹہلتا اپنی نصف بہتر کا انتظار کر رہا تھا مگر اس کا انتظار تھا کہ ختم ہونے میں ہی نہ آ رہا تھا اور جب اس کی برداشت جواب دینے لگی تو وہ ڈرائنگ روم میں چلا آیا، عیاض کی کسی بات پر وہ دونوں بے ساختہ ہنس رہی تھیں، منال کو یوں لاپرواہی سے طویل نشست جمائے دیکھ کر اسے بے پناہ غصہ آیا تھا۔

''کیا بات ہے تم لوگوں نے آج سونا نہیں ہے کیا۔'' ان کے سر پر کھڑا وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''ارے بھائی آج بھی کوئی سونے کی رات ہے، عید کی تیاری موج مستی، ہلا گلا سب لوگ چاند رات اسی طرح مناتے ہیں آئیں آپ بھی ہمیں جوائن کر لیں۔'' ٹی وی پر چلتے میوزک پر ٹانگوں کو مسلسل ہلاتے ہوئے عیاض نے جواب دیا۔

''ویسے بھیا میں سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ عید کے بعد ہم ایک پارٹی رکھیں، آپ کا ولیمہ بھی ہو جائے گا اور عید ملن پارٹی بھی، کیوں کیا خیال ہے۔'' فراز کا جواب سنے بغیر عیاض دوبارہ شروع ہو گیا۔

''پھر کیا خیال ہے بھائی۔'' وہ ایک بار پھر متوجہ ہوا۔

''تم اپنے نادر خیالات اپنے پاس ہی رکھو، رات اتنی دیر تک جاگتے رہتے ہو اور پھر صبح اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتے ہو۔'' فراز نے چڑ کر کہا۔

''ویسے بھائی میرے رات اتنی دیر تک سونے والی عادت کہیں آج آپ کو پریشان تو نہیں کر رہی۔'' وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔

''کیوں تمہارے بستر پر میں سونا ہے کیا، میری بلا سے تم رات دیر سے سوؤ یا جلدی لیکن صبح جلدی ضرور اٹھا کرو۔'' فراز نے لہجے کو نارمل بناتے ہوئے کہا۔

''اچھا جاؤ مجھے پانی پلاؤ۔'' پانی پی کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''بھائی بیٹھیں نا آپ، اتنا مزہ آ رہا ہے ہمیں۔'' اس کے اٹھنے پر حنا نے روکا۔

''نہیں حنا، اس وقت مجھے بہت سخت نیند آ رہی ہے۔'' گہری ناراض نظر منال پر ڈالتا وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

کافی دیر بعد جب وہ کمرے میں داخل ہوئی فراز اگرچہ کہ جاگ رہا تھا مگر اس خیال سے سونے کی ایکٹنگ کرنے لگا کہ وہ اپنے لئے منال کی پیش رفت دیکھنا چاہتا تھا مگر جب منال اسی طرح صوفے پر جا کر خاموشی سے لیٹ گئی تو اس کے غصے کا گراف کئی گنا بڑھ گیا۔

☆☆☆

عید کا دن معمول کے مطابق مصروفیت لے کر آیا تھا، سویاں کھا کر سب مرد تیار ہو کر عید کی نماز پڑھنے چلے گئے، خواتین گھر کی صفائی ستھرائی میں مصروف ہو گئیں منال بھی اپنے ذمے لگے تمام کام نبٹا کر تیار ہونے اپنے کمرے میں آئی تھی، عید کے لئے اپنے خریدے گئے کپڑے نکالے تو اس نے پہننے کے لئے مگر پھر فراز کی برہمی کا سوچ کر اس نے واپس رکھ دیئے اور فراز کے خریدے گئے کپڑے نکال لئے بہت دل لگا کر وہ تیار ہوئی تھی، جانتی تھی کہ اس کا موڈ آف ہے۔

فراز عید کی نماز پڑھ کر آیا تو سب سے عید ملنے کے بعد اپنا موبائل لینے جب اپنے کمرے میں آیا تو سامنے اتنی سج دھج سے تیار منال کو دیکھ کر حیران رہ گیا، مکمل دلہن کے روپ میں لگ رہی تھی وہ، اس کے لائے ہوئے ڈریس کے ساتھ میچنگ کی چوڑیاں ڈالے اس کی شان ہی نرالی لگ رہی تھی، خوشگوار حیرت میں گھرا وہ اس کے قریب آیا تھا، سارا غصہ اور ناراضگی اسے اس طرح تیار دیکھ کر اڑن چھو ہو گئی تھی، جب سے وہ یہاں آئی تھی کبھی اس طرح سے تیار نہ ہوئی تھی مگر آج اس کی تیاری دیکھ کر فراز کو خود پر قابو رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔

''جان فراز یہ تم ہی ہو نا۔'' اسے کندھوں سے تھامتے ہوئے فراز نے کہا۔

''تھینک یو، تھینک یو سو مچ کہ تم نے آج کے دن میرا لایا ہوا ڈریس پہنا۔'' بھاری گمبھیر لہجے میں کہتا وہ اس کے بالکل قریب کھڑا تھا۔

''لیکن اس کا دوپٹہ اتنا بھاری ہے کہ سر پر تک ہی نہیں رہا۔'' اس کے ہاتھوں کی حرارت اور نظروں کی چمک سے گھبراتے ہوئے اس نے بہ مشکل اتمام کہا۔

''آج صرف ہماری خاطر اس گستاخ دوپٹے کی گستاخی کو معاف کر کے وہ سنو جو میں کہوں گا اس کے علاوہ کچھ مت سوچو۔'' اس کے سانسوں کی تپش منال کو اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھی اور اس کے بھاری گمبھیر لہجے کی گمبھیرتا نے اس کے دل کی دنیا کو اتھل پتھل کر دیا تھا، فرار کی ساری راہیں فراز نے مسدود کر دی تھیں۔

''اچھا لائیں پہلے میری عیدی دیں۔'' منال نے اس کی توجہ خود پر سے ہٹانے کی خاطر کہا، گلابی حنائی ہتھیلی اس کے سامنے تھی جسے تھامنے میں فراز نے ذرا دیر نہ کی۔

''جان فراز یہ بندہ پورے کا پورا تمہارا ہے اس کے بعد تو کچھ بچتا ہی نہیں ہے دینے کے لئے۔'' فراز نے یونہی اس کا ہاتھ تھامے ہوئے کہا۔

''جانتی ہوں لیکن ابھی مجھے عیدی چاہیے اور بس۔'' لہجے کو مضبوط بناتے ہوئے اس نے اپنا سابقہ مطالبہ دہرایا۔

''بیگم منال فراز احمد پہلی بات تو یہ کہ یہ عید عیدی بانٹنے کے لئے نہیں بلکہ گوشت بانٹنے کی ہے اور دوسری بات چلو میں تمہاری بات مان کر تمہیں عیدی دوں گا مگر پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم مجھے کیا دو گی عیدی میں۔'' اپنا حق مانگتی منال کو بڑی دلچسپی سے دیکھتے ہوئے اس نے کہا، لہجے اور انداز میں حد درجہ شوخی و شرارت تھی۔

''میں...... میں آپ کو کیا دوں گی، میرے پاس تو فی الحال کچھ بھی نہیں ہے۔'' فراز کی اس عجیب و غریب فرمائش پر وہ حیرت سے بولی۔

''ہے نا اگر تم دینا چاہو۔''

''کیا؟'' دھڑکتے دل کے ساتھ منال نے پوچھا۔

''ان چمکتی آنکھوں کی مستی دے دو، ان گلابی گالوں کی لالی اور ان نرم لبوں کی نرمی مجھے دے دو۔'' اس پر جھکتے ہوئے فراز کہہ رہا تھا، جذبوں نے گندھا لہجہ منال کے ارد گرد خطرے کی گھنٹی بجا رہا تھا تب ہی تو اس نے اسے دھکا دے کر بیڈ پر گرایا تھا اور خود کمرے سے بھاگ جانے کا ارادہ تھا مگر برا ہوا کہ فراز نے اپنے ہاتھ میں تھامے منال کے ہاتھ کو ہلکے سے جھٹکا دے کر اسے بھی خود پر گرا لیا۔

پیار کے نرالے کھیل کی شروعات ہو چکی تھی، جس میں وفا اعتبار اور مٹھاس شامل تھی، عید سعید کے اس پرمسرت موقع پر ان کا ملن قدرت کی کرم فرمائی ہی تو تھا۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم آخری جزیرہ ہو

ام مریم

پہلی قسط کا خلاصہ

یہ کہانی شاہ ہاؤس کے مکینوں کے گرد گھومتی ہے، معاذ بے حد صاف گو شوخ اور ہر قسم کے اظہار کے معاملے میں بے باک سمجھا جاتا ہے، دوسری جانب جہانگیر یعنی جہان ہے جس سے معاذ کی سب سے زیادہ بے تکلفی محبت اور دوستی کا رشتہ ہے مگر جہان ہر لحاظ سے اس سے برعکس ہے، سنجیدگی متانت اور گریز کے علاوہ لحاظ اور فرمانبرداری اس کی شخصیت کے رنگ ہیں، وہ زینب شاہ کو دل کی تمام گہرائیوں سے چاہنے کے باوجود اظہار کرنے سے گریز اس کے انا ہی نہیں ٹھکرائے جانے کا انجانا سا خوف بھی ہے، زینب، تیمور خان کو پسند کرتی ہے مگر جہان کے دل کا راز جاننے کو بھی بے تاب نظر آیا کرتی ہے اس کا مقصد صرف جہان کی کمزوری کو پانا ہے۔

نوریہ، معاذ کی پھپھی زاد ہے اور معاذ سے محبت کرتی ہے اس کی اس راز سے زینب کو آگاہی ہوتی ہے تو وہ اسے معاذ سے اظہار پہ آسانی ہے مگر نوریہ اس حق میں نہیں وہ مناسب وقت کی منتظر ہے جب معاذ خود اسے اس کی محبت سمیت قبول کرے۔

منیب الرحمٰن، احسان شاہ کے والد کے دوست ہیں جن کا تعلق پاکستان کے قیام سے پہلے سے بندھا ہوا ہے اکلوتے بیٹے اور بہو کی وفات کے بعد منیب الرحمٰن، نواب شاہ کے ایک دور افتادہ گاؤں میں اپنی پوتی کے ساتھ رہائش پذیر ہیں شدید بیماری کی حالت میں منیب الرحمٰن، احسان شاہ سے رابطہ کرتے ہیں اور پرنیاں کے لئے تشویش کا اظہار کرتے ہیں، احسان شاہ ان کی ان کہی بات کا بھرم رکھتے ہوئے پرنیاں کا نکاح معاذ سے کرنا چاہتے ہیں مگر معاذ یہ سنتے ہی انکار کر دیتا۔

اب آپ آگے پڑھیئے

دوسری قسط

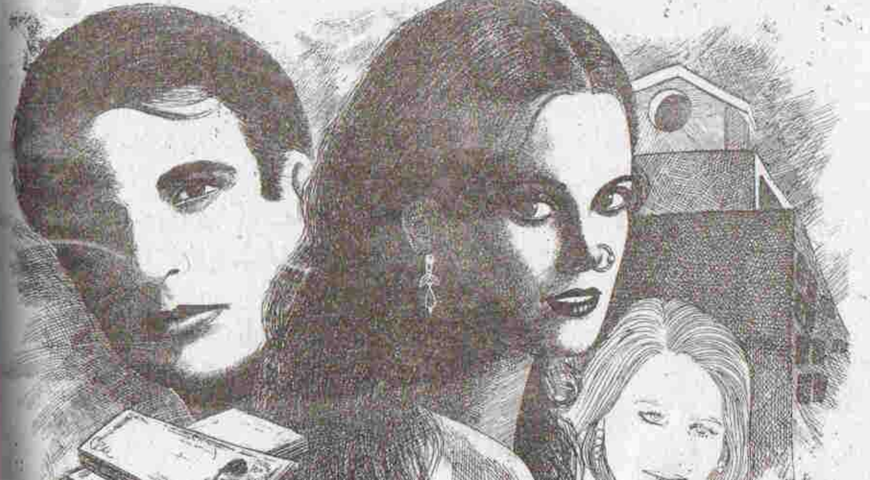

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا دماغ صحیح معنوں میں بھک سے اڑ گیا تھا، اسے لگا تھا وہ اس کھلی بلیک میلنگ اور دھاندلی پہ اپنی جگہ سے حرکت تک کرنے کے قابل نہیں رہا ہے، مگر نہیں یہ غلط تھا اس کے احساسات جتنے بھی شاکڈ تھے مگر پپا کی حرکت نے اسے لمحے کے ہزارویں حصے میں حرکت کرنے اور پھر انہیں اس جذباتی ایکشن سے باز رکھنے پہ بھی اکسایا تھا، وہ بھی اس بلیک میلنگ میں قابو کرلیا گیا تھا، اس جیسا سرکش اور اتھرا ہوا گھوڑا جو اس سے پہلے کبھی کسی کے قابو میں نہیں آیا تھا۔

''ٹھیک ہے پپا میں آپ کی بات ماننے کو تیار ہوں لیکن آپ اس طرح نہیں کریں گے۔'' ان کی ریوالور کی لبلبی پہ دھری انگلی کی سخت گرفت سے احتیاط سے ریوالور نکالتے ہوئے اس کے لہجے میں کتنی بے بسی کس درجہ شکست کا رنگ اترا تھا اس پہ دھیان دینے کی فرصت فی الحال پپا کے پاس نہیں تھی وہ تو گویا صرف اور صرف عہد کی پاسداری کے پابند تھے بس، اس کی بات سن کر انہوں نے قدرے چونک کر مگر بغور اسے دیکھا۔

''تم سچ کہہ رہے ہو؟'' ان کے لہجے میں جو ترنگ جو خوشی یکبارگی اتری اس نے معاذ کے ہونٹوں کو باہم سختی سے بھینچ ڈالا۔

''آپ کو یاد ہو تو میں کبھی جھوٹ اور غلط بیانی سے کام نہیں لیا کرتا۔'' وہ تلخ اکھڑے ہوئے تیز لہجے میں جتلا کر بولا تھا، مگر پپا اس کے انداز و لہجے پہ توجہ دیئے بنا اسے کھینچ کر اپنے گلے سے لگا کر بے تحاشا چوم کر بولے تھے۔

''آئی ایم شیور تم بہت خوش رہو گے۔'' اور ان کی بات کے جواب میں معاذ کے اندر دوڑتا زہر کچھ اور بھی بڑھنے لگا تھا۔

☆☆☆

ذرا پانے کی چاہت میں
بہت کچھ چھوٹ جاتا ہے
نہ جانے صبر کا دھاگہ
کہاں پر ٹوٹ جاتا ہے
کسے ہمراہ ہی کہتے ہو؟ یہاں تو اپنا سایہ بھی
کہیں پر ساتھ رہتا ہے کہیں پر روٹھ جاتا ہے
عجب شے ہے یہ رشتہ بھی
بہت مضبوط لگتا ہے
ذرا سی بھول سے لیکن بھروسہ ٹوٹ جاتا ہے

نکاح رات کے دوسرے حصے میں خاموشی اور سادگی سے کیا گیا تھا اور اگلی صبح وہ منہ اندھیرے ہی روانہ ہو گیا تھا، پپا نے حالانکہ اسے روکنے کی کوشش کی تھی، مگر وہ ان سنی کیئے نکل آیا دل و دماغ میں جیسے کوئی الاؤ دہک اٹھے تھے، اس کا بس چلتا تو رات کو ہی اس منحوس حویلی سے بھاگ جاتا جس نے اسے بے بسی اور بے وقتی کے ایسے احساس سے دوچار کیا تھا کہ وہ جیسے سرتاپا جل اٹھا تھا، دوران سفر بھی وہ کلستا اور سلگتا آیا تھا، اگرچہ پپا نے نکاح سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اسے فریق ثانی سے ملوانے کی کوشش کی تھی مگر وہ ہرگز بھی آمادہ نہیں ہوا تھا، گاؤں کی جاہل گنوار لڑکیاں اسے کبھی بھی اچھی نہیں لگا کرتی تھیں اور ستم ظریفی یہ کہ اس کا نصیب انہی میں سے کسی

ایک لڑکی سے پھوڑ دیا گیا تھا، دل اتنا بھرایا ہوا تھا کہ خودکشی کو مچل رہا تھا، کوئی تک تھی بھلا؟ شہر کی ایک سے ایک مالدار طرحدار اور فیشن ایبل حسین لڑکیاں اس کی پرکشش وجیہہ پرسنالٹی کی وجہ سے اس کی جانب متوجہ ہوتی رہی تھی مگر اس نے کبھی کسی کو ایک حد سے زیادہ لفٹ نہیں دی تھی اور اس کے ساتھ جسے منسوب کیا تھا وہ......؟ اس کا سر کوفت اور تلخی سے پھٹنے لگا، جی چاہا ہر شے کو تہس نہس کر ڈالے۔

''بھائی! پپا کہاں ہیں؟ آپ اکیلے آئے ہیں؟'' کھلے گیٹ سے اندر داخل ہو کر وہ ناک کی سیدھ میں اپنے کمرے کی جانب آندھی طوفان کی طرح سے بڑھ رہا تھا جب ماریہ جانے کہاں سے نکل کر اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی اور گویا اپنی شامت کو آواز دی، معاذ نے اس ناگوار مداخلت پہ قہربار نظروں سے اسے محض ایک نظر گھورا تھا اور پیر پٹختا ہوا آگے بڑھ گیا، ماریہ کی تو گویا روح فنا ہو گئی تھی، وہ اپنے کمرے میں گھسا تو پیچھے دروازہ اتنی زوردار آواز سے بند کیا کہ آواز کم و بیش پورے گھر میں گونجی تھی۔

''یاالٰہی خیر! کیا زلزلہ آ گیا ہے؟'' زینب کچن سے نکل کر بھاگ آئی، سوال سہمی ہوئی ماریہ سے ہوا تھا۔

''زلزلہ نہیں معاذ بھائی آئے ہیں، پتہ نہیں کیوں موڈ بے حد خراب لگ رہا تھا میں تو صرف پپا کا پوچھا جواباً ایسی نظروں سے گھورا کہ مجھے لگا مر جاؤں گی ابھی۔'' وہ منمنا کر کہہ رہی تھی، زینب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''تم بھی ہمیشہ گدھی رہنا، موڈ دیکھ کر بات کیا کرو نا، موصوف تو گاؤں گئے تھے نا، پپا نے بلوایا تھا، کوئی بات مزاج برہم کر گئی ہو گی شہنشاہ جذبات کا خیر تم فکر مت کرو، شام تک ٹھیک ہو جائیں گے۔'' زینب نے اسے تسلی دے کر رخصت کیا اور خود کچن میں آ گئی، مگر شام تو کیا رات تک بھی معاذ کا موڈ بحال نہیں ہوا نہ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا تب سب کو فکر لاحق ہوئی تھی، پہلے زینب پھر مما بھی جا کے وجہ پوچھتی رہیں مگر بند کمرے کے اندر سے پیہم پہ پیٹنے کی آواز تو آتی رہی مگر اس نے کسی بات کا جواب دینا گوارا نہیں کیا تھا ایسا اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا مما کے ساتھ ماما جان کی تشویش بھی یکلخت بڑھ گئی۔

''معاذ بیٹے کیا ہوا ہے، موڈ کیوں آف ہے کچھ بتائیں تو؟'' ماما جان نے خود آ کر دروازہ بجایا تھا ساتھ منت سماجت بھی شروع کی۔

''مجھ سے نہیں اپنے دیور صاحب سے پوچھیں کیا چاند چڑھائے ہیں انہوں نے وہاں گاؤں میں۔'' اس کے جلے کٹے جواب پہ جہاں مما جان کا منہ کھلا مما کا اتھ بے ساختہ ہول اٹھنے والے انداز میں دل تھام کے رہ گیا۔

''بچے کیا واہی تباہی بول رہے ہو؟ نہیں کیا سمجھ آئے گی دروازہ کھولو ڈھنگ سے بات کرو۔'' مما جان نے کس قدر خفگی اور تحکم سے کہا تو کچھ توقف کے بعد چٹخنی گرا دی گئی تھی البتہ دروازہ اوپن نہیں کیا گیا تو وجہ مما جان کے حکم کی تعمیل کے ساتھ اپنی خفگی کا اظہار بھی ضروری سمجھا گیا تھا، مما نے تیزی سے دروازہ دھکیلا تو پہلے قدم پہ ہی چکرا کر رہ گئیں۔ سارے کمرے میں سگریٹ کے دھوئیں کا غبار اور بو پھیلی ہوئی تھی، وہ بے ساختہ کھانسنے لگیں اور سرعت سے پہلے پورا دروازہ کھولا پھر آگے بڑھ کر پردے ہٹا کر کھڑکیاں کھولنے لگیں، اس کام سے فراغت کے بعد پلٹیں تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک پل کو ششدر رہ گئیں۔
ہمیشہ کی طرح اس نے اپنا غصہ کمرے کی اشیاء پر نکالا تھا، کرسٹل واز کارپٹ پہ کرچیوں کی صورت ڈریسنگ کے آئینے کے ساتھ بکھرے پڑے تھے، وارڈروب کے دونوں پٹ کھلے تھے اور کپڑے بے ترتیب ہو کر کچھ لٹک رہے تھے کچھ فرش پر بے ترتیب پڑے تھے دیگر ساماں اشیاء کا بھی حال اس سے مختلف نہیں تھا۔

''معاذ بیٹے اب آپ بچے نہیں رہے ہیں، کب چھوڑیں گے اپنی یہ حرکتیں؟'' مما کے لہجے میں ملال نہیں بے بسی تھی، وہ ہونٹ بھینچے کھڑا رہا، روٹھا روٹھا اکھڑا اکھڑا سا، مما جان کو وہ اس پہ بے ساختہ پیار آنے لگا۔

''یہ سوال آپ مجھ سے کرنے کی بجائے اپنے شوہر نامدار سے کریں، وہ کسی فلم کے ہیرو نہیں ہیں مگر حرکتیں......''

''معاذ!......واٹ نان سینس۔'' مما نے زور سے ڈانٹا مگر وہ خائف نہیں ہوا۔

''جو انہوں نے کیا وہ کس سینس میں ٹھیک کیا؟'' وہ بھڑک اٹھا تھا۔

''کیا ہوا ہے کچھ بتاؤ میں بھی؟'' ان کے سوال نے معاذ کا چہرا پھر غصے کی زیادتی سے سرخ کر دیا۔

''یہ آپ انہی سے پوچھیں ان کے کارنامے میں کیوں بتانے لگا۔'' وہ کس قدر بدتمیزی اور نروٹھے پن سے بولا تو اب کی بار مما جان نے اسے جھڑک دیا تھا۔

''یہ آپ احسان کے لئے کون سا لہجہ اور انداز استعمال کر رہے ہیں بات کرنے کے لئے معاذ! باپ ہیں وہ آپ کے۔'' ان کے لہجے کی سخت تنبیہ نے معاذ کا خراب موڈ کچھ اور خراب کر دیا تھا۔

''جو انہوں نے میرے ساتھ کیا ہے اس پہ میں انہیں کبھی معاف نہیں کر سکتا یہ آپ انہیں اچھی طرح سے سمجھا دیجئے گا اور وہ جو ان کی بہت چہیتی محترمہ ہیں نا اسے تو ساری عمر کے لئے سبق سکھاؤں گا ایسا کہ یاد کرے گی، ساری زندگی شکل نہیں دیکھوں گا اس کی، آئے بڑے، میری زندگی کا فیصلہ کرنے والے۔'' وہ تنک کر بولتا چلا گیا تھا اور جو الفاظ منہ سے نکالے تھے انہوں نے مما اور ماما جان کی الجھن تو بڑھائی ساتھ میں زینب و ماریہ سے صورت حال جان کر اسی سمت آتے جہان کے قدموں کو بھی جکڑ لیا، تینوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ اور استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا تھا پھر مما جان اٹھ کر اس کی جانب آ گئی تھیں۔

''معاذ بیٹے کس کی بات کر رہے ہیں، کس کی شکل نہیں دیکھیں گے؟ وہاں گاؤں میں کیا ہوا ہے آپ کے ساتھ؟'' اب کی مرتبہ ان کا لہجہ متعدل نرم اور پیار بھرا تھا، معاذ نے یونہی تنے ہوئے نقوش سمیت چہرے کا رخ ان کی جانب پھیرا اور پرتپش لہجے میں بولا تھا۔

''آپ کو میرا لہجہ میرا انداز گستاخانہ لگ رہا ہے نا، مگر آپ کو پتہ ہے کہ پاپا نے میرے ساتھ کیا کیا ہے تو......؟'' اس نے ایک بار پھر بات ادھوری چھوڑی اور بھینچی بھینچی سانس کھینچ کر جیسے سر جھٹکا اس انداز نے ان تینوں کو کچھ فکر مند کچھ ہراساں کر ڈالا۔

''تم بولتے کیوں نہیں یار کیا ہوا ہے؟ کیوں پریشان کر رہے ہو؟'' جہان نے کس قدر خفگی سے کہا تو وہ جیسے آگے سے پھٹ پڑا۔

''میں پریشان کر رہا ہوں اور جو مجھے پریشان کیا گیا، بلکہ بلیک میل کیا گیا وہ......؟''

''وجہ بھی بتاؤ گے یار کے نہیں ہمیں الہام تو ہونے سے رہا ہے۔'' جہان نے چڑ کر جواب دیا تھا۔

''انہوں نے دھوکے سے مجھے وہاں بلوایا اور باقاعدہ گن پوائنٹ پر اپنی کسی عزیزہ سے میرا نکاح پڑھوا دیا ہے، جاہل گنوار سی کسی خاتون سے، سن لیا تم نے؟ تم آ گیا یقین کہ وہ ایسا کر سکتے ہیں باقاعدہ گن پوائنٹ پہ۔'' وہ باقاعدہ پھنکارا تھا ایک ایک لفظ پہ زور دے کر جبکہ جہان جیسا سیلف کنٹرول آدمی بھی اس انکشاف پہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا، مما اور ماما جان کی تو باقاعدہ سناٹے میں آ گئی تھیں۔

☆☆☆

دل پہ ایسے بھی عذابوں کو اترتے دیکھا
ہم نے چپ چاپ اسے خود سے بچھڑتے دیکھا
اس کو سوچا تو ہر سوچ میں خوشبو اتری
اس کو لکھا تو ہر لفظ مہکتے دیکھا
یاد آ جائے تو قابو نہیں رہتا دل پر
ورنہ دنیا نے بھی ہم کو تڑپتے دیکھا
اس کی صورت کو فقط آنکھ نہیں ترسی ہے
راستوں کو بھی اس کی یاد میں روتے دیکھا
ہم محبت کے لئے آج بھی دیوانے ہیں
یہ الگ بات کہ اس نے نہیں مڑ کے دیکھا

اس کے کمرے میں قبر جیسا گہرا اندھیرا تھا اور ویسا ہی سناٹا اور سناٹے میں اس کی گھٹی گھٹی سسکیاں گونجتی تھیں اور کمرے کے در و دیوار سے لپٹ جاتی تھیں، معاً دروازہ آہستگی سے کھلا اور روشنی کی بڑھتی ہوئی درز نے کمرے کی تاریکی کو نگل لیا۔

''نوری......نوریہ......'' زینب نے آہستگی سے پکارا پھر پہلے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مار کر لائیٹ آن کی پھر اپنے پیچھے دروازہ بند کرتی اس کے پاس چلی آئی، نوریہ کی پوزیشن میں فرق نہیں آیا تھا البتہ سسکیاں تھم گئی تھیں، زینب نے اپنا سبک گداز ہاتھ اس کے کاندھے پہ ہمدردی کے انداز میں رکھا البتہ اسے قطعی سمجھ نہیں آسکی تھی سے نوریہ سے کیا کہنا چاہیے وہ اسی کشمکش و پیچ کا شکار تھی جب نوریہ ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی اور اس کے کاندھے سے لگ کر بے ساختہ و بے اختیار رو دی چلی گئی، زینب پہلے بوکھلائی پھر آہستگی سے اسے تھپکنے لگی تھی۔

''یہ کیا ہو گیا زینی؟ یہ میری محبت پہ کیسا سانحہ آ کر گزر گیا ہے، ابھی تو میں اس کے رنگوں سے آشنائی بھی حاصل نہیں کر پائی تھی ابھی تو کسی ایک خوشی سے بھی اپنے دل کی کلی کو مہکتے نہیں دیکھا تھا زینی میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا آخر؟''

کیسی کربنا کی کیسی ہوک تھی اس کی آہ و بکا میں زینب اچھی خاصی مضبوط دل کی مالک ہونے کے باوجود خود کو اس کے دکھ کے آگے ہارتا ہوا محسوس کرنے لگی۔

''پتہ نہیں پپا کو کیا سوجھی ہے یار، بھلا اس طرح بھی شادیاں ہوا کرتی ہیں آج کل، فریقین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نوریہ نے گال پہ لڑھک آنے والے آنسوؤں کو آہستگی سے رگڑ کر صاف کر دیا تھا اور نڈھال سے انداز میں پھر تکیے میں منہ گھسا لیا، ابھی اسے اور بہت سارا رونا تھا ابھی اسے بہت محنت کرنا تھی خود کو پھر سے جوڑنے میں۔

☆☆☆

معاذ کے تمام تر واویلے اور احتجاج و غصے کے باوجود شاہ ہاؤس میں اس کے نکاح کی اس سنسنی خیز خبر نے یکا یک ایک ہلچل سی مچا کے رکھ دی تھی، پرنیاں کے بارے میں باقاعدہ قیاس آرائیاں ہوئی تھیں اور دبے ہوئے انداز میں اسے دیکھنے کی خواہش کا اظہار بھی کیا گیا تھا جس پہ پپا سمیت کسی بزرگ نے دھیان دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

”نام تو بہت یونیک ہے، ہو سکتا ہے وہ خود بھی پیاری ہوں۔“ یہ بات ماریہ نے کہی تھی جو بے حد ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی یہ سب جان کر۔

”ویسے حیرانی کی بات ہے پپا بھائی کی ضد ہٹ دھرمی سے اچھی طرح آگاہ تھے اس کے باوجود انہوں نے ان کے لئے ایسا سوچا جبکہ اس گھر میں ان کے علاوہ بھی دو اور لڑکے شادی کے قابل تھے۔“ زیاد کی بات پہ جہان نے مسکراہٹ دبائی تھی۔

”کہیں تمہیں اپنا چانس مس ہو جانے کا افسوس تو نہیں؟“

”ایسا تب ہوتا اگر جو ہمارا دل کسی اور مہ رخ کا اسیر نہ ہو چکا ہوتا۔“ زیاد ہنسنے لگا۔

”ہر وقت تو شادی کے لئے مرے جاتے تھے بس اسی لئے پپا نے ان کا نام سوچا ہو گا۔“ زینب کی رائے مضبوط تھی۔

”پپا جتنے پرسکون ہیں حیرت ہوتی ہے، انہیں بھائی کی ناراضگی کی پرواہ تک نہیں۔“ زینب کو پتہ نہیں کیوں غصہ چڑھ رہا تھا۔

”چند دنوں میں ہمارے بزرگ پھر معاذ کے سسرال جا رہے ہیں۔“ اسماء بھابھی کی اس قدر اہم اطلاع پہ حاضرین اپنی اپنی جگہ اچھل پڑے۔

”واٹ؟ کس سلسلے میں؟“ جہان نے ٹھٹھک کر یہ سوال بھابھی سے کیا تھا، اس کے لہجے میں واضح تشویش تھی۔

”یہ تو مجھے نہیں پتہ مگر جب میں چائے لے کر گئی پپا جان مما سے کہہ رہے تھے، ماما جان اور چاچو بھی وہیں تھے، باقی بات رات کو تمہارے بھائی سے پتہ چلے گی، اس میٹنگ کا وہ بھی حصہ تھے۔“ بھابھی کی اگلی بات نے ینگ جنریشن میں کھلبلی مچا دی۔

”لیکن اسے لگام کون ڈالے گا، وہ تو اتھرا ہوا گھوڑا بنا ہوا ہے۔“ جہان نے کس قدر فکر مندی سے خود کلامی کی تھی۔

”مجھے تو خود یہ جلد بازی لگ رہی ہے، معاذ کا موڈ پہلے ہی ابھی تک بگڑا ہوا ہے۔“

”اچھا تھا وہ گھر سے دوڑ جاتے۔“ زینب نے پھر کلس کر کہا تھا جہان نے بہت چونک کر اسے دیکھا اس کے چہرے پہ دبی دبی تلخی تھی غصہ تھا نخوت تھا۔

”تم چپ رہو سمجھیں، ابھی تم اپنے بڑوں سے زیادہ عقل مند نہیں ہوئیں اور معاذ بھائی کتنے جذباتی ہیں یہ سب جانتے ہیں، پپا بتا رہے تھے انہوں نے انہیں بھابھی سے ملنے انہیں دیکھنے کی آفر کی تھی، نکاح سے پہلے بھی بعد میں بھی، مگر یہ مانے نہیں۔“ زیاد نے جھڑک کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی پسند اور رضامندی کتنی ضروری ہے یہ بات انہیں کون سمجھائے، خیر تم فکر نہ کرو میں تمہیں یہی بتانے آئی ہوں کہ بھائی پپا کے اس فیصلے سے بالکل بھی خوش نہیں ہیں اور انہوں نے باقاعدہ اعلان کیا ہے کہ وہ اس لڑکی کو بیوی کی حیثیت سے کبھی قبول نہیں کریں گے۔“ اس کی تسلی و دلاسے نے نوریہ کے چہرے پہ اضمحلال کے ساتھ بے بسی بھی بکھیر دی جسے زینب نے واضح محسوس کیا اور پھر تسلی کے انداز میں بولی تھی۔

”تمہارے لئے ابھی سارے رستے بند نہیں ہوئے ہیں نوری! جب بھائی کی دلچسپی نہیں تو سمجھ لو اس رشتے کی اہمیت صفر ہے، وہ کیا کہتے ہیں کہ جو پپا من بھائے وہی سہاگن، رات پپا آئے تو ایک بار پھر ہنگامہ اٹھا تھا بھائی تو گھر سے بھاگ رہے تھے مما اور ماما جان نے بیچ میں پڑ کے معاملہ سنبھالا، پپا کی اتنے بڑے ایکشن کے بعد کی خاموشی حیران کن ہے، اینی ویز میں پھر تمہیں کہوں گی ہرٹ مت ہو ابھی کچھ بھی طے نہیں ہوا، بھائی ہرگز خوش نہیں ہیں اور ان کی ناپسندیدگی تمہاری خوشی کا باعث ہونا چاہیے، اب بس ہمت سے کام لینا اور معاذ بھائی سے اپنی پسندیدگی کا اظہار ضرور کر دینا۔“ زینب نے اپنی بات مکمل کر کے اس کے تاثرات جانچے تو سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا اس کے چہرے پہ ہنوز حزن و ملال کے رنگ تھے۔

”یار کیا ٹینشن ہے، موڈ تو ٹھیک کرو نا اپنا۔“

”میں بے حس ہوں نہ خود غرض زینی کہ کسی کی بربادی کو اپنی آبادی کا ذریعہ جان کر خوش ہو لوں گی۔“ اس کا جواب کم از کم زینب کو اوٹ پٹانگ ہی لگا تھا اس نے گھور کر نوریہ کو دیکھا تھا۔

”دماغ درست ہے تمہارا؟ کیا بکتی رہی ہو؟“

”زینی وہ بھی ایک عورت ہے، میرے اور تمہارے جیسی جس کی زندگی کے فیصلے بنائے اور بگاڑے جا رہے ہیں، کیا وہ احساسات اور جذبات نہیں رکھتی ہو گی؟“ اس نے عجب سی نظروں سے جواباً نوریہ کو دیکھا یوں جیسے اس کا دماغ پھر گیا ہو۔

”تم معاذ بھائی کی منکوحہ کی بات کر رہی ہو؟ تمہیں خود اپنے آپ سے زیادہ اس سے ہمدردی ہے؟“ زینب کا لہجہ و انداز پھنکار ڈالنے والا تھا، نوریہ نے سر جھکا لیا۔

”تمہیں معاذ بھائی سے محبت بھی تھی نوری؟“ زینب کا لہجہ اب کی مرتبہ بے حد کڑا اور تمسخر اڑانے والا تھا، نوریہ کا دل بھرانے لگا۔

”محبت کا یہ مطلب تو نہیں ہے زینی کہ میں اخلاقیات و اقدار کا خون کر دوں اپنی نسوانیت کا وقار کھو دوں، کیا چاہتی ہو تم؟“

”اس میں اخلاقیات اقدار اور نسوانیت کدھر سے آگھسی ہیں؟“

”انہیں ہمیشہ ہر معاملے میں ہمیں ساتھ رکھنا ہوتا ہے انہیں کھو کر ہم اپنے آپ کو پستیوں میں گرا دیتے ہیں زینی پھر دوسری اہم بات یہ میں نے کہا نہ میں بے حس نہیں ہوں اور نہ میں اتنی بولڈ ہوں کہ یوں محبتوں کے اظہار کرتی پھروں، میں ایک مشرقی لڑکی ہوں جو اپنی محبت کا خون تو اپنے ہاتھ سے کر سکتی ہے مگر اپنے وقار اور نسوانی پندار کی قربانی کسی صورت بھی دینے پہ آمادہ نہیں ہو گی۔“ اس کا لہجہ اتنا مضبوط تھا کہ اس میں کسی قسم کی گنجائش نہ پا کے زینب جھنجھلا کر ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”بھاڑ میں جاؤ تم اپنی ان کتابی باتوں کے ساتھ، اونہہ۔“ وہ پیر پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی تو

"صرف دیکھنے کی آفر تھی نا، دیکھنے کے بعد ریجیکٹ کرنے کی تو نہیں، جب فیصلہ ہی مانا جانا تھا تو اس بات کی اہمیت صفر ہو جاتی ہے کہ ملا اور دیکھا جائے یا نہیں۔" زینب نے جواباً خائف ہوتے بنا تڑخ کر کہا تھا، اس کا انداز کچھ ایسا غیر معمولی تھا کہ سب ہی اس کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

"آخر پپا نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔ انہیں بھی اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہے کہ بھائی صاحب اس فیملی کے سب سے وجیہہ اور شاندار آدمی ہیں آف کورس انہوں نے ان کے لیے شریک حیات کا انتخاب بھی اسی معیار کے لحاظ سے کیا ہوگا۔ ملنے یا دیکھ لینے میں حرج بھی نہیں تھا کم از کم معاملہ کلیئر تو ہوا ہوتا۔" ابن زیاد اپنی بات پر اڑا ہوا تھا مگر زینب کے تاثرات میں تبدیلی نہیں آئی۔

"آپ ان کی اتنی فیور کیوں کر رہے ہیں آخر؟" وہ بری طرح جھلا اٹھی تھی اب کے۔ اس بات سے بے نیاز کہ جہان بہت خاموش مگر گہری نظروں سے مسلسل اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"اور تم مجھے بتاؤ تم آخر پپا کے اس فیصلے کی اتنی مخالفت کیوں کر رہی ہو؟" ابن زیادہ کے سوال پر وہ ذرا سا گڑبڑائی۔

"اس لیے کہ کل اسی طرح پپا کسی اور پہ بھی اپنا فیصلہ مسلط کر سکتے ہیں۔"

"ڈونٹ وری سسٹرز مجھ پر یا جہان پر یہ ستم اگر وہ توڑیں گے بھی نا تو ہم معاذ بھائی کی طرح کاری ایکشن نہیں دیں گے پرامس! اب تم زبردست قسم کی چائے تو بنا لاؤ۔" زیاد نے نرمی اور سبھاؤ سے اس کا دھیان بٹانا چاہا تھا وہ ہونٹ بھینچ کر اٹھی تو جہان نے نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔ جانے کیوں جہان کے اندر زینب کی اس تکرار نے ایک تفکر ایک بے چینی بھر دی تھی جسے وہ معاذ کے لئے انہیں خود اپنے لیے کوئی جنگ لڑ رہی ہو۔

☆☆☆

اندھیری رات کے لمحے شمار ہونے تک
تجھے ہی سوچتا ہوں صبح سے شام ہونے تک
میں ایسا جسم ہوں جس کی روح بھی تو ہے
اندھیری رات ہوں میں تیرے نام ہونے تک
تیری آواز نہ سن لوں تو دل نہیں لگتا
تڑپتا رہتا ہوں تجھ سے ہمکلام ہونے تک
تیری نظر کی قیمت یہ بک رہا ہے کوئی
اسے خرید لے تو مہنگے دام ہونے تک
عشق کی آگ جو سینے میں لگا بیٹھے ہیں
سلگتی رہتی ہے یہ نیندیں حرام ہونے تک

وہ اندر آئی تو اس کے سیل فون کی اسکرین پر تاریک کمرے میں بلنک کر رہی تھی۔ میسج ٹون تھی اس نے لپک کر بیڈ سے سیل فون اٹھایا۔ تیمور خان کا میسج تھا بہت خوبصورت شاعری کو اظہار کا ذریعہ بنایا گیا تھا جسے پڑھتے وہ مچل جانے والی مسکان سے بے خبر نہیں تھی، ابھی نظم پوری بامشکل پڑھ پائی تھی تبھی تیمور کی کال پھر سے آ گے لگی۔ زینب نے گردن موڑ کر بند دروازے کو دیکھا پھر

مطمئن ہو کر بیڈ پر نیم دراز ہوتے کال پک کر لی تھی۔

"کہاں تھیں آپ؟ بہت انتظار کرانے لگی ہیں۔" تیمور خان کا بے تاب مچلتا ہوا لہجہ زینب کو باور کرا رہا تھا وہ اسکے لیے کتنی اہم کتنی خاص ہے۔ وہ آہستگی سے ہنس دی جلترنگ بجاتی ہوئی دلکش ہنسی نے فون کے ذریعے یمور خان کی سماعتوں میں رس گھولا اور وہ کچھ اور بھی بے چین ہونے لگا۔

"زینی آئی مس یو یار۔"

"تو کرتے رہیں مس میں کیا کروں؟" وہ ٹھنک کر بے نیازی سے بولی اور تیمور خان خفا ہونے لگا تھا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا زینب شاہ یہ سچ ہے میں اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بتاؤ کب اپنی فیملی کو تمہارے ہاں بھیجوں؟"

"اتنی جلدی کیا ہے آخر؟" وہ اسے جان کر ستاتی اور حظ کیا کرتی اس سے اسے اندازہ ہوتا وہ تیمور کے لیے کتنی اہم ہے اور یہ احساس بہت دلنشین لگا کرتا تھا اسے وہ ایسی ہی تھی تھوڑی بے حس اور بہت زیادہ خود پسند۔

"میں نے کہا ناں میں اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تمہارے سپنوں اور تصور سے خود کو بہلاتے تھک گیا ہوں۔" تیمور خان کی آواز میں خفت سی جھنجھلاہٹ اتر آئی تھی۔ وہ پہاڑوں کا بیٹا تھا۔ ویسا ہی سنگلاخ بلند و بالا اور مضبوط۔ جانے زینب کے آگے کیونکر پگھل گیا تھا کچھ اس طرح کہ موم بن کر قدموں میں ڈھیر ہوا جاتا تھا۔ زینب اس کی وجاہت خوبروئی سے زیادہ اس کے بیک گراؤنڈ اس کے شاہانہ طرز زندگی سے متاثر ہوئی تھی۔ زرلالے اس کی یونیورسٹی فیلو اور دوست تھی۔ تیمور خان اس کا بھائی تھا۔ وہ اکثر زرلالے کو کالج ملنے آیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ زینب کی بھی اس سے ملاقات ہو گئی تھی۔ زرلالے کے ساتھ تیمور خان تو جیسے دیوانہ ہوا تھا۔ وہ اپنی شخصیت کی طرح تھا زور آور اور دھانسو مزاج رکھنے والا، سرکش اور بے نیاز مگر زینب کے نخرے اور بے نیازی نے اسے چاروں شانے چت گرا دیا تھا۔

"ایسا کیا جادو کر دیا ہے لالہ پہ وہ پاگل ہو رہے ہیں تمہارے لیے۔" زرلے نے جب پہلی بار یہ بات کہی تو زینب نے ہنس کر ٹال دیا تھا مگر تیمور خان کی جب آمد و رفت زرلالے سے ملنے کے بہانے کالج بڑھی تب زینب کو اس کی بات کا یقین کرنا پڑا کہ تیمور خان کی بولتی بہت کچھ کہتی آنکھوں میں جتنے بھی بے لگام اور بے باک جذبے تھے سب پہ زینب کو اپنا نام لکھا ہوا نظر آتا تھا۔

زینب نے آسانی سے اس کی محبت کو قبول نہیں کیا تھا دل ہی دل میں پوری طرح اس سے متاثر ہونے کے باوجود اس نے اسے اپنی فطرت اور مزاج کے مطابق خوب ترسایا تھا خوب تڑپایا تھا تب جا کے اسے قبولیت کی سند بخشی تھی۔ تیمور خان اس سے شادی کو اتاؤلا ہوا جا رہا تھا جبکہ زینب کو یہاں بھی کوئی جلدی نہیں تھی۔

دوسری طرف جہان تھا تیمور خان سے کسی طرح بھی کم نہیں تھا بلکہ وجاہت، قابلیت اور تعلیم میں وہ تیمور سے ہر لحاظ سے بہتر تھا۔ البتہ تیموران کی وسیع جائیداد اور اراضی کے سامنے وہ اپنی مالی حیثیت میں خود مات کھا جاتا تھا۔ زینب کو بارہا مرتبہ لگا تھا جہان اس میں انوالو ہے اور اس نے اس راز کو اگلوانے اور اس کی کرید کی کوشش بھی کی تھی مگر جہان کی ثابت قدمی کے باعث وہ ابھی تلک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے دل کے راز سے آگاہی حاصل کرنے میں ناکام رہی تھی اور بہت جھنجھلائی ہوئی بھی۔ اس کی انا کی تسکین اس میں تھی کہ جہان بھی تیمور کی طرح سے اس کے آگے گھٹنے ٹیک دے مگر جہان نے اپنی یہ کمزوری اسے نہ دے کر گویا اسے جھنجلاہٹ کا شکار کر دیا تھا۔ اس کا مقدر صرف جہان کی کمزوری حاصل کرنا تھا ورنہ حقیقت یہی تھی کہ جہان اور تیمور دونوں میں سے اس کا انتخاب تیمور خان ہی ٹھہرتا۔ اسے تیمور خان سے زیادہ تیمور کے شاہانہ طرز زندگی کی ضرورت تھی۔ وہ جذباتی اور بے وقوف لڑکی نہیں تھی کہ محبت جیسی خرافات میں پڑ کر سارز زندگی خاندان میں سڑتی۔

"زینب شاہ آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟" وہ اپنی سوچوں میں گم تھی۔ تیمور خان کی آواز پہ فون کر متوجہ ہوئی اور ٹھنڈا سانس کھینچا۔

"تیمور پلیز ہمارے گھر میں کچھ کرائسس پہلے سے چل رہا ہے یہ موقع بالکل مناسب نہیں ہے بات کرنے کے لیے۔" اس نے وسانیت سے کہا تھا۔

"کیا کرائسس ہیں؟" تیمور خان کے سوال پر اس نے مختصراً معاذ والا معاملہ اسے بتا دیا۔

"ٹھیک ہے شلالے کی شادی ہو رہی ہے نا ایک ڈیڑھ مہینے میں میں چاہتا تھا ہمارا ابھی کوئی معاملہ ساتھ کلیئر ہو جاتا نکاح رخصتی نہ سہی۔ منگنی ہی سہی مگر خیر............"

"ابھی میں پڑھ رہی ہوں تیمور مجھے تعلیم تو مکمل کرنے دیں کم از کم ماسٹرز۔" وہ بسوری تو تیمور چونکا۔

"یعنی دو تین سال مزید............ ہرگز نہیں میں اتنا صبر کبھی نہیں کر سکتا۔" اس کے لہجے میں جتنی بے صبری تھی اس نے زینب کو مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

"تم شادی پر ضرور آؤ گی زینی۔"

"کس کی شادی پر؟" اس نے دانستہ تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

"شلالے کی شادی پر میری تو ظاہر ہے تمہارے بغیر ہو گی نہیں۔" وہ جھنجلا کر بولا تو زینب ہنسنے لگی تھی۔

"وقت آنے پر بتاؤں گی۔"

"تمہیں آنا ہو گا زینب شاہ میں تمہیں اپنی فیملی سے ملواؤں گا۔"

"جی بہتر۔" اس نے آہستگی سے کہا اور رابطہ منقطع کر دیا کہ اس کے کمرے میں دروازہ کسی نے ناک کیا تھا۔ اس نے سیل فون تکیے کے نیچے گھسیڑتے ہوئے گردن موڑ کر دیکھا ماریہ تھی۔

"بجو، مما بلا رہی ہیں آپ کو۔"

"جی مما۔" وہ اٹھ کر ان کے کمرے میں آئی تو انہیں عجلت میں بیگ میں چند جوڑے رکھتے دیکھ کر حیران ہوئی۔

"خیریت مما آپ لوگ کہیں جا رہے ہیں؟"

"ہاں بیٹے ہمیں گاؤں جانا ہے آپ ذرا اپنی مما جان اور پاپا جان کے چند جوڑے تو بیگ میں ڈال کر ان کی تیاری کرا دیں۔" وہ یونہی مصروف رہ کر نرمی سے بولی تو زینب کی الجھن کچھ اور بھی بڑھنے لگی۔

"کون سے گاؤں؟ اور یہ کیا افتاد آ پڑی کہ آپ چاروں اکٹھے ہی بھاگم بھاگ جا رہے ہیں۔" وہ اپانی عادت کے مطابق جلدی غصے میں آ گئی تھی۔

"بیٹے منیب انکل کا انتقال ہو گیا ہے جانا تو پڑے گا اتنا قریبی رشتہ ہے۔"

"کون منیب انکل؟ میرے تو کچھ پلے نہیں پڑ رہا۔"

"معاذ کے دادا سسر۔" مما کے جواب نے اسے ساکن کر دیا۔ یہ بات تو بہر حال وہ بھی جان گئی تھی کہ پرنیاں کا دادا ایک ہی دنیا میں رشتہ تھا اور وہ اس کے ددا کا تھا۔ وہ کچھ لمحوں کو بولنے کے قابل نہیں رہی۔

"اب پرنیاں کا کیا ہو گا مما؟ وہ اکیلی کیسے رہیں گی؟" اس کا سوال بے ساختہ اور فطری تھا البتہ تشویش سے عاری تھا۔

"اللہ ہر کسی کا مالک ہے بیٹے سب سے بہتر سبب پیدا فرمانے والا وہی ہے خدا نے ایک رشتہ لینے سے پہلے کتنے نئے رشتے بچی کو عطا فرمائے ہیں۔"

"آپ کا مطلب اب وہ یہاں آئیں گی مگر بھائی............!"

"اسے بھی سنبھال لیں گے جیسے بھی سہی بہر حال معاذ نے قبول تو کیا ہے نا اسے۔" مما کے جواب نے زینب کے لبوں پہ خاموشی کی مہر لگا دی۔ ایک جھنجھلاہٹ اس کے اندر اتری تھی۔

(یہی غلطی تھی ان کی اور یہی بزدلی کا مظاہرہ کیا انہوں نے بھگتیں)۔

مما کی طرح پپا جان اور مما جان بھی عجلت اور افراتفری میں تیار ہو کر نکلے تھے۔ زینب برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے پرسوچ نظروں سے ان کی گاڑی کو گیٹ سے نکلتے دیکھتی رہی۔ اس سے پہلے کہ پلٹتی جہان کی سفید مارگلہ ڈرائیو روے پر پھیلتی پورچ آ کر رکی؟

"یہ چاچو کی گاڑی تھی نا؟ پاپا جان بھی ساتھ تھے اس وقت کہاں گئے ہیں یہ لوگ۔"

نیوی بلیو پینٹ کوٹ میں ملبوس ہاتھ میں بریف کیس پکڑے جہان اس سے چند قدم کے فاصلے پر رک گیا تھا۔ زینب نے ایک نگاہ اس کے سنجیدہ و متین مگر بے تحاشا خوبرو چہرے کو دیکھا تھا اور بے اعتنائی سے بولی تھی۔

"پرسہ دینے گئے ہیں اپنی چہیتی بہو کو۔" جہان نے پہلے زینب کو پھر ٹھٹک کر اسے بغور دیکھا۔

"بہو............!" اس کی بڑی بڑی شفاف آنکھوں میں الجھن بہت واضح اتری تھی۔ مسز پرنیاں معاذ حسن کو اس کا لہجہ ہنوز تھا جہاں کے اعصاب کو زوردار جھٹکا لگا۔

"کیا ہوا وہاں خیریت ہے نا؟ ان کے ددا............"

"وفات پا گئے ہیں واپسی پر وہ شاہکار ساتھ ساتھ ہی ہو گا غالباً۔" جہانگیر نے جو اسے بغور دیکھ رہا تھا بے ساختہ ہونٹوں کو سختی سے باہم بھینچ کر قدم بڑھا گیا۔ اسے بہر حال پرنیاں سے زینب کی یہ چڑ سمجھ نہیں آئی تھی۔

"بات سنیں معاذ بھائی کو اس متوقع خطرے سے آپ ابھی آگاہ کر دیں تو بہتر ہو گا۔" وہ بھاگ کر اس کے ہمقدم ہوئی اور گویا مشورہ دیا۔

"تمہیں اس سارے معاملے کی اتنی فکر کیوں ہے؟ جنہوں نے اس کا بیڑا اٹھایا ہے وہ بہتر جانتے ہیں اسے کیسے نپٹانا ہے۔" نا چاہتے ہوئے بھی جہان کے لہجے میں ناگواری سمٹ آئی تھی۔ زینب نے جواباً سرد نگاہوں سے اسے کسی قدر گھور کے دیکھا تھا۔

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے معاذ بھائی میرے سگے بھائی ہوتے ہیں۔" اس نے جیسے بتایا تھا جہانگیر نے زور سے سر جھٹکا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اور یہ اطلاع میرے لئے نئی نہیں ہے، جنہوں نے یہ کیا ہے وہ بھی معاذ حسن کے والد محترم ہیں۔" اس کا لہجہ جانے کیوں بے حد سرد ہو گیا تھا، زینب نے اپنے قدموں کو دھیما کیا پھر روک لیا مگر جہان آگے بڑھتا چلا گیا تھا، ایک بار بھی رک کر یا مڑ کے دیکھے بغیر، زینب ہونٹ بھینچے کھڑی رہی۔

(اور نوری کتنی احمق ہے کہتی ہے یہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔)

اس کے اندر تنفر بڑھنے لگا، اسے اپنے قدموں پہ جھکانے کا خیال دن بدن فاسق ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

معاذ اپنے دھیان میں مگن ڈائننگ ہال میں آیا تھا، وہاں سب کو خاموشی سے کھانے میں مصروف دیکھ کر چونکا۔

"واہ بڑا سکون ہے، یہ شاہ ہاؤس کا ہی ڈائننگ ہال ہے نا؟" بہت دنوں بعد وہ اپنی پرانی فارم میں نظر آیا تھا، ویسا ہی تک سک سے درست بے حد خوبرو جہان نے بہت دھیان سے اسے دیکھا۔

(کیا ابھی جو انکشاف اس پہ ہونے والا ہے اس کے بعد بھی یہ اتنا پرسکون نظر آئے گا؟)

وہ اس کا متوقع ری ایکشن سوچ کر مضطرب ہونے لگا کہ ابھی کچھ دیر پہلے جب اس نے پاپا جان سے فون پہ بات کی تو انہوں نے بھی پرنیاں کو اپنے ساتھ لانے کا عندیہ ظاہر کیا تھا اس کے سوا اور کوئی راستہ تھا بھی نہیں اور مما نے اسے یہ فریضہ سونپا تھا کہ معاذ کو وہی اس صورتحال کے لئے تیار کرے گا۔

"کیا سانپ سونگھ گیا ہے سب کو؟" جواب میں خاموشی کو پا کر وہ جھلایا، بھابھی نے سبھی کو سختی سے معاذ سے کوئی بھی بات کرنے سے منع کیا تھا کہ وہ ہتھے سے اکھڑ سکتا تھا، تبھی یہ کام جہان کے سپرد ہوا تھا اسے بتلانے اور قائل کرنے کا۔

"ہر وقت کا اودھم ضروری تو نہیں ہے، تم کھانا کھاؤ آرام سے۔" جہان نے جواب دیا تھا، وہ کاندھے اچکا کر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا اور کھانے کی سمت متوجہ ہو گیا۔

"زینی مجھے ایک بڑا مگ کافی کا یاد سے دے جانا۔" وہ کھانے سے فارغ ہو کر اٹھا تو زینب سے بولا تھا، زینب نے سر ہلایا تو کسی کو مزید کچھ کہے بنا پلٹ کر باہر چلا گیا، جہان اس کے کمرے میں آیا تو وہ بیڈ پہ بہت ریلیکس انداز میں بیٹھا ہوا تھا اور لیپ ٹاپ پہ بزی تھا۔

"تم مصروف ہو تو میں کچھ دیر بعد آ جاتا ہوں۔" جہان کی بات پہ معاذ نے نظریں اٹھا کر حیرانی سے اسے دیکھا۔

"بیٹھو یار تم اتنے فارمل کیوں ہو رہے ہو، میں بزی نہیں ہوں، بس کچھ ای میل چیک کر رہا تھا، اپلائی کیا تھا نا یونیورسٹی میں تو......"

"کیا رہا؟" جہان نے بے تابی سے پوچھا تو وہ مسکرا دیا۔

"تم جانتے ہو زندگی کے کسی بھی مقام پہ ریجکشن میرے حصے میں نہیں آیا میں سلیکٹ کر لیا گیا ہوں۔" جہان بے ساختہ مسکرا دیا۔

"گڈ ویری نائس کانگریسٹ یار۔" معاذ نے جواباً آہستگی سے سر ہلایا، اس کی مبارک باد کو

قبول کیا۔

"یار اگر تم سمجھو تو بھابھی تمہارے لئے مبارک ثابت ہوئی ہیں، اتنی بڑی کامیابی کتنی آسانی سے مل گئی تمہیں۔" جہان نے گویا تمہید باندھی، معاذ جو لیپ ٹاپ بند کر چکا تھا الجھ کر اسے دیکھنے لگا۔

"کون سی بھابھی؟"

"پرنیاں بھابھی اور کون!" جہان کے لہجے میں آنکھوں میں خلاف مزاج شرارت در آئی۔

"یہ پرنیاں بھابھی کون ہیں؟" معاذ نے مسکرا کر بھنوؤں کو جنبش دی تو جہان نے بے حد خفگی سے اسے گھورا تھا۔

"تم کیوں بھابھی کہہ رہے ہو احمق!" وہ جز بز ہوا تھا۔

"کیوں اگر تم کہہ سکتے ہو تو میں نہیں کہہ سکتا، ویسے یہ کون سی نئی نویلی اور انجان بھابھی ہیں جن سے میں سرے سے واقف نہیں۔" اس کے لہجے میں اگر مصنوعی پن ہوتا تو اور بات ہوتی تھی وہ سنجیدہ تھا جہان کو اب کی مرتبہ شاک لگا تھا۔

"معاذ تم واقعی کچھ نہیں جانتے؟" وہ کس قدر تحیر سے بولا تھا۔

"کیا؟ بتاؤ گے تو ہے نا۔" معاذ بھی اب جھلا اٹھا تھا۔

"پرنیاں اس لڑکی کا نام ہے معاذ حسن سے تمہارا نکاح ہوا ہے میں انہی کی بات کر رہا تھا۔" جہان نے سرد آواز میں بہت کچھ جتلایا تو معاذ نے ساکن ہو کر اسے دیکھا پھر پہلے یکا یک اس کی آنکھیں سرخ ہوئیں تھیں پھر چہرے کی رنگت، جب وہ بولا تو اس کا لہجہ خوفناک حد تک سرد اور سنگین تھا۔

"پہلی بات تو یہ کہ میں اس زبردستی کے رشتے کو نہیں مانتا دوسری اہم بات ہمیشہ کے لئے نوٹ کر لو جے کہ تمہارا رشتہ مجھ سے ہے اور میں تم سے کہہ رہا ہوں تم میرے حوالے سے اس کو بھابھی نہیں کہو گے، سمجھے تم؟" جہان کچھ لمحوں کو شاکڈ رہ گیا تھا اس نے دیکھا محض اتنی سی بات پہ وہ اتنا مشتعل ہوا تھا کہ غصہ میں لال بھبھوکا چہرا لئے اٹھ کر کمرے میں چکرانے لگا تھا، انداز اتنا بگڑا ہوا تھا کہ اس کے اتنے نزدیک ہونے کے باوجود جہان کو مزید کچھ کہنے سے جھجک محسوس ہوئی تھی۔

"اگر ایسی بات تھی معاذ تو پھر تمہیں یہ بندھن نہیں باندھنا چاہیے تھا۔" اس نے کس قدر غصے سے کہا تو معاذ اس کے پاس آ کر ایک جھٹکے سے تھم گیا اور اپنی سلگتی ہوئی آنکھیں اس کے چہرے پہ گاڑھ دیں۔

"کیا کرتا میں، کوئی راستہ نہیں چھوڑا تھا انہوں نے میرے فرار کا، مگر اب میں مزید ان کی نہیں مان سکتا، زندگی میری ہے اسے میں اپنے انداز میں گزارنے کا پورا حق رکھتا ہوں۔" وہ دبے ہوئے انداز میں چیخ پڑا تھا۔

"مگر منیب الرحمٰن کی وفات ہو چکی ہے اور اب وہ اکیلی ہیں، کیسے رہ سکتی ہے ایک اکیلی جوان بے سہارا لڑکی۔"

"یہ کوئی یتیم خانہ نہیں ہے کہ وہ یہاں بسیرا کرے، ویسے بھی یہ پپا کے سوچنے کا کام ہے۔" وہ کس قدر بے حسی اور سفاکی سے بولا تو جہان کو اس کی سوچ کے اس رخ نے گہرے تاسف میں مبتلا کر دیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جس انداز میں بھی سہی، بہر حال اب وہ تمہارے نام سے منسوب ہیں معاذ یہ بہت غلط بات ہے کہ وہ اس گھر میں ہوں اور تم انہیں اپنے رویے سے ہرٹ کرو، میں یہی تمہیں سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ......"

"واٹ کیا کہا تم نے......؟"

"وہ اس گھر میں آئے گی؟" معاذ نے حقارت سے ہونٹ سکوڑ کر جس طرح سے سوال کیا تھا اس کے چہرے پہ جتنی ناگواری در آئی تھی اس نے جہان کو گنگ کر دیا تھا۔

"تو اور کہاں جائیں گی، میں نے بتایا نا کہ اب ان کا دنیا میں......"

"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ وہ کہاں رہے گی، میں اتنا جانتا ہوں میں اسے یہاں اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتا یہاں آنے کا مطلب ہے لوگوں سے اس کا میرے حوالے سے تعارف جو مجھے ہرگز بھی گوارا نہیں ہے۔" وہ چیخ پڑا تھا جہان نے خائف ہو کر دیکھا تھا اسے۔

"معاذ بہت فضول بات کر رہے ہو تم، چاچو انہیں ساتھ لے کر آئیں گے میرا خیال ہے کہ تم انہی سے بات کرنا۔" وہ واقعی ہی چڑ گیا تھا، اس کا خیال تھا وہ اس کے سنبھالے میں نہیں آنے والا تھا۔

"تو پپا نے پھر یکطرفہ فیصلہ کیا ہے، وہ پھر من مانی کر رہے ہیں، مگر یہ ان کی بھول ہے کہ میں اب ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنوں گا، اوکے فائن! رکھیں وہ اپنی بہو کو یہاں مگر میں نہیں رہوں گا، جا رہا ہوں میں ابھی اور اسی وقت۔" وہ ایکدم اتنا بپھرا تھا کہ جہان کی گھبراہٹ بوکھلاہٹ پکاروں کو خاطر میں لائے بغیر الٹے سیدھے جوتے پہن کر اس کے روکتے پکڑتے بھی اپنا آپ چھڑا کر آندھی طوفان کی طرح سے کمرے سے نکل گیا تھا، جہان سر پکڑ کر وہیں بے بس سا بیٹھ گیا۔

☆☆☆

بجھے بجھے سے عجیب دن ہیں
خواب ہیں نہ خیال کوئی
نہ منظروں میں کوئی کشش ہے
نہ موسموں میں جمال کوئی
ہم ایک دوجے کو اپنی اپنی
ادھوری آنکھوں سے دیکھتے ہیں
ہماری برسوں کی چاہتوں پہ
اتر رہا ہے زوال کوئی
جو ہنسنا چاہیں تو اشک نکلیں
جو رونا چاہیں تو ہنستے جائیں
ہمارے جذبات گروی رکھ کر
بنا رہا ہے مثال کوئی ......

وہ ٹیرس پہ کھڑی تھی فضا دبیز دھند سے بوجھل تھی آس پاس برفیلی ہواؤں کی سرسراہٹ تھی جو وجود میں دوڑتے خون کو بھی گویا جمانے کے درپے تھی مگر وہ جیسے ہر احساس سے عاری تھی، ہوا کا

ایک تیز جھونکا اسے چھو کر گزرا اور اس کی شال کا پلو اڑنے لگا، وہ تب بھی بے خبر رہی مگر جب ایک مہربان ہاتھ کا لمس اس کے کاندھے پہ اترا تب وہ اسی غفلت بھری کیفیت سے باہر آئی تھی، گردن موڑنے پہ اسے اپنی دائنی جانب مما کا مشفق چہرا نظر آیا جس پہ اس کے لئے بے پناہ محبت کا رنگ تھا۔

"بہت سردی ہے بیٹے آپ باہر کیوں آ گئیں اندر چلیں ورنہ ٹھنڈ لگ جائے گی۔" ان کے چہرے کی طرح ان کا لہجہ بھی مشفق تھا نرم اور محبت سے بھرا ہوا، پرنیاں نے ذرا سا تجاہل برتا پھر اسی خاموشی سے ان کے ساتھ کمرے میں آ گئی، کمرے کی فضا میں میٹھی خوشگوار حدت تھی آتش دان میں لکڑیاں جل رہی تھیں اور چاروں بزرگ افراد وہیں جمع تھے، آج انہیں یہاں آئے دوسرا دن تھا اور تب سے گویا دونوں خواتین نے اسے اپنی بے پناہ پر شفقت پناہوں میں لیا ہوا تھا، مما اور مما جان تو گویا اسے دیکھ کر پہلی نگاہ میں ہی عاشق ہو گئی تھیں، ایسا معصوم نوخیز اور دلربا حسن شاید ہی ان کی نگاہ سے پہلے گزرا ہو وہ تو اس کے واری صدقے ہوتے اس کی بلائیں لیتے نہ تھک رہی تھیں، شوہر سے جو ایک ان کہا سا شکوہ تھا بیٹے سے زیادتی کا وہ کب کا بھول چکا تھا بلکہ انہیں تو صحیح طور اسی انتخاب پہ فخر محسوس ہونے لگا تھا اور جب انہوں نے جانا وہ میڈیکل کے دوسرے سال میں ہے تو معاذ کا خصوصی چناؤ بھی ان کی سمجھ میں بخوبی آ گیا تھا۔

(بہت بے وقوف ہے معاذ بھی، اگر ایک نگاہ دیکھ لیتا تو اتنا شور کبھی نہ مچاتا۔) انہیں بیٹے کا واویلا یاد آیا تو مسکرا دیں۔

"خیر اب میں خود بتاؤں گی اسے، پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"پرنیاں بیٹے آج شام سے پہلے ہمیں نکلنا ہے گھر جانے کو، آپ نے اپنی تیاری تو کر لی ہے نا۔" پپا جو سیل فون پہ مصروف تھے فراغت کے بعد سب سے پہلے اسی کی سمت متوجہ ہوئے، جو ملازمہ کو کافی سرو کرتے بے خیالی میں دیکھ رہی تھی اس بات پہ چونکی بلکہ مضطرب ہو گئی۔

"آپ اپنی ضروری چیزیں ہی لینا بیٹا، کپڑے وغیرہ اٹھانے کی ضرورت نہیں اور بن جائیں گے۔" مما جان کے کہنے پہ وہ جو ہونٹ کاٹ رہی تھی یونہی سر جھکائے انگلیاں مسلتی رہی۔

"آپ کچھ کہنا چاہتی ہو بیٹا!" اسے تذبذب میں مبتلا پا کر پپا نے گویا اسے مشکل سے نکالا۔

"وہ ایکچوئیلی میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی، میں ہاسٹل میں ہوتی ہوں نا، تو...... اب بھی وہاں......"

"بیٹے پہلے کی بات اور تھی، تب آپ کا گھر دور تھا مگر اب......"

"اب تو میرا گھر بھی کوئی نہیں رہا، ددا کے بعد میں......" وہ ایک دم سے چہرا ہاتھوں میں ڈھانپ کر بلک اٹھی، اس پہ گویا شدید قسم کی شکستہ حالی کا دورہ پڑا تھا، دل گرفتگی اور بے چینی اس کی رگ رگ کو کاٹ رہی تھی، وہ بھولی نہیں تھی بھول سکتی ہی نہیں تھی، وہ سب کچھ جس کی حواس باختگی نے اسے ساکن کر دیا تھا احساسات بھی گویا جامد ہو گئے تھے یہ جان کر کہ ددا اس کا نکاح ایمرجنسی میں کسی سے کر رہے ہیں، کون کس سے، یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا البتہ ددا کی آنکھوں میں جتنی بے بسی تھی جو التجا تھی اسے رد کرنے کا حوصلہ وہ کہاں سے لاتی جبھی ان کی خواہش پہ چپ چاپ سر تسلیم خم کر دیا تھا ورنہ جو اس کی اپنی زندگی اور مستقبل کے لئے پلاننگ تھیں ان میں شادی کو تو اگلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کئی سالوں تک تصور بھی نہیں تھا، مگر کچھ کام انسانی ارادوں اور منصوبوں سے یکسر اوپر کے ہوتے ہیں جنہیں قدرت نے طے کیا ہوتا ہے اور وہ ہو کر ہی رہا کرتے ہیں یہ بھی ایک ایسا ہی کام تھا جو جتنا بھی غیر متوقع تھا اس نے اسے قبول کرلیا تھا، وہ اس بات سے بھی مطمئن تھی کہ ددا کا انتخاب اس کے لئے بہترین ہی ہوگا، نکاح نامے پہ سائن کرتے اور قبولیت کے مراحل سے گزرتے وقت معاذ حسن کا نام اس کی سماعت اور بصارت کا حصہ بنا تو اس ہنگامی صورتحال کے باوجود دل اس ایک نام سے جانے کیسے اور کیوں شناسائی کا مرحلہ بہت سرعت سے طے کر گیا تھا اور اس نام سے یہ شناسائی اتنی سرعت سے بڑھی تھی کہ اس کے بعد محض چند گھنٹوں میں ہی جتنی بار بھی اس نے ددا یا پھر احسان انکل کے منہ سے اس نام کو سنا اسے اپنی ہارٹ بیٹ مس ہوتی محسوس ہوئی تھی، مگر یہ کیفیت اتنی لمحاتی ہوگی یہ اس کے گمان تک بھی نہیں تھا۔

اگلی صبح وہ حسب معمول نماز فجر کے بعد چہل قدمی کو لان کی سمت جانے کو اپنے کمرے سے نکلی تو احسان انکل اور معاذ کے کمروں کے آگے سے گزرتے اسے ٹھٹھک کر رک جانا پڑا تھا، احسان انکل حیران پریشان کمرے کے وسط میں کھڑے تھے اور ان کے مدمقابل یقیناً وہ معاذ حسن تھا، بلیک سوٹ میں اونچا لمبا بے حد وجیہہ سالڑکا جس کے چہرے کے تمام عضلات تناؤ کا شکار تھے اور لہجہ بے حد تلخ تھا۔

''آپ مجھے اب کسی قیمت پر نہیں روک سکتے ہیں پپا یہ بات طے ہے، جو کچھ آپ نے کرنا تھا وہ کر چکے، اب آپ مجھے کن پوائنٹ پہ پہلے کی طرح مزید کوئی بات نہیں منوا سکتے یاد رکھیئے گا اس مرتبہ آپ نہیں میں خود اپنے آپ کو شوٹ کردوں گا اور یہ محض دھمکی نہیں ہوگی۔'' کتنے تلخ الفاظ تھے اور کتنے عجیب، گو کہ اسے عادت نہیں تھی اس قسم کی غیر اخلاقی حرکتوں کی کہ کسی کی باتیں سنتی مگر معاملہ صرف کسی کا تو نہیں رہا تھا، اس کی اپنی ذات بھی انوالو ہو چکی تھی اور جس کے ساتھ انوالو ہوئی تھی وہی ہتھے سے اکھڑا ہوا تھا اس کا لہجہ ہی نہیں آنکھیں بھی دہک رہی تھیں۔

''تم خوامخواہ جذباتی ہو رہے ہو معاذ مجھ پہ بھروسہ نہیں ہے اپنے باپ پہ! بیٹا ایک نظر پرنیاں کو دیکھو تو سہی ملو تو سہی اس سے، تمہاری ساری شکایات دور ہو جائیں گی۔'' اس نے سائیں سائیں کرتی سماعتوں سے احسان انکل کی ملتجی آواز سنی تھی اور جیسے خود اپنے آپ سے بھی شرمندہ ہو گئی، وہ اتنی حقیر تھی اتنی بے مایا کہ کوئی اسے اتنی شدتوں سے ٹھکرا رہا تھا۔

''مجھے کوئی شوق نہیں ہے مزید کسی حماقت کا وہ جیسی بھی حور پری ہو مجھے ہرگز بھی قابل قبول نہیں یہ بات آپ آج اچھی طرح سے سمجھ لیں اور اپنی محترمہ بہو صاحبہ کو بھی سمجھا دیجئے گا۔'' وہ کچھ اور بدک کر غرایا تھا اور ایک جھٹکے سے مڑا تو پرنیاں کو اس کی آنکھوں میں شعلے لپکتے ہوئے نظر آئے تھے، وہ جو اہانت کے احساس سے پارہ پارہ ہو رہی تھی اسے مڑتے دیکھ کر سرعت سے ستون کی آڑ میں ہوگئی تھی اور وہ بیگ اٹھائے تنتناتا ہوا اس کے پاس سے نکلتا چلا گیا تھا، پرنیاں فگار روح اور دل کے ساتھ وہیں سے پلٹ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی، تب اس پل اس نے فیصلہ کرلیا تھا وہ ہرگز ہرگز بھی اپنی انا کا خون نہیں ہونے دی گی، جبھی ددا کی وفات پہ بھی اس نے خود سے شاہ ہاؤس اطلاع نہیں پہنچائی تھی وہ تو ملازمہ نے خود دھیان رکھا تھا کہ پپا نے اسے کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں انہیں فون کرنے کی خاص تاکید کی ہوئی تھی، ورنہ وہ شاید انہیں اطلاع بھی نہ کرتی، مما

جان اور مما کے ساتھ پپا بھی اس کے یوں بلک اٹھنے پہ پریشان ہوگئے تھے مما کا بس نہیں چل رہا تھا اسے گود میں اٹھالیں، کبھی گلے لگاتیں کبھی پانی پلاتیں، بار بار اس کا ماتھا چوم رہی تھیں۔

''کیا ہوا بچی کیوں روئی اس طرح؟'' اور پرنیاں وہ اتنی محبتوں کے آگے خود کو بے بس پا رہی تھی، بڑی مشکلوں سے خود کو سنبھال پائی۔

''کچھ نہیں آنٹی بس ددا یاد آرہے ہیں۔'' اس نے ہچکی بھرتے ہوئے آنسو پونچھ لئے اور دلگیری سے جواب دیا، انا پرست ایسی تھی کہ اس بات کو عیاں کر کے اپنا بھرم کھونا بھی گوارا نہیں تھا۔

''خدا انہیں اچھی جگہ نصیب فرمائے ان کی مغفرت فرمائے آمین! بیٹا خود کو سنبھالو ہم سب ہیں نا آپ کے اپنے اور مجھے آنٹی نہیں کہو مما ہوں تمہاری۔'' مما جان نے پھر اسے پیار کیا تو وہ کچھ کہے بغیر سر جھکا کر آنسو ضبط کرنے لگی، اس سے پہلے کہ کوئی کچھ مزید بولتا پپا کا سیل فون دھیمے سے گنگنانے لگا تھا، انہوں نے کوٹ کی جیب سے سیل فون نکالنے سے قبل کافی کا مگ ذرا آگے جھک کر ٹیبل پہ رکھا تھا، موبائل کی اسکرین پہ جہان کالنگ کے الفاظ چمکتے دیکھ کر انہوں نے جلدی سے کال ریسو کی تھی۔

''السلام وعلیکم چاچو!''

''وعلیکم السلام بیٹے خیریت سے ہو؟''

''جی چاچو مگر ایک پرابلم ہے آپ لوگ واپس کب آرہے ہیں؟'' وہ کچھ بتاتے بتاتے جیسے رک کر استفسار کرنے لگا۔

''سوئم ہوگیا ہے، ہم انشاء اللہ آج ہی روانہ ہو جائیں گے، خیریت؟''

''چاچو آپ نے بھابھی کے لئے کیا سوچا؟''

''بیٹے ہم ساتھ لائیں گے بچی کو۔'' جواب دیتے ان کی پیشانی پہ ایک شکن نمودار ہوئی جوان کی آگاہی کی جانب اشارہ کرتی تھی جہان کا فون بے معنی نہیں تھا اور یہ سوال اور بھی اہم تھا، انہیں سمجھنے میں لمحہ بھر نہیں لگا کہ معاملہ کس نوعیت کا ہوسکتا ہے۔

''ایکچوئیلی چاچو معاذ کچھ پرابلم کری ایٹ کر رہا ہے، مجھے سمجھ نہیں آرہی کیا کرنا چاہیے۔'' وہ جیسے بہت جھجک کر بہت الجھ کر کہہ رہا تھا۔

''اسے کہو جو وہ کرنا چاہتا ہے کرلے ڈیم اٹ۔'' وہ غصے سے بولے اور ایک نگاہ حاضرین پہ ڈال کر احتیاطاً کمرے سے باہر نکل گئے۔

''وہ بہت خفا ہو رہا تھا چاچو بلکہ گھر سے چلا گیا ہے اسی غصے میں میرا خیال تھا آج واپس آجائے گا مگر......''

''اسے کرنے دو جو وہ کر رہا ہے، آئی ڈونٹ کیئر۔'' انہوں نے جہان کی بات کاٹ کر غصے سے کہا۔

''چاچو اس کا کہیں پتہ نہیں ہے وہ اس بات پہ خفا ہے کہ آپ بھابھی کو یہاں لائیں گے۔''

''میں نے کہا نا پرواہ نہیں ہے، چلا گیا ہے تو بہتر ہے، ورنہ میں خود اسے آکر گھر سے نکال دیتا، ایسی ناخلف اولاد کی مجھے بھی ضرورت نہیں۔'' وہ اب بے تحاشا مشتعل ہو چکے تھے۔

''چاچو پلیز معاملے کو سنبھالیں پلیز!'' جہان کے ملتجیانہ سے کہنے پہ وہ ہونٹ بھینچ گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ پاگل ہو گیا ہے جہان بیٹے اور اس کے پاگل پن کا میرے پاس کوئی علاج نہیں ہے، اس کی فضول ضد کی وجہ سے میں بچی سے کیسے غفلت برت لوں، اس کی ذمہ داری قبول کی ہے میں نے مذاق نہیں ہے یہ بات۔''

''آپ ٹینس مت ہوں چاچو آپ لوگ گھر آ جائیے پھر بات کرتے ہیں۔''

''او کے فائن مگر میں اس کی کوئی فضول بات ہر گز نہیں مانوں گی اور پرنیاں اسی گھر میں رہے گی ہمارے ساتھ۔'' انہوں نے تنفر سے کہا اور سیل آف کر کے اپنے دھیان میں پلٹے تو خود سے محض چند قدموں کے فاصلے پہ پرنیاں کی موجودگی نے انہیں گڑبڑا کے رکھ دیا۔

''آپ کب آئیں بیٹا!'' وہ خواہ مخواہ مسکرائے۔

''جب آپ بہت پریشان ہو رہے تھے میری وجہ سے۔''

''جی!!!'' جواباً وہ جیسے کسی کرب سے گزر کر مسکرائی اور رواداری سے گویا ہوئی تھی۔

''آپ میری وجہ سے ٹینشن مت لیں انکل پلیز! میں نے کہا نا میں ہاسٹل میں ہی ہوتی ہوں یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے، میری وجہ سے آپ انہیں گھر سے نکالیں مجھے اچھا نہیں لگے گا۔'' پپا کو شاید اس سے اس حد تک صاف گوئی کی توقع نہیں تھی یہ سچوئیشن صحیح معنوں میں انہیں شپٹا کے رکھ گئی تھی۔

''بیٹے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ایسی کوئی بھی بات......''

''انکل پلیز! پلیز انکل آپ نے میری پوزیشن کو سمجھیئے مجھے مزید ڈی گریڈ مت کریں، اس روز آپ اور ان کے بیچ جو بات چیت ہوئی وہ بھی میں سن چکی ہوں یہ محض اتفاق تھا مگر میں سمجھتی ہوں اچھا اتفاق تھا خدا نے مجھے یقیناً کسی بہت بڑی ذلت سے بچا کر قدرے معمولی ذلت سے ہمکنار کر دیا۔'' بات کے اختتام سے پہلے اس کی آواز بھرا گئی تھی، پپا تو جیسے شاکڈ کھڑے رہ گئے تھے، خجالت خفت دکھ بے بسی غصہ لاچاری کتنی کیفیات تھیں جن سے وہ یکبارگی دوچار ہوئے تھے اور کسی طرح بھی خود سے نگاہ ملانے کے قابل نہیں رہے تھے، پرنیاں سے نگاہ چار کرنا تو بہت حوصلے کی بات تھی۔

''آئی ایم ساری بیٹا...... مم...... میں......؟'' وہ اپنی بات مکمل نہیں کر سکے خفت کے شدید غلبے نے ان کی آواز کو بے حد بوجھل کر ڈالا تھا۔

''انکل پلیز! مجھے شرمندہ مت کریں مجھے آپ کے خلوص محبت اور ایمانداری پہ کوئی شبہ نہیں ہے۔'' پرنیاں سے ان کی حالت دیکھی نہیں گئی تو نرمی سے کہا تھا۔

''مگر یہ میری غلطی ہے کہ میرا انتخاب......''

''فارگیٹ اٹ انکل!'' پرنیاں کے رکھائی سے ٹوک دینے پہ ان کے چہرے پہ ایک سایہ آ کر گزر گیا، کچھ کہے بغیر انہوں نے اپنا ہاتھ اس کے سر پہ رکھ دیا تھا۔

''میں آج ہی ہاسٹل جانا چاہوں گی، آپ مجھے ڈراپ کر دیں گے؟'' پرنیاں نے گویا اپنی کچھ دیر قبل کی بیگانگی کا ازالہ کرنا چاہا تھا۔

''شیور بیٹے کیوں نہیں آپ تیاری کرو۔''

''تھینکس!'' وہ آہستگی سے بھیگی آنکھوں سے مسکرائی اور اپنے کمرے کی جانب پلٹ گئی، پپا

وہیں کھڑے کسی متفکرانہ قسم کی سوچ میں ڈوب رہے تھے۔

☆☆☆

مما اور مما جان کو پپا کے اس اچانک فیصلے نے شدید اختلاف سے دوچار کیا تھا، جس کا برملا اظہار بھی ہوا، پرنیاں کے سامنے بھی اور اس کے ہاسٹل چلے جانے کے بعد بھی البتہ پاپا جان چھوٹے بھائی کا بے حد سنجیدہ چہرا دیکھ کر معاملے کی غیر معمولی سنجیدگی کو پا گئے تھے کبھی کسی بھی قسم کے سوال سے اجتناب برتا کہ بھائی بھلے چھوٹا تھا مگر ہمیشہ بہت گمبھیر مسئلوں کا حل بہت آسانی سے نکالتا رہا تھا اور وقت نے ثابت کیا تھا ان کے فیصلے کتنے صحیح اور منافع بخش ثابت ہوتے رہے تھے انہیں اپنے بھائی کی قابلیت پہ ہرگز بھی شبہ نہیں تھا مگر مما جان کے ساتھ مما کا احتجاج اور ناگواری تھی جس کا کوئی انت نہیں تھا۔

''ارے میں کہتی ہوں ضرورت کیا ہے آخر اپنا گھر چھوڑ کر بچی کو ہاسٹل چھوڑنے کی، کتنی غیر مناسب بات ہے، پھر صدمے میں ہے اپنوں میں رہتی تو جلد سنبھل بھی جاتی۔'' مما جان کو ایک بار پھر ہول اٹھا تو شروع ہوئی تھیں، پپا نے اپنی جگہ پہ پہلو بدلا اور غیر شعوری انداز میں گاڑی کی اسپیڈ بڑھائی۔

''ہاں تو اور کیا؟ مگر انہیں ہمیشہ اپنے فیصلے ٹھونسنے کی پڑی رہتی ہے، شاید انہیں معاذ پہ اعتماد نہیں ہے، وہ بولڈ ضرور ہے مگر میرا بچہ بے باک نہیں ہے۔'' مما بھی جو جانے کیا سوچ کر کلس رہی تھیں جل کر بولیں تو پپا کا ضبط اسی لمحے جواب دے گیا تھا، انہوں نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی تلخی سمیت بیوی کی طرف مڑے۔

''ہاں اس فیصلے کے پیچھے آپ کا بیٹا وجہ بنا ہے، مگر وجہ اس کی بولڈنیس نہیں اس کی ہٹ دھرمی اور ناگواری ہے وہ محض اس وجہ سے پہلے ہی یہ گھر چھوڑ کر چلا گیا کہ پرنیاں اس گھر میں آ کر رہے گی اور یہ میرا نہیں پرنیاں کا فیصلہ ہے، بچی جتنی بھی بے بس سہی مگر بہر حال اپنی انا اور عزت نفس اسے بھی عزیز ہے، شکر کیجئے بیگم صاحبہ آپ کا واسطہ خاندانی رواداری گھرانے کی لڑکی سے پڑا ہے ورنہ اس بات پہ آج کل کی لڑکیاں طوفان اٹھا دیا کرتی ہیں مگر وہ صرف شکایت بھی زبان پہ نہیں لائی۔'' ان کا لہجہ ہی نہیں آنکھیں بھی دہک اٹھی تھیں جبکہ اس انکشاف کی زد پہ آئے باقی کے تینوں نفوس گویا ساکن ہو گئے تھے۔

''بہت اچھا ہوا کہ وہ میرے گھر جانے سے پہلے چلا گیا، ورنہ جو اس کے کرتوت ہیں نا میں خود اسے گھر سے دھکے دے کر نکال دیتا۔'' وہ ضبط کھو کر پھٹ پڑے تھے جب پاپا جان نے نرمی و حلاوت بھرے انداز میں اپنا ہاتھ ان کے بازو پہ رکھ دیا۔

''کام ڈاؤن احسان! سنبھالو خود کو یار! اللہ بہتر کرے گا۔'' ان کا بلڈ پریشر بڑھتا محسوس کر کے انہوں نے رسانیت آمیز لہجے میں کہا تو پپا ہونٹ بھینچ کر پھر سے گاڑی اسٹارٹ کرنا شروع کی، مما نڈھال سی بیٹھی تھیں۔

☆☆☆

جب مزید ایک ہفتہ تلک بھی نہ اس کا پتہ چل سکا نہ واپسی ہوئی تو شاہ ہاؤس کا ہر مکین ماسوائے پپا کے اس کی خیریت کی فکر سے دوچار رہا تھا، جہاں تک جہان کی بات تھی تو وہ پہلے دن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ہی اس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا، مما کا ضبط بالآخر جواب دے گیا آخر ماں تھیں بدحواس ہو کر جو رونا شروع ہوئی تو کسی کے چپ کرائے نہیں ہوئیں مما جان بھی دیورانی سے ازلی وفاداری نبھاتے پوری طرح ساتھ دے رہی تھیں کہ معاذ انہیں جنید سے بھی کہیں بڑھ کر عزیز رہا تھا۔

''اللہ جانے کس حال میں مارا مارا پھرتا ہوگا میرا بچہ! کھانا بھی کھاتا ہوگا کہ نہیں، کپڑا بھی ساتھ کوئی نہیں لے کے گیا، کیا کرتا ہوگا اسے تو میرے ہاتھ کے سوا کسی کا کھانا بھی پسند نہیں آتا تھا۔'' پپا گھر آئے تو وہ رو رو کر بے حال ہو چکی تھیں ان کا موڈ خواہ مخواہ آف ہونے لگا۔

''آپ کا بیٹا بچہ نہیں ہے دودھ پیتا ہوا کہ کہیں رل رہا ہوگا، محترم ضد منوانے کو گھر سے نکلے ہیں ذرا باہر کی خاک چھان لینے دیں عقل آجائے گی۔''

''احسان بس کرو تم ہی وہ تو بچہ ہے تم ہی باز آجاؤ، بہر حال تم بچے نہیں ہو۔'' مما نے جن شاکی نظروں سے مما جان کو دیکھا تھا شوہر کی ان سخت سست پہ انہی کا اثر تھا کہ وہ دیور کی کلاس لینے لگیں، پپا نے بریف کیس صوفے پہ اچھالا اور ٹھنڈا سانس بھر کے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے تھکے ہارے انداز میں بولے تھے۔

''پھر کیا چاہتیں ہیں آپ؟ موصوف کی منت سماجت کر کے گھر واپس لاؤں اور اس کے مطالبات مانوں؟'' ان کی آنکھوں میں سرد مہری اور بے زاری تھی۔

''اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔'' مما کے چمک کر کہنے پہ انہوں نے کس قدر خفگی سے انہیں دیکھا تھا۔

''آپ اس کے مطالبات جانتی ہیں بیگم صاحبہ! سب سے پہلے وہ پرنیاں سے قطع تعلقی کا اعلان کرے گا، اگر آپ کو اعتراض نہیں تو میں ڈھونڈ لاتا ہوں اسے واپس۔'' ان کے لہجے کی تلخی اور سفاکی نے مما کے ساتھ کمرے میں موجود باقی کے افراد کو بھی گنگ کر ڈالا۔

''خدا نہ کرے۔'' انہوں نے بے ساختہ دل پہ ہاتھ رکھ لیا تھا۔

''آپ میرے بیٹے کے متعلق ہمیشہ بدگمان رہتے ہیں، آپ اسے لائیں تو سہی میں اسے پرنیاں سے ملواؤں گی، اسے دیکھنے کے بعد سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ انکار کر دے۔'' ان کے لہجے کے یقین نے پپا کے چہرے پہ زہر خند بکھیر دیا۔

''بھول ہے آپ کی، آپ کے بیٹے کا دماغ بہت ٹیڑھا ہے آپ کی خوش فہمی دھری رہ جائے گی۔''

''آپ پھر بدگمانی کی بات کر رہے ہیں، میں نے کہا نا مجھے ٹریٹ کرنے دیں اسے۔'' مما نے اپنی بات پہ زور دیا تو انہوں نے کاندھے اچکا دیئے تھے۔

''اوکے فائن کریں جو آپ کرنا چاہتی ہیں۔'' انہوں نے کہا اور پلٹ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

''جہان بیٹے کہو معاذ سے گھر آجائے، اس کے پپا کہہ رہے ہیں۔'' ان کا چہرا ایکدم سے چمکنے لگا تھا، جہان نے متاسفانہ سانس بھری۔

''اس کا نمبر پچھلے ایک ہفتے سے مسلسل آف جا رہا چچی جان! میں بارہا ٹرائی کر چکا ہوں۔'' اس کے جواب پہ مما کا چہرا اجھ سا گیا۔

''ایک بار پھر ٹرائی تو کرو بیٹے کیا پتہ رابطہ ہو جائے۔''

مما جان کے کہنے پہ اس نے محض ان کا دل رکھنے کو اپنا سیل فون اٹھایا تھا، معاذ کا نمبر ڈائل کرتے اسے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی رابطہ ہونے کی مگر دوسری جانب جاتی بیل کی آواز نے اس کی دھڑکنوں کے شور کو بڑھا دیا تیسری سے چوتھی بیل پہ کال پک کر لی گئی تھی۔

''ہاں جے بولو۔'' جہان کو لگا تھا جانے کتنے عرصے بعد وہ اس سن رہا ہے۔

''معاذ کہاں ہو تم؟ سیل بھی آف جا رہا تھا۔''

''مقصد کی بات کرو فون کیوں کیا ہے؟'' معاذ کا لہجہ ایکدم سے روکھا ہو گیا، جہان نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

''چچی جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، اس طرح کیوں کر رہے ہو معاذ وہ بہت فکر مند ہیں تمہاری وجہ سے بیمار پڑ گئی ہیں۔'' اس نے دانستہ غلط بیانی کی تھی، اسے قابو کرنا آسان نہیں تھا۔

''انہیں میری طرف سے تسلی دے دو، ابھی مرا نہیں ہوں بہر حال۔'' وہ کلس کر بولا تو جہان کو ہونٹ بھینچے پڑے تھے جبکہ مما مسلسل اسے ہاتھ سے اشارہ کر رہی تھیں۔

''میری بات کراؤ۔''

''فضول مت بولا کرو، بتاؤ کہاں ہو؟''

''کیوں اغواء کرنا چاہتے ہو؟'' وہ تلملا کر بولا تو جہان کی ہنسی نکل گئی۔

''ہاں ہونا تم کوئی الہڑ مٹیار کہ اغواء کرنے کا سوچوں یار ماں سے ملو آکر بہت اپ سیٹ ہیں وہ۔''

''پپا کہاں ہیں؟ اگر گھر پہ نہیں ہیں تو ابھی آجاتا ہوں، ایکچوئلی مجھے اپنے ڈاکومنٹس بھی چاہیے نا مگر شرط یہ ہے کہ تم انہیں نہیں بتاؤ گے۔''

''ڈونٹ وری آجاؤ۔''

''مگر پپا......''

''نہیں ہیں وہ آجاؤ۔''

جہان نے دانستہ پھر غلط بیانی کی اور فون بند کر دیا، وہ ایک بار آجاتا پھر باقی کام آسان تھا۔

☆☆☆

''دیکھو میں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں صرف مما کی وجہ سے آیا ہوں ویسے انہیں ہوا کیا ہے؟''

جہان اسے گھر سے باہر ہی اسے اپنے انتظار میں ٹہلتا مل گیا تھا جہان اسے دیکھتا رہ گیا، بلیو جینز پہ لیدر کی براؤن جیکٹ فریش شیو کی نہلاتیں لئے خوبرو چہرا بے حد فریش نظر آتا تھا وہ کہیں سے بھی نڈھال اور پژمردہ نظر نہیں آتا تھا جیسا نقشہ دن رات مما اس کا کھینچا کرتی تھیں یہ حال ہو گیا ہوگا وہ حال ہو گا ئی ہو گا میرے بچے کا۔

''تم ملوان سے اور ڈاکومنٹس کی کیا ضرورت پیش آگئی؟''

''تم کیا سمجھتے ہو میں اب ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھا رہوں گا، میں نے جس یونیورسٹی میں اپلائی کیا تھا وہاں مجھے ایڈمیشن مل گیا ہے۔''

''اوہ اچھا ٹھیک ہے۔'' جہان نے سر ہلایا اور اس کے ہمراہ گیٹ سے اندر داخل ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پپا تو آگئے ہیں تم نے جھوٹ بولا تھا مجھ سے؟" وہ بدکا جہان گڑبڑا سا گیا۔

"کھا نہیں جائیں گے تمہیں یار کیا کرتے ہو؟ وہ سوغات تو ساتھ اٹھا کر نہیں لے آئے؟" وہ کس قدر بے رخی بے اعتنائی سے بولا تھا۔

"کون سی سوغات؟" جہان واقعی نہیں سمجھا تھا۔

"وہی فساد کی جڑ ان کی پینڈو بہو۔" وہ جی بھر کے چڑا جہان کو ہنسی آنے لگی۔

"یعنی رشتہ مانتے بھی ہو۔"

"شٹ اپ جے میں مذاق میں بھی ایسی بات پسند نہیں کرتا۔" وہ ہتھے سے اکھڑا تو جہان کو ڈھیلا ہونا پڑا۔

"اوکے اوکے، ویسے اطمینان رکھو ایسا کچھ نہیں ہے، بھابھی ساتھ نہیں آئیں۔"

"خبردار جو تم اسے بھابھی کہا سمجھے؟" وہ آنکھیں نکال کر غرایا تو جہان نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"پھر اور کیا کہوں؟"

"اس کا جو بھی نام ہے وہ لیا کرو میرے حوالے کا دم چھلا ساتھ لگانے کی ضرورت نہیں۔" جواباً وہ پھنکارا تو جہان ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا تھا۔

"اوکے سر کچھ اور آرڈر؟"

"اونہہ اتنے ہی فرمانبردار ہونا جیسے تم؟" وہ تلخ ہوا اور زور سے سر کو جھٹکا۔

اس سے پہلے کہ جہان جواباً کچھ کہتا اپنے دھیان سے ڈرائینگ روم سے باہر آتی زینب معاذ کو اسی سمت آتے دیکھ کر ٹھٹک گئی، شاید اسے اپنی بصارت پہ یقین نہیں آیا تھا اور جب وہ اس یقین کو پا گئی تو کچھ خوشی سے اور جذباتی پن سے بھاگ کر آئی اور بے ساختہ اس کے گلے لگ گئی۔

"کہاں چلے گئے تھے بھائی!"

"اب تو آگیا ہوں نا؟" وہ دھیمے سے مسکرایا تو زینب نے سر اٹھا کر اسے نم آنکھوں سے دیکھا تھا۔

"اب جائیں گے تو نہیں۔"

"تم پریشان مت ہو ریلیکس!" معاذ نے دانستہ جواب گول کر دیا تو زینب اس کے ساتھ لگی اندر کمرے میں آئی تھی جہاں مما سمیت سب گویا اسی کے منتظر تھے اسے دیکھتے ہی ایک شور مچ گیا باری باری سب یوں گلے لگے جیسے وہ حج کر کے واپس آیا ہو، وہ کچھ جھینپ سا گیا۔

"بیٹے کہاں چلے گئے تھے؟" مما کے آنسو اسے دیکھتے ہی پھر رواں ہو گئے تھے۔

"آپ روئیں نہیں پلیز!"

"اب پھر تو نہیں جاؤ گے؟" ان کا خدشہ زبان پہ آ گیا۔

"یہ حالات پہ ڈپنڈ کرتا ہے۔" اس کا لہجہ روکھا ہونے لگا۔

"آپ سنو تو بیٹے پرنیاں بہت پیاری ہے ریئلی میں تو اسے دیکھ کر......"

"میں اس بارے میں کوئی بات نہیں سننا چاہتا۔"

"اگر سنو گے نہیں تو جانو گے کیسے بیٹے تم......؟"

"اگر آپ نے یہ ٹاپک کلوز نہ کیا تو میں ابھی اسی وقت دوبارہ چلا جاؤں گا، مجھے سمجھ نہیں آتی آپ لوگ مجھے کیوں ٹیز کرنا چاہتے ہیں۔" وہ چیخ اٹھا تھا، کمرے میں جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا۔

"آپ اب کہیں مت جانا میرے بچے میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔" مما نے اسے پٹا کر پھر سے رونا شروع کر دیا وہ کچھ اکتایا ہوا نظر آنے لگا۔

"یہ بات آپ میری بجائے پپا کو سمجھائیں کہ وہ مجھے اپنے مطالبات نہ منوائیں۔" وہ پھر سے بدلحاظ ہونے لگا۔

"کیا مطالبات ہیں تمہارے؟" پپا کی آمد اچانک ہوئی تھی ان کا لہجہ خوفناک حد تک سنجیدہ تھا، ایک پل کو تو خود معاذ بھی گڑبڑا گیا مگر اگلے لمحے اس کا ازلی اعتماد اس کے ساتھ تھا۔

"مجھے آپ کا فیصلہ قابل قبول نہیں، یہ محض آپ کی ضد تھی جو پوری ہوئی، میں اپنی پسند سے شادی کرنے کا حق رکھتا ہوں۔" اس نے جواباً ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دوٹوک انداز میں کہا تھا۔

"پرنیاں کے بارے میں کیا سوچا؟" پپا کا چہرا لال بھبھوکا ہو رہا تھا جانے وہ کتنا ضبط کر رہے تھے خود پہ۔

"اس کے بارے میں آپ ہیں نا سوچنے کو۔" وہ بے حد تلخی سے بولا تو پپا کچھ دیر شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھتے رہے تھے، پھر دو قدم اس کے نزدیک آئے اور سرد آواز میں بولے تھے۔

"میں نے سوچ لیا ہے یا تم اسے پوری عزت و احترام سے رخصت کرا کے لاؤ گے اور اس کے سارے حقوق پورے کرو گے ورنہ......"

"ورنہ کیا......؟" وہ طنز سے ان کی بات اچک کر بولا۔

"ورنہ تم ابھی اور اسی وقت اسے طلاق دے دو گے، اس کی زندگی برباد کرنے کی اجازت میں تمہیں ہرگز نہیں دے سکتا۔" ان کے مطالبے نے مما کے حلق سے چیخیں نکال دیں تھیں مما جان الگ دل تھام کر رہ گئیں۔

"احسان یہ کیا کر رہے ہو؟" وہ بے ساختہ چیخیں، مگر ان پہ جیسے کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"بولو کیا کرنا چاہو گے تم؟" وہ معاذ کو گھور رہے تھے۔

"میں آپ کا پہلا مطالبہ ماننے سے قاصر ہوں، ہاں دوسرا مطالبہ پورا کرنا قطعی مشکل کام نہیں کہیں تو ابھی طلاق دے دوں؟" وہ خائف ہوئے بنا اسی سکون سے بولا تو ماحول پہ گمبھیر سناٹا در آیا تھا۔

(جاری ہے)

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم بن عید مناؤں کیسے؟

ہما راؤ

''زارا! آج شام میں کچھ لوگ تمہیں دیکھنے آرہے ہیں۔'' قدسیہ بیگم نے کہا۔

''اچھا!'' زارا کا دھیان ٹیلر سے سل کے آنے والے سوٹ کی جانب تھا۔

''ان لوگوں نے تمہیں نیلم کی شادی میں دیکھا اور پسند کرلیا۔'' قدسیہ نے بتایا۔

''کن لوگوں نے؟'' زارا نے لاپرواہی سے پوچھا۔

''یہ تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے، تم نے ہی انہیں گھر کا ایڈریس بتایا ہو گا۔'' قدسیہ بیگم مسکرائیں۔

''امی! مجھ سے نجانے کتنے لوگ گھر کا پوچھتے ہیں، نجانے کتنے لوگ شادی میں تھے، کتنوں نے ہی مجھے سراہا تھا۔'' زارا نے غرور سے کہا۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' قاسیہ بیگم نے تائید کی۔

''بیٹا! تمہیں تو سب پسند کر لیتے ہیں ہمیں بھی کوئی تمہارے معیار کا لڑکا ملے تو بات بنیں۔''

''امی! مل جائے گا، آخر مجھ میں کس چیز کی کمی ہے۔'' زارا نے سکون سے جواب دیا۔

''ہاں! یہ تو ہے۔'' قدسیہ اطمینان سے بولیں۔

''امی! یہ سوٹ کیسا لگ رہا ہے۔'' زارا کی توجہ بدستور اپنے سوٹ پر تھی۔

''تم! یہ تو سب کچھ سج جاتا ہے، میں زارا ماسی سے صفائی کر والوں، کم بخت کل بھی کچرا چھوڑ گئیں تھیں۔''

''امی! آپ اسے فارغ کر دیں، کل سے حمیدہ کو بلائیں۔'' زارا نے مشورہ دیا۔

''ہاں! یہ تو ہے، میں آج اس کا حساب کتاب کر دیتی ہوں۔'' قدسیہ غصے سے بولیں۔

''باجی! مجھے معاف کر دیں، آئندہ شکایت کا موقع نہیں دونگی۔'' حمیدہ ان کی باتیں تن کے کمرے میں آ گئی۔

''ایسی معافیاں تم متعدد بار مانگ چکی ہو، اب چھٹی کرو۔'' زارا نے نخوت سے جواب دیا۔

''باجی! معاف کر دو، میں بہت غریب عورت ہوں، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔'' حمیدہ نے منت ریز انداز میں کہا۔

''یہ تمہیں پہلے سوچنا تھا، اب نکل جاؤ، مجھے تمہارا کوئی بہانہ نہیں سنا ہے۔'' زارا نے غصے سے کہا، حمیدہ سر جھکا کے مایوسی سے چلی گئی۔

''امی! شام کو آنے والے مہمانوں کے لئے مارکیٹ سے کیا منگوانا ہے؟'' سیف نے پوچھا۔

''رہنے دو، کچھ بھی لانے کی ضرورت نہیں ہے، لوگ کھا ٹھونس کے چلے جاتے ہیں اور اپنے نکھے نکھٹو عام سی صورت والے بیٹوں کے لئے پسند کر جاتے ہیں۔'' زارا چڑ گئی۔

''بیٹا! مہمان نوازی تو کرنی پڑتی ہے۔'' قدسیہ بیگم بولیں۔

''امی! زارا باجی ٹھیک کہہ رہی ہیں، اس سے پہلے والے مہمان سب کچھ کھا کے چلے گئے تھے اور جب ہم ان کے گھر گئے ایک تو خالی چائے دیدی اور اوپر سے چشما ٹولڑکے کو دیکھ کے میرا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔'' مائرہ بولی۔

''باجی! تیاری کر لیں، مہمان آتے ہی ہونگے۔'' مائرہ نے گھڑی دیکھی۔

''مجھے کیا ضرورت ہے تیار ہونے کی۔'' زارا اترائی، قدسیہ بیگم اور مائرہ مسکرا دیں۔

''امی! مجھے بتا دیں کیا لانا ہے، بیکار بحث مت شروع کریں۔'' سیف بیزاری سے گویا ہوا۔

''رہنے دو، اج ہم بھی خالی چائے پر ٹرخا دیں گے۔'' قدسیہ بیگم نے جواب دیا، سیف کمرے سے نکل گیا، قدسیہ بیگم کچن میں چلیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی۔

"مائرہ! لوگوں پہ اتنا غصہ آتا ہے اپنے لنگور بیٹوں کی صورت نہیں دیکھتے اور منہ اٹھا کے میرے لئے آ جاتے ہیں، جیسے میرے تو کچھ خواب ہی نہیں ہے۔" زارا بے بسی سے بولی۔

"آپی! آپ فکر مت کریں، آپ کی قسمت بہت اچھی ہو گی اور آپ کے شوہر بھی آپ جیسے خوب صورت ہونگے۔" مائرہ نے تسلی دی۔

"ایسا ہی ہوگا۔" زارا اعتماد سے بولی۔

قدسیہ بیگم بیوہ خاتون تھیں، ان کا تعلق مڈل کلاس گھرانے سے تھا، ان کے شوہر گورنمنٹ ملازم تھے، ان کی ڈیتھ کے بعد پینشن اور دوکانوں کے کرائے سے اچھا گزارہ ہو جاتا تھا، ان کے تین بچے تھے، جو کہ خوب صورتی میں اپنی مثال آپ تھے، ان کی خوبصورتی کا چرچا، خاندان، رشتے داروں میں بچپن سے ہی تھا، اس وجہ سے بچے بھی کچھ خود پسند واقع ہوئے تھے، بڑے ہو کے ان میں یہ عادتیں پختہ ہو گئیں، سیف بڑا تھا، جو میڈیا میں انٹرسٹیڈ تھا، اس لئے اخبار کے دفتر میں ملازم ہو گیا۔

زارا نے ایف اے کیا تھا، اسے پڑھائی یا گھر داری سے قطعی لگاؤ نہ تھا، بنا سنورنا، گھومنا، پھرنا، موویز دیکھنے کا اسے کریز تھا۔

مائرہ نے بھی ایف اے کیا تھا، وہ بھی خاصی خوبصورت، شوخ زندہ دل تھی، عادات و اطوار زارا سے مختلف نہ تھے۔

قدسیہ بیگم بھی کوئی سمجھدار خاتون نہ تھیں، بچوں کی خوشی میں خوش رہنے والی تھیں۔

☆☆☆

"امی! مہمان آ گئے ہیں۔" سیف نے اطلاع دی۔

مائرہ اور قدسیہ بیگم اٹھ کھڑی ہوئیں، جب کہ زارا ٹی وی کی جانب متوجہ ہو گئی۔

مائرہ نے خالی چائے پیش کر دی، آنے والے مہمان بہت با اخلاق اور سادہ لوگ دکھائی دیتے تھے، بہت پڑھے لکھے اور سلجھے ہوئے لوگ تھے، زارا کو انہوں نے پسند کر لیا تھا۔

"امی! لوگ بہت شریف اور اچھے ہیں۔" سیف بولا۔

"مجھے بھی بہت پسند آئے۔" قدسیہ نے تائید کی۔

"بس لڑکا اچھا نکل آئے۔" مائرہ نے حسرت سے کہا۔

"ہم نے خالی چائے پلا دی۔" زارا کو تاسف نے آ گھیرا۔

"مشورہ بھی آپ کا تھا۔" سیف نے طنز کیا۔

"مجھے کیا پتہ تھا، اس مرتبہ ایسے اچھے لوگ دیکھنے کو ملیں گے۔" زارا مسکرائی۔

کل جاتے ہوئے خصوصی اہتمام کیا، مائرہ ایک سائیڈ تھی ریان کا گھر دس مرلے کا تھا، جو گلشن کے خوب صورت علاقے میں تھا، گھر بہت جدید طرز کا تھا، گھر والے بہت نفیس تھے اور ان کی مہمان نوازی اور خلوص نے قدسیہ بیگم، مائرہ اور سیف کو شرمندہ کر دیا، مائرہ ریان کو دیکھنے کے لئے بے قرار تھی، جب ہی ریان آ گیا، سانولا، لمبا اور خوبصورت پر کشش شخصیت کا مالک تھا، مائرہ کو بے حد پسند آیا، ریان تہذیب یافتہ، مہذب اور شریف پڑھا لکھا انسان تھا، سیف اور قدسیہ بیگم نے فوراً او کے کر دیا۔

مائرہ نے ریان کی اتنی تعریفیں کیں کے زارا کا دل بھی بے اختیار اسے دیکھنے، سوچنے، چاہنے کی آرزو کرنے لگا، اگلے ہی ہفتے زارا اور ریان کی منگنی کر دی گئی۔

منگنی کے بعد زارا اور مائرہ منتظر تھی کہ ریان زارا کے موبائل پہ کال کرے گا، لیکن شادی کا دن

آ پہنچا ریان کے دل میں ایسی کوئی خواہش نہیں جاگی۔

دولہن بن کر زارا بے حد حسین لگ رہی رہی تھی، آئینہ دیکھا تو خود پہ ناز ہونے لگا۔

ریان بھی اپنی پر وقار شخصیت کے ساتھ سب کو بے حد پسند آیا، خود زارا بھی پہلی نظر میں سراہ گئی، لیکن وہ قائل ہونے والوں میں نہیں قائل کرنے والوں میں تھی، سو بہت بے نیاز سی نظر آنے لگی۔

☆☆☆

"زارا! میں کبھی بھی کسی کی ظاہری خوب صورتی سے متاثر نہیں ہوا، مجھے ہمیشہ سے باطنی حسن پسند ہے، میری امی نے مجھ سے جب شادی کے لئے لڑکی کا پوچھا تو میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ وہ جو بھی ہو، باطنی حسن سے مالا مال ہو، میں امید کرتا ہوں، جیسی آپ کی صورت ہے اس سے کہیں بڑھ کے سیرت ہو گی۔" ریان نے دھیمے لہجے میں کہا۔

زارا جو اپنے حسن کی تعریف سننے کی توقع کر رہی تھی، ریان نے اس کے ارمانوں پہ اوس ڈال دی اور وہ دل میں خفا سی ہو گئی۔

ریان کی فیملی میں سب لوگ بہت اچھے تھے، زارا کی ساس صالحہ خاتون بہت نرم مزاج، صلح جو خاتون تھیں، ریان کی بڑی بہن جو شادی شدہ تھیں، ملیحہ وہ صالحہ خاتون جیسا مزاج رکھتی تھی، ریان کی چھوٹی بہن امامہ، زارا کا بہت خیال رکھتی تھی۔

"زارا! تمہاری شادی کو پندرہ دن ہو گئے ہیں، اب تم کھیر بنا لو۔" ریان کی خالہ بولیں، زارا نیل پالش لگاتے ہوئے رک گئیں اور پیشانی پہ بل پڑ گئے، جو صالحہ خاتون سے پوشیدہ نہ تھے۔

"بنا لے گئی ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔" صالحہ بولیں۔

"بھابھی میں مہندی لگاؤں۔" امامہ نے پیار سے ہاتھ تھاما، زارا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"لگتا ہے بہو کو سجنے سنورنے کا کچھ زیادہ ہی شوق ہے۔" ریان کی خالہ نے طنز کیا۔

"باجی! کیسی باتیں کر رہی ہیں، شادی کو دن کتنے ہوئے ہے۔" صالحہ خاتون نے چپ کروانے کی کوشش کی۔

دو ماہ گزر گئے، زارا کے تیور نہ بدلے، روزانہ گھومنا پھرنا، یا میکے جانے کی خواہش ہوتی۔

"زارا امی سارا دن گھر کے کام کرتی ہیں، تم ان کا ہاتھ بٹایا کرو۔" ریان نے دھیمے سے انداز میں کہا۔

"مجھے گھر داری نہیں آتی۔" زارا نے ناگواری سے کہا۔

"زارا! امی تمہیں سب سیکھا دیں گی، تم کچن میں جا کے دیکھو۔" ریان نے سمجھایا۔

زارا اس وقت تو چپ ہو گئی لیکن دوسرے دن میکے چلی گئی اور ہفتہ وہیں رہیں، میکے میں اسے ریان کی یاد بھی آئی، لیکن ریان سے فون پہ روزانہ بات کر لیتی تھی۔

"آپی! آپ گھر کے کام کر لیا کریں۔" مائرہ بولی۔

"کیا؟" زارا چلائی۔

"آپی! آپ کے سسرال والے اور ریان بھائی بہت اچھے انسان ہیں، آپ کو ان کی قدر کرنی چاہیے۔" مائرہ صاف گوئی سے بولی۔

"مائرہ! مجھے یہ سب کام کرنا پسند نہیں ہے۔" زارا نے جواب دیا۔

"آپی! گھر داری عورتیں ہی کرتیں ہیں، آپ معمولی بات کو ایشو بنا رہی ہیں۔" مائرہ نے کہا۔

"مائرہ تم مت بولو، میرا موقف بالکل درست ہے۔" زارا نے چڑ کے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''امی! آپ ہی سمجھائیں۔'' مائرہ نے کندھے اچکائے۔

''زارا! تم کچھ کام کرلیا کرو۔'' قدسیہ بیگم بھی بولیں۔

''آپ لوگ خاموش رہیے۔'' زارا نے ٹوکا۔

''ریان! ایک ماہ ہو گیا ہے زارا نہیں آئی۔'' صالحہ خاتون کو تشویش لاحق ہوئی۔

''امی! میں بہت مصروف ہوں، میرے پاس آج کل ٹائم نہیں ہے اسے لانے کا۔'' ریان نے مؤدب انداز میں جواب دیا۔

''تو بیٹا! وہ خود آ جاتی۔'' صالحہ خاتون بولیں۔

''تو آج پوچھو، بلکہ لے کے آؤ۔'' انہوں نے حکمانہ انداز میں کہا۔

''جی! بہتر۔'' ریان کھانے کی جانب متوجہ ہوا۔

☆☆☆

زارا اداس تھی ایک ماہ ہو گیا تھا، ریان اس سے ملنے بھی نہیں آیا تھا، اسے ریان کی بے حسی پہ بہت غصہ آ رہا تھا، یہ بھی حقیقت تھی کہ اب اس کا یہاں دل نہیں لگ رہا تھا، اسے ریان، اس کی باتیں، سب کچھ ستا رہا تھا، لیکن وہ بلا کی انا پرست تھی، اپنی غلطی ہوتے ہوئے بھی تسلیم نہیں کرتی تھی، اور نہ ہی کبھی پہل کرتی تھی، سو صبر کیے ہوئے تھی۔

صالحہ خاتون کے کہنے پہ ریان اسے لینے آ گیا، زارا کو اپنی جیت محسوس ہوئی اور وہ فخر سے چلی گئی، راستے میں ریان خاموش ہی رہا جبکہ زارا کا خیال تھا وہ زارا سے مصنوعی خفگی کا اظہار کرے گا وہ اتنا عرصہ کیوں ٹھہری، لیکن ریان نے اسے مایوس کیا صالحہ خاتون اور امامہ زارا کو دیکھ کے خوش ہوئیں۔

''بھابھی! آپ نے اتنے دن لگا دیئے، کتنی بور ہوتی تھی میں۔'' امامہ نے شکوہ کیا۔

''میں منتظر تھی کہ تمہارے بھائی مجھے لینے آئیں۔'' زارا نے کن اکھیوں سے ایس ایم ایس کرتے ریان کو دیکھا۔

''بیٹا! وہ دفتری کاموں میں مصروف تھا، تم سیف کے ساتھ آ جاتی۔'' صالحہ خاتون نے شفقت سے جواب دیا۔

''سیف بھی دفتری کاموں میں مصروف تھا۔'' زارا چڑ گئی۔

''بیٹا! یہ تمہارا اپنا گھر ہے اور عورتیں ہی گھر بناتی ہیں اور کامیاب بیوی وہ ہی ہوتی ہے جو شوہر کی رضا میں رضا مند رہے، بیٹا عورت میں برداشت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اور عورت ہی سمجھوتہ کرتی ہے جس کے بعد گھر جنت بنتا ہے اور شوہر بھی بیوی کی قدر کرتا ہے اور اسے عزت اور محبت دیتا ہے۔'' صالحہ خاتون نے نرمی سے کہا۔

''بہتر ہوتا آنٹی! اگر کچھ نصیحتیں آپ اپنے بیٹے کو بھی کرتی۔'' زارا ایکدم بھڑک اٹھی تھی۔

''زارا! میری امی سے تمیز سے بات کرو۔'' ریان نے غصہ ضبط کرتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

''اونہہ۔'' زارا منہ بناتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

''ریان کو ہمیشہ میں ہی غلط نظر آتی ہوں۔'' زارا نے دکھی ہو کے سوچا اور سونے کے لئے لیٹ گئی۔

''امی! آخر کب تک یوں کام چلے گا، مجھے زارا پہ سختی کرنی ہوگی، اسے گھر داری سے قطعی دلچسپی نہیں، گھر والوں کی اسے پروا نہیں، بڑوں کی عزت کرنا نہیں جانتی۔'' ریان کو زارا کی عادات سے شکایت تھی۔

''بیٹا! وہ تمہاری بیوی ہے، کچھ نرمی سے کچھ سختی سے اسے سمجھاؤ، رفتہ رفتہ سمجھ جائے گی اور ہمارے ماحول میں ایڈجسٹ ہو جائے گی۔'' صالحہ خاتون نے ریان سے جواب دیا۔

''نرمی ہی برتی ہے اب تک، اب سختی کا وقت آ گیا ہے۔'' ریان نے خود سے کہا اور اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔

زارا آنکھوں پہ بازو رکھے لائیٹ آف کر کے سونے لگی تھی، جب ہی ریان نے لائٹ آن کی اور زارا کو مخاطب کیا۔

''زارا!'' ریان نے نرمی سے پکارا، زارا کا دل ریان کی نرم آواز سن کے خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا، زارا خوش ہو گئی۔

''جی!'' زارا نے جان بوجھ کے اسے نظر انداز کر کے رخ موڑا۔

''میرے صبح کے کپڑے پریس کر کے رکھو۔'' ریان بولا، زارا کو جھٹکا لگا، وہ کیا توقع کر رہی تھی اور کیا حکم ملا۔

''صبح کروں گی، مجھے نیند آ رہی ہے۔'' زارا سرد مہری سے بولی۔

''صبح نہیں ابھی، صبح تم گیارہ بجے اٹھو گی، جب تک امامہ ہمیشہ کی طرح کر کے رکھ چکی ہو گی۔'' ریان نے جواب دیا۔

''تم اٹھو اور یہ کپڑے پریس کرو۔'' زارا کی طرف سے کچھ دیر جواب نہ موصول ہونے پر قدرے غصے سے کہا، زارا غصے سے اٹھی اور جلدی سے کپڑے پریس کر کے جان چھڑائی، جب تک ریان اسے نظر انداز کیے سو چکا تھا، زارا نے افسوس بھری نظر اس پہ ڈالی۔

شادی سے قبل کیا کیا خواب دیکھے تھے، رات کو لانگ ڈرائیو ویک میں ایک مرتبہ کینڈل لائیٹ، ڈنر، کام کے لئے ماسی اور شادی کے بعد ہنی مون پہ شمالی علاقہ جات کی سیر، مال روڈ سے شاپنگ۔

''تم نے میرے سارے خواب آنکھوں سے نوچ ڈالے، تم ایک بے حس انسان ہو، بیوی کی فیلنگ کا احساس نہیں، تم ایک خود غرض انسان ہو۔'' زارا بے آواز روتے ہوئے اپنے شوہر سے دل میں مخاطب ہوئی، ریان نے اسے ہرٹ کیا تھا، اسی اپنی بیسٹ فرینڈ ہانیہ کی بات یاد آ گئی تھی، ہانیہ نے شادی میں کہا تھا۔

''زارا تم تو اتنی حسین ہو، تمہارا ہزبینڈ تمہیں دیکھتے ہی اپنا دل تمہارے قدموں میں رکھ دے گا اور تاحیات تمہارا غلام بن کے رہے گا، تم تو مغلیہ دور کی شہزادی لگ رہی ہو۔'' اور زارا فخر سے مسکرا دی تھی، وہ ریان سے یہ ہی چاہتی تھی، لیکن ریان چھچھورا نہیں سوبر بندہ تھا، اس کے نزدیک صورت سے زیادہ سیرت اور کردار کی اہمیت تھی، زارا میں وہ خوبیاں نہیں تھی، جن کا وہ متلاشی تھا، صالحہ بھی عام عورتوں کی طرح اس کی صورت پر مر مٹی کہ ان کی بہو لاکھوں میں ایک نظر آئے گی۔

ریان کو گھریلو لڑکیاں اچھی لگتی تھی، جو اپنے ہاتھوں سے اپنے شوہر کا اپنے گھر کا کام کریں، شوہر سے منسوب رشتوں کا احترام کریں، زارا ان لڑکیوں میں سے تھی، جو صرف اپنے میاں تک تعلق رکھنا پسند کرتی ہے، علیحدہ گھر، خود مختاری کی خواہش مند، ایک حد تک ریان اس کا آئیڈیل تھا، گڈ لکنگ، ایجوکیٹڈ، ویل ڈریسڈ، اسٹبلیش، لیکن اس کی حد سے زیادہ سنجیدگی، اپنے گھر والوں کے لئے فکر مندی زارا کو خالص گھریلو روپ میں دیکھنے کی آرزو سے زارا نالاں تھی۔

رات کو دیر تک جلنے کڑھنے اور اپنے بکھرے خوابوں پہ ماتم کرنے سے اس کی آنکھ تین بجے لگی تھی ریان نماز پڑھنے جا رہا تھا، جاتے ہوئے اسے بھی کہہ گیا۔

''زارا نماز پڑھ لو۔'' زارا کروٹ بدل کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سو گئی تھی، فجر کی نماز وہ عموماً رمضان المبارک میں ہی پڑھا کرتی تھی، عام روٹین میں تو وہ کبھی کبھار عصر، یا مغرب کی پڑھ لیا کرتی تھی، دراصل ان کے گھر میں کوئی بھی نماز کا پابند نہ تھا، جبکہ صالحہ خاتون کا گھرانہ دیندار اور مشرق روایت کا حامل تھا، ان کے بچے بھی دینی احکامات کی پابندی کرتے تھے، ریان کو زارا کی دینی احکامات سے غفلت پہ تاسف ہوتا تاہم وہ ابھی سختی نہیں کرنا چاہتا تھا، خیال تھا کے ماحول بدلنے پہ زارا کی عادات میں بھی مثبت تبدیلی رونما ہو گی، جن کے فی الحال آثار نظر نہیں آرہے تھے۔

''زارا! ناشتہ بناؤ مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

ریان آٹھ بجے تک زارا کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا تھا۔

''زارا! جلدی اٹھو، آخر اور کتنا سوؤں گی۔''

ریان جھنجلایا زارا ناچار اٹھ گئی، سلائس گرم کر کے ناشتہ دیا۔

''میں پراٹھا اور آملیٹ کھاتا ہوں، کل سے بنانا۔'' ریان کے کہنے پہ زارا کو بہت غصہ آیا تاہم ضبط سے کام لیا، صبح صبح وہ بحث میں پڑنا نہیں چاہتی تھی، ناشتہ رکھ کے وہ اپنی بقایا نیند پوری کرنے لگ گئی تھی، نہ برتن اٹھائے، نہ دھوئیں۔

اتفاق سے صالحہ خاتون کا اپنے میکے گجرات جانے کا ارادہ بن گیا، صالحہ خاتون کے ساتھ امامہ بھی چلی گئی، دوپہر کا کھانا تو صالحہ خاتون بنا گئی تھیں، رات میں زارا کو صرف روٹیاں بنانی تھیں، صالحہ خاتون کے جاتے ہی زارا کو آزادی اور خودمختاری کا احساس ہوا، اس نے جی بھر کے ٹی وی دیکھا، سوشام کو اپنا فیورٹ سوٹ پہنا اور میک اپ کیا، آئینہ دیکھا وہ ہمیشہ کی طرح دلکش لگ رہی تھی، آج اس کا ہوٹلنگ کا دل کر رہا تھا، ریان آٹھ بجے آیا۔

''السلام وعلیکم!'' ریان نے دھیمے سے کہا۔

''وعلیکم السلام! کیسے ہیں آپ؟ میں کب سے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔'' زارا نے خوشدلی کا مظاہرہ کیا۔

''کہیں جانا ہے؟'' ریان نے سجی سنوری زارا سے پوچھا۔

''میری فرینڈز ''شان مغلیہ'' ریسٹورنٹ کی بہت تعریف کرتیں ہیں، مجھے آج رات کا کھانا وہاں کھانا ہے۔''

''او کے، میں فریش ہو کے آتا ہوں لیکن تم پلیز کوئی چادر وغیرہ لے لو، یوں سرعام اتنے لوگوں میں بیٹھنا اچھا نہیں لگتا۔'' ریان نے نرمی سے جواب دیا۔

زارا اس کے رضامند ہونے پہ خوش ہوئی تھی کہ اگلے جملے نے اسے بدمزہ کر دیا، کتنا خوب صورت روپٹہ تھا، نازی کڑھائی، اس دوپٹے کی وجہ سے تو سوٹ خریدا تھا، لیکن ریان کے خوشگوار موڈ کو بحال رکھنے کے لئے اسے اپنی بری کی بڑی اور بھاری چادر نکال کے اوڑھنی پڑھی، کھانا خوش گوار موڈ میں کھایا گیا، رات گئے دونوں کا موڈ اچھا رہا۔

''زارا! اٹھو نماز پڑھو، ناشتہ بناؤ، پراٹھا اور انڈا بنانا، جلدی کرو، نماز لیٹ ہو جائے گی، میں نماز پڑھنے کے بعد ناشتہ کروں گا، مجھے آج سات بجے پہنچا ہے۔'' اس نے ریان کی بات سنی اور سمجھنے سے قبل اس پہ نیند کا غلبہ آ گیا، ریان نماز پڑھ کے آیا تو اسے سوتے دیکھ کے چڑ گیا۔

''زارا! ناشتہ کہاں ہے؟''

''میں بناتی ہوں۔'' زارا نے بمشکل آنکھیں کھولیں اور کچن کا رخ کیا اور کچھ دیر میں ناشتہ سامنے رکھ دیا۔

''زارا! میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے سلائس کی عادت نہیں ہے، پھر تم نے یہ ہی بنایا ہے۔''

''فریج میں آٹا گوندھا ہوا نہیں ہے۔'' زارا نے جواب دیا۔

''نہیں ہے تو گوندھتی اور بناتی۔'' ریان ناشتہ چھوڑ کے آفس چلا گیا، زارا اپنی بقایا نیند پوری کرنے لگی۔

صبح دوبارہ بیدار ہو کے ناشتہ بنایا اور فون پہ قدسیہ بیگم، مائرہ، سیف سے باتیں کر کے بھی دل نہ بھرا تو صبا، ندا سے باتیں کرنے لگی، اس کے بعد ٹی وی دیکھا چار بجے بھوک لگی تو سالن بنانے کے بجائے فریج سے سیب لے کے کھانے لگی، آج فون پہ صبا نے اسے بلیک ساڑھی پہننے کا مشورہ دیا تھا، آٹھ بجے سے پہلے شفیون کی خوب صورت ساڑھی باندھی، بلیک موتیوں کا آرٹیفیشل جیولری سیٹ پہنا، نیچرل میک اپ کیے وہ بہت زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔

''السلام وعلیکم!'' ریان تھکا ہوا آیا تھا، آج ناشتہ بھی نہیں کیا تھا اور لنچ کا ٹائم نہیں ملا تھا۔

''وعلیکم السلام!'' زارا دلکشی سے مسکرائی۔

''زارا! کھانا لگاؤ۔'' ریان واش روم کی طرف بڑھا۔

''تم یہیں بیٹھی ہو۔'' ریان نے واش روم سے نکل کر چڑ کے کہا۔

''میں نے کھانا نہیں بنایا ہے۔'' زارا نے بتایا۔

''کیوں؟ زارا! تم اب شادی شدہ عورت ہو، پریکٹکل لائف میں آچکی ہو، اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو، یوں کب تک چلے گا۔'' ریان نے سپاٹ انداز میں کہا۔

''مجھے نہیں آتا، نہ ہی مجھ سے یہ کام ہوتے ہیں۔'' زارا بے بسی سے بولی۔

''زارا! یہ کہہ کے تم کاموں سے جان نہیں چھڑا سکتی، اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو، جو کام نہیں آتا، اسے سیکھو، اٹھو اور کچھ بھی بناؤ۔'' ریان نے سخت لہجے میں جواب دیا، زارا مرئے مرئے قدموں سے اپنے بیڈروم میں آئی تھی، ساڑھی چینج کی اور کچن میں آ گئی۔

''میں انڈا بنا سکتی ہوں سویاں، چاول، آلو کا سالن۔'' زارا نے سوچا۔

چاول بنائے، رات گیارہ بجے ریان کا بھوک سے برا حال تھا، جب زارا چاول لائی، پھیکے کچے سخت بدمزہ چاول وہ بمشکل چار چمچ لے پایا، خود زارا سے بھی کھانا مشکل تھا۔

''آخر کب تک مجھے صبر کرنا ہو گا۔'' ریان نے پوچھا۔

''صبر میں کر رہی ہوں، تین گھنٹے گرمی میں خوار ہوئی ہوں۔'' زارا نے غصے سے جواب دیا۔

''یہ کھانے کے قابل نہیں ہے، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے اتنی پھوہڑ، بدسلیقہ اور بدمزاج بیوی ملے گی۔'' ریان نے افسوس سے کہا۔

''میں نے بھی نہیں سوچا تھا کہ مجھے تنگ نظر ظالم اور ناشکرا شوہر ملے گا۔'' زارا نے دوبدو جواب دیا یوں دونوں کی بحث اچھی خاصی بڑھ گئی۔

☆☆☆

صبح اتوار تھا، ملیحہ باجی اپنے بچوں سمیت آ گئی، ان کے چار بچے ہیں جو بے حد شریر تھے، بڑا شرجیل گیارہ سال کا روحیل نو سال کا عائشہ اور فاطمہ ٹوئنز سات سال کی تھیں۔

ریان بہت خوش تھا، زارا کو یہ جان کے دھچکا لگا تھا کے وہ ایک ہفتے کے لئے آئیں ہیں، ریان دوپہر کے لئے چکن، سلاد، چاول لایا تھا ریسٹورنٹ سے۔

''باجی مجھے کھانا نہیں بنانا آتا اور جو آتا ہے وہ انہیں پسند نہیں آتا۔'' زارا نے منہ پھلا کے کہا۔

''زارا! تم پریشان مت ہو، میں کھانا بناتی ہوں، تم صفائی کر لو۔'' ان کی صفائی پسند طبیعت گندا گھر دیکھ کے گھبرا گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لو جی کھانے سے جان چھٹی تو یہ عذاب گلے پڑ گیا، مجھے ماسی سمجھا ہے۔" زارا نے دل میں سوچا۔

باجی نے لذیز کھانا بنایا، کچن سے نکلی تو دیکھا زارا ٹی وی دیکھ رہی ہے۔

"صفائی نہیں کی تھی۔" انہوں نے نرمی سے زارا کو مخاطب کیا۔

"باجی! میں نے کبھی اپنے گھر میں صفائی نہیں کی، مجھے الرجی ہے۔" زارا نے اطمینان سے جواب دیا۔

"تم! کچھ کر سکتی ہو۔" ریان نے طنز کیا۔

"ریان! تم خاموش رہو۔" باجی نے لتاڑا۔

"زارا! تم آؤ کھانا لگا دیں۔"

زارا نے کھانا لگایا، کھانا واقعی مزیدار تھا۔

"امی جان کے جانے کے بعد آج پیٹ بھر کے کھایا ہے۔" ریان نے باجی سے کہا۔

زارا ریان کی بات سے ہرٹ ہوئی تھی، زارا کو بھی کھانا بہت اچھا لگا تھا لیکن تعریف کرنے کا ظرف نہیں تھا۔

"زارا! تم برتن دھو کے رکھو، جو سالن بچا ہے، اسے فریج میں رکھو، میں صفائی کرتی ہوں۔"

"جی!" زارا نے برتن سمیٹنے شروع کیے اور پھر دھو کے خشک کر کے رکھے۔

"اُف اتنے سارے گندے برتن تھے۔" زارا نے برا سا منہ بنا کے ریان سے کہا۔

ریان نے ناگواری سے زارا کو دیکھا لیکن خاموش رہا، اتنے میں شرجیل اور راحیل کمرے میں آ گئے، روحیل بیڈ پہ چڑھ گیا جبکہ شرجیل زارا کی الماری کے پیچھے چھپ گیا، فاطمہ غالباً انہیں تلاش کرنے آئی تھی۔

"آپ تینوں کمرے سے باہر جائیں یہ پلے گراؤنڈ نہیں ہے۔" زارا نے بے مروتی سے کہا، بچے خاموشی سے باہر نکل گئے تھے۔

"کیا تھا، اگر کچھ دیر کے لئے بچے کمرے میں آ گئے تھے۔" ریان نے خفگی سے کہا۔

"مجھے بچوں کا شور اور شرارتیں پسند نہیں۔" زارا اڑی، ریان کمرے سے باہر چلا گیا۔

"ماموں! ہمیں پارک جانا ہے۔" چاروں بچوں کا مطالبہ تھا۔

"باجی! چلیں رات کا کھانا بھی باہر کھا لیں گے۔" ریان نے پروگرام بنایا۔

"نہیں رہنے دو، تم بچوں کو لے جاؤ ہم رات کا کھانا تیار کر لیں گے بلکہ یوں کرو زارا کو بھی لے جاؤ۔" باجی نے متانت سے کہا۔

"نہیں، میں بچوں کو لے جاتا ہوں۔" ریان جانتا تھا کہ باجی کو پارک کے ہنگاموں سے وحشت ہوتی ہے اور زارا کو لے جانا انہیں تنہا چھوڑ جانا مناسب نہیں تھا۔

"زارا! میں بچوں کو لے کے پارک جا رہا ہوں، تمہیں کچھ منگوانا ہو تو بتاؤ؟" ریان نے پوچھا۔

"نہیں۔" زارا نے مختصر کہا اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

ریان اور بچوں کے جانے کے بعد باجی تنہائی کے خیال سے زارا کے کمرے میں آئی، زارا لیٹی ہوئی تھی، انہیں دیکھ کے اٹھی۔

"لیٹی رہو، تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟" انہوں نے نرمی سے پوچھا، زارا کے خراب تیور چڑھے پہ نمایاں تھے۔

"جی! آپ کو کچھ کام تھا؟" زارا نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"نہیں، اکیلی بور رہی تھی، تم سے گپ شپ کرنے آ گئی، تم پارک چلی جاتی۔" انہوں نے خوشدلی سے کہا۔

"مجھ سے ریان نے چلنے کا نہیں کہا تھا۔" زارا بولی۔

"چلو کل ریان سے کہوں گی، صرف تمہیں لے جائے۔" باجی نے محبت سے کہا تو زارا کے دل کا غبار کچھ کم ہوا۔

کچھ دیر میں دونوں باتوں میں خوشدلی سے مشغول ہو گئی۔

"زارا! سالن تو رکھا ہے، رات کے لئے روٹیاں بنانی ہیں۔" باجی نے گھڑی میں آٹھ بجے کا ٹائم دیکھ کے کہا۔

"مجھ سے گول اور اچھی روٹیاں نہیں بنتی۔" زارا نے گھبرا کے جواب دیا۔

"تم آٹا گوندھو میں روٹیاں بناتی ہوں۔" انہوں نے مسئلے کا حل تلاش کیا تھا۔

زارا نے آٹا گوندھا لیکن وہ زیادہ پتلا ہو گیا تھا، باجی نے مشکل سے روٹیاں بنائی، زارا نے سالن گرم کیا اور ریان کے آنے پہ کھانا لگا دیا، رات کے برتن دھو کے زارا تھک گئی تھی، آج سے قبل زارا نے اتنا کام نہیں کیا تھا، وہ تھک ہار کے اپنے کمرے میں آئی تو دنگ رہ گئی، زارا کا قیمتی کاسمیٹکس دونوں بچیاں برباد کر رہی تھیں اور ریان اخبار پڑھنے میں مگن تھا۔

فاطمہ مریم کا میک اپ کر رہی تھی، مریم نے لپ اسٹک سے شیشے پر پھول بنائے تھے، زارا کا فیورٹ پرفیوم آدھا خالی کر دیا تھا، مریم اس کی بلیک ساڑھی کو خود پہ ساڑھی کی طرح لپیٹ کے بیٹھی تھی، اس کے برش قالین پر بکھرے ہوئے تھے، اس کی گولڈ رنگز مریم نے اپنی انگلیوں میں فٹ کرنے کی کوشش کی تھی۔

"یہ کیا کیا ہے سب کچھ برباد کر دیا، بدتمیز نکلو یہاں سے۔" زارا نے غصے سے دونوں کے بازو پکڑ کے باہر کی جانب دھکیلا۔

"زارا! حد میں رہو۔" ریان بولا۔

"آپ کو نظر نہیں آ رہا لیکن آپ کو مجھ سے غرض نہیں تو مرے، سامان کی فکر کہاں سے ہو گی، میں ہی بیوقوف ہوں جو اب تک سمجھوتہ کرنے کی کوشش کرتی رہی۔" زارا چلائی۔

"سمجھوتہ تم نہیں میں کر رہا ہوں، جو تم جیسی کم عقل تنگ دل بد اخلاق اور پھوہڑ عورت کو برداشت کرتا رہا ہوں۔" ریان نے بھی غصے سے جواب دیا۔

"اگر میں اتنی ہی بری ہوں تو مت کرو سمجھوتہ۔" زارا کا دل برا ہو گیا، آواز بھرا گئی۔

"یہ تم پہ احسان ہے۔" ریان لاپرواہی سے بولا۔

"مت کرو میری ذات پہ احسان، نہیں ہوں میں اتنی کمزور۔" زارا کو اپنی ذات کی تذلیل کا دکھ تھا اس کی عزت نفس کو دھچکا لگا تھا۔

"میں جا رہی ہوں، اگر تم مجھ سے اتنے ہی تنگ ہو۔" زارا نے آنسو ضبط کیے۔

"جاؤ، تم میں سمجھدار بیویوں والے اوصاف نہیں ہے تم جیسی لڑکیوں کا عموماً یہ ہی انجام ہوا کرتا ہے، اگر تم نہ جاتی تو میں خود سے کچھ فیصلہ کرتا۔" ریان نے بے حسی سے کہا، اس سے زیادہ زارا اپنی توہین برداشت نہیں کر سکتی تھی، اس نے محض پرس لیا اور کمرے سے باہر نکل گئی، گیٹ سے باہر جاتے دیکھ کر باجی چونک گئیں۔

"زارا! کہاں جا رہی ہو؟" باجی نے تشویش سے پوچھا، زارا سنی ان سنی کر گئی انہوں نے ریان کو پکارا۔

"زارا کہاں گئی ہے؟"

"اپنے گھر۔" ریان نے بے فکری سے جواب دیا۔

"اس طرح اچانک اتنی رات میں تنہا تم نے جانے کیوں دیا۔" باجی نے حیرت سے ریان کو گھورا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"باجی وہ ہمارے ماحول میں ایڈجسٹ نہیں ہو سکتی۔"

"ریان اسے وقت دو، وہ دل کی بری نہیں، البتہ نادان ہے، اس میں اس سے زیادہ قصور اس کے ماحول اور تربیت کا ہے، اسے وقت لگے گا، ہمارے ماحول میں ایڈجسٹ ہونے میں تمہیں صبر و برداشت سے کام لینا ہوگا۔"

"باجی! آپ پریشان مت ہو، وہ آ جائے گی، دراصل اس سے کام نہیں ہوتا، اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہے۔" ریان بولا۔

"کام کی عادت آہستہ آہستہ ہو گی، کل میں دیکھ رہی تھی وہ کام کے لئے فکر مند تھی، لیکن اس کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا تم سمجھدار ہو اس کو سمجھنے کی کوشش کرو، یہ مت سوچو کہ وہ تمہاری توقعات پہ پوری نہیں اتری یہ سوچو کے وہ اپنا گھر اپنے رشتے دار، دوست احباب، اپنے شوق سب کچھ چھوڑ کے آئی ہے، اس کی بھی کچھ توقعات ہوں گی، تمہاری ذات سے، تم نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی، تم نے صرف روز اول سے اپنے ذہن میں یہ بات بٹھالی ہے کے وہ بہت خوب صورت ہے، خوب سیرت نہیں ہو گی، ریان اسے پیار محبت عزت مان دو، اسے دوستانہ ماحول میں اپنی پسند ناپسند بتاؤ، خود بھی اس کے جذبات و احساسات کی قدر کرو، پھر دیکھنا وہ تمہارے پسندیدہ روپ میں ڈھل جائے گی۔" باجی نے سمجھایا۔

ریان خاموش رہا، اسے کچھ اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا، لیکن وہ زارا کو بھی غلط سمجھتا تھا، اس لئے اسے آج کھری کھری سنائی تھی، جو کے یقیناً غلط تھا کیا سوچنے لگے؟

"کچھ نہیں سونے جا رہا ہوں، صبح آفس جانا ہے۔" ریان نے دکھتے سر کو انگلیوں کی مدد سے دبایا۔

"ہاں سو جاؤ۔" انہوں نے اجازت دی۔

ریان لائیٹ آف کر کے جلدی سو گیا تھا۔

☆☆☆

"باجی! اتنی رات کو خیریت ہے؟" مائرہ اسے تنہا وہ بھی تشویش سے بولی، زارا نے من و عن سب بتایا۔

"ارے کیسے ناقدرے لوگوں ہیں، میں نے اپنی بیٹی بیاہ دی، میری پھول جیسی بچی کے کتنے طلبگار تھے، مجھے کیا معلوم تھا کہ بظاہر پڑھے لکھے، خوشحال نظر آنے والے لوگ اندر سے اتنے ظالم نکلے گے۔" قدسیہ بیگم دکھڑا رونے لگیں۔

"امی! خاموش رہیں، میاں بیوی کے رشتے میں اونچ نیچ ہو جاتی ہے، لیکن اتنی چھوٹی سی بات پہ لڑکیوں کو اپنا گھر چھوڑ کے نہیں آنا چاہیے اور زارا تمہیں اب ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے نہ کہ مسائل پیدا کرنے کی۔" سیف نے سنائی۔

اکلوتے بھائی کی بے حسی پہ زارا کی آنکھیں بھیگ گئیں، قدسیہ بیگم کو بھی سیف کی بے حسی اور دخل اندازی پہ تاؤ آیا وہ سیف سے بحث میں الجھ گئیں، زارا بیزاری سے اپنے کمرے میں آ گئی، اس کے کمرے کا حشر برا ہوا تھا، ڈریسنگ ٹیبل اور فرنیچر پہ مٹی اٹی ہوئی تھی بیڈ پہ رسالے بکھرے ہوئے تھے، الماری میں مائرہ نے بے ترتیبی سے کپڑے ٹھونسے ہوئے تھے جس سے الماری بند نہیں ہو رہی تھی، اس کا دل برا ہوا اس نے مائرہ سے پوچھا۔

"مائرہ! کمرہ کتنا گندا ہو رہا ہے، اس کمرے کی صفائی نہیں ہوتی۔"

"ماسی بیمار ہے، ہفتے میں ایک دن برابر والوں کی ماسی کر دیتی ہے، امی تو بس کچن کا مشکل سے کرتی ہیں۔" مائرہ بے نیازی سے بولی۔

"تم کر لیا کرو، بلکہ امی کی ہیلپ کروایا کرو وہ جس عمر میں ہے، اس میں انہیں آرام کی

ضرورت ہے۔" زارا بے ساختہ بولی۔

جواباً مائرہ نے اسے جن نگاہوں سے دیکھا، زارا کو خود حیرت ہوئی کہ اس نے کیا کہا ہے، وہ خاموش ہو کے بیڈ پہ لیٹ گئی، رات کو عشاء کی اذان کے وقت اس کی آنکھ کھلی، کمرے سے باہر نکلی تو مائرہ کو دیکھا، وہ اس وقت فل والیم میں ٹی وی پہ سونگ سن رہی تھی۔

"مائرہ! اذان ہو رہی ہے۔" زارا بولی، مائرہ نے آواز بند کر دی لیکن توجہ بدستور ٹی وی پہ تھی۔

"زارا! میں نے تمہارے لئے بریانی بنائی ہے۔" قدسیہ محبت سے بولیں اور تھکی ہاری صوفے پہ بیٹھ گئیں۔

"امی آپ کی طبیعت ٹھیک ہیں۔" زارا تشویش سے بولی۔

"آپی! امی کی تو ٹھیک ہے لیکن آپ کی خراب لگتی ہے آئی تھنک ریان بھائی سے لڑائی نے آپ پہ برے اثرات مرتب کیے ہے۔" مائرہ نے مذاق اڑایا، زارا مائرہ کی سنی ان سنی کر کے امی کی طرف متوجہ ہوئی۔

"کہاں، بیٹا! بی پی ہائی رہتا ہے، سر میں اور جسم میں درد رہتا ہے، میڈیسن سے بھی افاقہ نہیں۔" قدسیہ بولیں، زارا نے ہمدردی سے زرد چہرہ اور لاغر وجود کو دیکھا۔

"امی آپ ریسٹ کر لیں۔" زارا بولی۔

"ابھی کہاں ابھی دودھ کو گرم کرنا ہے، رات کے برتن دھونے ہے، صبح کے لئے آٹا گوندھنا ہے۔" انہوں نے بے چارگی سے کہا۔

"امی! یہ سب میں کر لوں گی۔" زارا عزم سے بولی۔

مائرہ اور قدسیہ چونکیں لیکن زارا نے توجہ نہ دی، زارا نے آہستہ آہستہ گھر کے کاموں کی ذمہ داری لے لی، مائرہ نے بھی ہاتھ بٹانا شروع کر دیا، لیکن مائرہ کو بار بار کہنا پڑتا تھا، تب وہ کچھ کرتی کبھی ٹال دیتی، رات کو جب تھک ہار کے لیٹتی تو ریان کی یاد شدت سے آتی جس نے ایک فون بھی نہیں کیا تھا، حال بھی نہ پوچھا تھا، خود سے کرنے میں انا حائل ہوتی تھی۔

"زارا! انسٹوٹیٹ جوائن کر لو۔" سیف بولا۔

"کس لئے؟" زارا الجھی۔

"کوکنگ کلاس لے لو، ابھی تمہارے ہاتھ کے کھانے انسانوں کے کھانے کے قابل نہیں ہے۔" سیف نے چھیڑا، زارا ہرٹ ہوئی، کچھ دن گزرے تو حقیقت میں کلاسز لینا شروع کر دی اور بہت دلجمعی سے سیکھنا شروع کیا وہ اپنے بنائے ہوئے کھانے بار بار ٹرائی کرتی اور ان میں پہلے سے بہتری پاتی، وہ تھک جاتی تھی، اسے کام کی عادت نہیں تھی، لیکن یہاں اس نے قدسیہ کو بٹھا دیا تھا، صفائی مائرہ کے ذمے لگائی تھی، صالحہ خاتون واپس آئیں تو زارا کو نہ دیکھ کے سوچا کہ میکے ہوگی، لیکن متعدد دن گزرنے کے بعد بھی نہ آئی تو پوچھا، ریان مزے سے بولا۔

ابن انشاء کی کتابیں
طنز و مزاح سفرنامے
- اردو کی آخری کتاب،
- آوارہ گرد کی ڈائری،
- دنیا گول ہے،
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں،
- چلتے ہو تو چین کو چلیے،
- نگری نگری پھرا مسافر،
لاہور اکیڈمی ۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیست ہے موج صبا

اسماء بدر

''امی! آنٹی کی طبیعت ٹھیک نہیں، زارا مہینہ رہے گی، وہ بڑی ہے آنٹی کی دیکھ بھال کرتی ہے۔''

''بیٹا! مجھے بتا دیتے، میں مزاج پرسی عیادت کر لیتی۔'' صالحہ نے احساس دلایا، ریان کی غفلت کا۔

☆☆☆

رات کو دوست کے ساتھ شاپنگ پلازہ میں گھومتے ہوئے زارا بے ساختہ یاد آئی، یہاں بہت سے کپل شاپنگ کر رہے تھے، ریان کی نظر ایک ریڈی میڈ سوٹ پر پڑی، یہ رنگ زارا پہ بہت کھلتا ہے، بلکہ زارا پہ تو سب رنگ جچتے ہیں، ریان نے اعتراف کیا۔

''یار! تم بھی کچھ خریدو نہ۔'' دوست اپنی شاپنگ کر چکا تھا۔

''نہیں موڈ نہیں ہے۔'' ریان اداس ہوا۔

''او یہ کہو نا بھابھی کے ساتھ آؤ گے۔'' وہ ہنسا۔

''ہاں۔'' ریان بھی مسکرا دیا، دونوں واپس آ گئے۔

زارا نماز کی پابند ہو چکی تھی، وہ اب خوش اسلوبی سے اپنی ذمہ داریاں سنبھال رہی تھی اور اب وہ تھکی بھی نہ تھی، بلکہ مائرہ کی بھی ساتھ میں تربیت کر رہی تھی، مائرہ میں مثبت تبدیلی آئی تھی، قدسیہ کو اپنی کوتاہی کا احساس تھا کہ اس نے بچیوں کی تربیت اپنے بے جا لاڈ پیار سے خراب کر دی، پرسوں عید تھی، زارا بہت اداس تھی، اس مرتبہ شاپنگ بھی نہیں کی تھی، بنا بات آنسو بہہ رہے تھے، کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا، دل ہی دل میں ریان سے ہزاروں شکایتیں کرتی، ریان کو بھی اپنا کمرہ بہت خالی خالی لگتا تھا، آفس سے آنے کے بعد وہ زارا کے گھر چلا گیا۔

''السلام وعلیکم!'' زارا جو ابھی موبائل ہاتھ میں لئے ریان کو کال کرنے والی تھی کہ میں آ رہی ہوں کیونکہ میاں بیوی کے رشتے میں انا نہیں ہوتی ہے اچانک سے ریان کو دیکھ کے گڑبڑا گئی۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہو؟'' ریان نے دھیمے سے پوچھا۔

''بیٹھیں، میں ٹھیک ہوں۔'' زارا نے آنسو ضبط کیے۔

''ایک بار میری یاد نہیں آئی۔'' ریان نے شکوہ کیا۔

''آپ نے کون سا یاد کر لیا تھا۔'' زارا بولی۔

''زارا! مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے، تمہیں لینے آیا ہوں، کوشش کروں گا تمہیں خوش رکھوں۔'' ریان عزم سے بولا، زارا کا بدلا ہوا روپ اسے حیران کر رہا تھا، سلیقے سے اوڑھا دوپٹہ، چمکتا نورانی چہرہ، تراشیدہ بناء پالش کے ناخن وہ سراپا سادگی تھی، ریان نے سراہتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

''میں نے نادانی میں جو غلطیاں کی ہیں اب ایسا نہیں ہوگا، میں کوشش کروں گی خود کو آپ کے پسندیدہ روپ میں ڈھالنے کی۔'' زارا نے کہا۔

''اب چلو ہمیں شاپنگ بھی کرنی ہے اور میں سب ازالہ کر دوں گا۔'' ریان نے گھڑی دیکھی۔

''میں پہلے نماز پڑھ لوں۔'' زارا کے جواب نے اسے سرشار کر دیا تھا۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیرے مست مست دو نین
میرے دل کا لے گئے چین
میرے دل کا لے گئے چین
تیرے مست مست دو نین

ڈرائنگ روم کی چھت پر رکھا سپیکر فل آواز میں گونج رہا تھا، فہد پورے گھر کو روشنیوں سے دلہن کی طرح سجا رہا تھا، گھر میں خوب گہما گہمی تھی، ہر طرف رونق تھی، رافع بیگم مطمئن بھی تھی اور خوش بھی کہ آج عزت کے ساتھ اس کی بیٹی اپنے گھر کی ہو جائے گی، احمد حسن اس پر اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اللہ نے اسے اپنے فرض سے سبکدوش ہونے کا موقع دیا، ننھی اجالا بھی زرق برق لباس پہنے اتراتی پھر رہی تھی، زارا بند کمرے میں اپنے ہاتھوں پر سجی مہندی اور اپنے آپ کو دلہن کے اس روپ میں دیکھ کر سوچ رہی تھی کہ یہ زندگی کا کون سا روپ ہے، جانے ابھی کتنے امتحان باقی ہیں۔

''تمہیں پتا ہے زارا...... کہ تم کتنی پیاری ہو؟'' اسد نے بڑے دل سے کہا۔

''بتاؤں کہ کتنی پیاری ہوں۔'' زارا نے اترا کر کہا۔

''کبھی خود کو میری نظر سے دیکھنا پتا چل جائے گا۔'' اس اسے اٹھا کر مرر کے سامنے لے آیا تھا۔

''اچھا...... اسد اگر...... یہ تعریف میری کوئی اور مرد کرے تو؟'' زارا نے شرارت سے کہا۔

''کوئی کرے تو سہی اسے جان سے مار دوں گا۔'' اسد نے اسے کھینچ کر اپنے قریب کرتے ہوئے کہا۔

زارا ماضی سے حال میں واپس آ گئی تھی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''اسد کوئی اور مرد آ گیا ہے، اسد مجھے معاف کر دینا میں مجبور ہو گئی۔''

☆☆☆

زارا چپ چاپ بیٹھی زندگی کی بھول بھلیوں میں گم تھی، وہ ماضی کی پگڈنڈی پر دوڑ رہی تھی۔

احمد حسن اور رافع بیگم دونوں ہی بہت نیک اور سلجھے ہوئے لوگ تھے، زندگی میں خوشی اور سکون تھا، زارا کے دنیا میں آنے سے گھر کے سونے آنگن میں رونق ہو گئی اور ویسے بھی زارا تو منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوئی تھی، زارا ماں باپ کی روشنی اور گھر کا دیا بن گئی، ماں باپ نے اسے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا، جب زارا تین برس کی ہوئی تو اللہ نے رافع بیگم کو بیٹے کی ماں بنا دیا، اس کا نام انہوں نے راحیل رکھا، راحیل اور زارا مہینوں میں پروان چڑھ رہے تھے، احمد حسن کے چھوٹے بھائی عمر حسن نے بچپن میں ہی اپنے بیٹے اسد سے زارا کا رشتہ طے کر دیا، سبھی اس رشتے پر خوش تھے اور اسد تو دیوانہ تھا زارا کا، سورج غروب ہوتا رہا طلوع ہوتا رہا، گھڑی کو سوئیاں آگے پیچھے بھاگتی رہیں، وقت گزرتا گیا اور زارا اور اسد نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا، وقت کے ساتھ ساتھ محبت پروان چڑھتی گئی۔

☆☆☆

مہندی لگے گی تیری ہاتھ
ڈھولک بجے گی ساری رات
جا کے تم ساجن کے پاس
بھول جانا یہ دن رات
تجھ کو دیس پیا کا بھائے
تیرا پیا تیرے گن گائے

زارا مایوں بیٹھ چکی تھی، اسد کے نام کی مہندی بڑے دل سے اس نے اپنے ہاتھوں پر لگوائی تھی۔

''ارے...... ارے...... یہ آنکھوں میں پانی کیوں؟ کیا ابھی رخصتی ہو رہی ہے؟ بس رونا

نہیں، بیٹا...... اور تم کون سا بیاہ کر دور جا رہی ہو یہ تھوڑی دور تو سسرال ہے۔'' رافع بیگم نے زارا کو خود سے الگ کر کے آنسو صاف کیے۔

''اور پھر تمہاری چچی تو ماں سے بڑھ کر تم سے پیار کرتی ہیں، وہ کبھی تمہیں میری کمی محسوس نہیں ہونے دے گی۔'' رافع بیگم نے بھیگی پلکوں کے ساتھ کہا، اپنی ہونے والی ساس کے قابل رشک پیار پر وہ ہمیشہ ناز کرتی تھی۔

''اوہو...... بڑی فلمی سچوئیشن چل رہی ہے۔'' شہریار نے ماں بیٹی کے لاڈ پیار کو دیکھ کر مسکرا کر کہا۔

''ہاں...... تو تم کیوں جل رہے ہو؟'' زارا نے فوراً جواب دیا۔

''ارے میں کیوں جلوں گا، میں تو دیکھ رہا تھا کہ کیسے میری بھولی بھالی خالہ کو تم اپنے مگرمچھ کے آنسو سے بیوقوف بنا رہی ہو، جبکہ دل میں اسد سے شادی کے لڈو پھوٹ رہے ہیں۔''

شیری کہاں ادھار رکھنے والوں میں سے تھا۔

''اچھا اپنی بکواس اپنے پاس رکھو۔'' زارا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

شیری، زارا کا خالہ زاد بھی تھا اور بہت اچھا انسان اور دوست بھی شہریار ان لوگوں میں سے تھا کہ جن کے ساتھ وقت گزرتے ہوئے وقت کا پتا نہیں چلتا، جیسے جیسے شادی کے دن قریب آ رہے تھے زارا کو شدت سے ماں باپ کی دوری کا احساس ہو رہا تھا اور اس چیز کی طرف سے دل مطمئن تھا اور خوشی بھی تھی کہ اسد اسے بہت چاہتا ہے۔

اس کے سسرال والے اسے بہت چاہتے ہیں، یہ بات اس کا سیروں خون بڑھا دیتی تھی، شیری نے گھر کے سارے انتظام سنبھال رکھے تھے، ولید (زارا کا بھائی) کو کہیں یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ اکیلا ہے، اس کے ساتھ مل کر سب چھوٹے بڑے کام کیے، فہد (شیری کا بھائی) نے بھی کزن ہونے کا پورا حق ادا کیا، آخر شادی کا دن آن پہنچا، زارا سرخ کامدار لہنگے میں بالکل حور لگ رہی تھی، اسد بھی کسی سے کم نہیں لگ رہا تھا، زارا ہزاروں ارمان لئے رخصت ہو کر چچا عمر حسن کے گھر آ گئی، وہاں اسے اس کی سوچ سے بڑھ کر پیار مل رہا تھا۔

☆☆☆

وقت کو تو جیسے پر لگ گئے تھے، اتنی برق رفتاری سے گزر رہا تھا، کہ پتا ہی نہیں چل رہا تھا، اسد تو دیوانہ تھا، زارا اس کی محبت پر نہال ہو جاتی تھی اسے ایسا لگتا تھا کہ محبت کی خوبصورت تتلیاں اس کے چار سو رقص کر رہی ہیں، محبت دیکھ کر اس کی لوگ رشک کرتے تو اسے خود پر ناز ہوتا، پیار کے گلابی پھول اس کا حصار کیے ہوئے تھے، ایسا لگتا تھا کہ زمین اس کے ساتھ جھوم رہی ہے، آسمان اس کے ساتھ گنگنا رہا ہے، راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا، اس کی شادی کو دو ماہ گزر گئے تھے، اسد کی محبت وقت کے ساتھ ساتھ بڑھ رہی تھی، اسے پتا ہی نہ چلا کہ دو ماہ گزر گئے۔

زارا کمرے کی صفائی کر رہی تھی کہ اسے اتنا شدید چکر آیا کہ ہاتھ میں پکڑا گلدان ہاتھ سے چھوٹ گیا اگر وہ قریب رکھی میز کو نہ پکڑتی تو گر جاتی، تھوڑی دیر بیٹھے رہنے کے بعد اس نے اٹھ کر ٹوٹے ٹکڑے اٹھائے، صفائی کی اور لیٹ گئی اسے بخار بھی ہو رہا تھا اور چکر بھی آ رہے تھے، سوچا بوا کو آواز دے کر چائے کا کہوں، پر ہمت ہی نہیں ہوئی پھر یاد آیا کہ بوا تو آج آئی ہی نہیں، سوچتی رہی، اتنے میں چچی جان اندر آ گئیں۔

''زارا!'' نجمہ نے دھیرے سے پکارا۔

''جی...... چچی جان!'' زارا نے نہایت ادب سے کہا۔

''دیکھو زارا! یہ گھر تمہارا گھر ہے، اب تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھوڑا بہت کام کاج کیا کرو، کچن میں آؤ، اسے سنبھالو، گھر کی دیکھ بھال کرو، یہ سب تمہارا فرض بھی ہے اور ذمہ داری بھی، آج شام کا کھانا تم بناؤ زارا، تمہیں پتا ہے ناں کہ بوا آج نہیں آئیں ہیں اور روشنی پڑھائی میں بزی رہتی ہے، پھر بھی وہ چھوٹے موٹے کام کرتی ہے، تم سمجھ رہی ہو ناں۔"

"جی...... چچی جان!" زارا نے ہولے سے جواب دیا، نجمہ تو چلی گئی مگر زارا سوچتی رہ گئی، کہ چچی جان کا یہ بدلا ہوا روپ کیوں ہے؟

"چچی جان کے اس بدلے ہوئے لہجے اور روپ کے بارے میں اس نے کئی بار سوچا کہ اسد سے بات کرے پر ہر بار یہ سوچ کر خاموش ہوگئی کہ کہیں ماں بیٹے کے درمیان میں فرق نہ آ جائے۔

☆☆☆

زارا صبح سے طبیعت خراب کے باوجود کام میں جتی پڑی تھی، وہ سب کاموں سے فارغ ہو کر کمرے میں آئی تو اسد اس کا منتظر تھا، اس کا بدن تھکن سے چور تھا، اس کی نقاہت اور تھکن کی گواہی اس کی آنکھیں دے رہی تھیں، کہیں اسد پریشان نہ ہو جائے اس لئے چہرے پر مسکراہٹ سجا رکھی تھی۔

"اگر فارغ ہوگئی ہو تو اس نہ چیز کو بھی ٹائم دے دو۔" اسد نے رومینٹک انداز میں کہا، زارا مسکرا کر چپ ہوگئی۔

"تمہیں سب کی خوشی کا احساس ہے، سوائے میرے۔" اسد کے لہجے میں شکوہ تھا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" زارا سمجھ چکی تھی کہ اسد ناراض ہو رہا ہے اسی لئے مسکرا کر کہا۔

"اچھی میری بات سنو۔" اسد اس سے اپنا موڈ خراب نہیں رکھ سکتا تھا، اسد نے زارا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور اگلے ہی لمحے سے جیسے کرنٹ لگا ہو، اس نے زارا کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"زارا! تمہیں تو بہت تیز بخار ہے اور تم کام میں لگی رہی، مجھے بتایا تک نہیں، اٹھو...... اٹھو ابھی ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔" اسد نے فکر مند ہوتے ہوئے عجلت میں کہا۔

"نہیں اسد! میں ٹھیک ہوں، ابھی دوا لی ہے میں نے۔" زارا نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

"جب تمہیں بخار تھا تو تم کیوں کام کیا، ماما کو کیوں نہیں بتایا اور بوا کہاں ہے جو روز تم کام کرتی ہو۔"

"ماما نے...... بوا کو ہٹا دیا ہے۔"

"پتا نہیں ماما کو کیا ہو گیا ہے، بے شک تم نے اب تک مجھ سے کوئی شکوہ نہیں کیا ہے، پر مجھے پتا ہے کہ ماما کا رویہ تمہارے ساتھ اچھا نہیں ہے، جانے ماما کو کیا ہو گیا ہے، ان کا یہ بدلا ہوا روپ میرے لئے بھی حیران کن ہے۔" اسد دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بول رہا تھا، زارا حیران بھی تھی اور خوش بھی کہ اسد کی خود ہی سب پتا ہے۔

☆☆☆

آج زارا وقت سے کچھ زیادہ ہی پہلے اٹھ گئی تھی، وہ رات بھر ٹھیک سے سو نہیں سکی تھی، عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی اسد اٹھا تو اسے زارا کچھ پریشان سی لگی۔

"کیا بات ہے؟ زارا تم اداس پریشان کیوں ہو؟" اسد نے قریب سے گزرتی زارا کا ہاتھ تھام کر پوچھا۔

"کچھ نہیں اسد! بس طبیعت کچھ عجیب سی ہو رہی ہے، ایک انجانا سا خوف ہے، جیسے کچھ ہونے والا ہے۔"

"تم تو ایسے ہی میری جان فکر مند ہو رہی ہو، کچھ نہیں ہوتا، ایسی حالت میں ایسا ہو ہی جاتا ہے۔" اسد کے یوں کہنے پر زارا جھینپ گئی، اس کی اس کیفیت سے اسد مزا لینے لگا، اسے بے اختیار اس پر پیار آ گیا، اسد نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے گویا ہوا۔

"تم جلدی سے تیار ہو جاؤ، میں جاتے ہوئے تمہیں تمہاری امی کے گھر چھوڑ جاؤں گا اور واپسی پر لیتا آؤں گا۔" گھر جانے کا سن کر زارا خوش ہو گئی اور ویسے بھی لڑکیاں تو میکے جانے کا بہانہ ڈھونڈتی ہیں۔

☆☆☆

اسد گیٹ پر ہی زارا کو چھوڑ کر چلا گیا، زارا نے کچن میں کام کرتی ماں کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

"ارے زارا! تم کب آئیں، تم تو ہمیں بالکل ہی بھول گئی ہو، دیس میں رہتے ہوئے بھی پردیسوں جیسا حال ہے تمہارا۔" رافع بیگم نے اسے گلے لگاتے ہوئے شکوہ کیا۔

"نہیں اماں ایسی کوئی بات نہیں ہے، آئیں آپ بیٹھیں ناشتہ میں بناتی ہوں اور یہ ولید کہاں ہے؟"

"ناشتہ بعد میں بنانا، پہلے ولید کو جگا کر آؤ۔" زارا تقریباً بھاگتے ہوئے ولید کے کمرے میں پہنچی۔

"اُف توبہ ولید! ابھی تک سو رہے ہو اور دیکھو تو سورج کہاں تک آ گیا ہے اوپر سے کمرے میں کتنا اندھیرا کر رکھا ہے۔" زارا نے کمرے کی کھڑکیوں کے پردے ہٹاتے ہوئے کہا، ولید کمرے میں زارا کی آواز سن کر خوش ہو کر اٹھ بیٹھا۔

"جلدی سے فریش ہو کر نیچے آؤ، میں ناشتہ بناتی ہوں، سب مل کر آج ناشتہ کریں گے۔" زارا نے خود ہی پروگرام ترتیب دیا۔

"نہیں، تم بیٹھو، میں آتا ہوں اتنے دنوں بعد تو تم آئی ہو، بیٹھ کر باتیں کریں گے میں ناشتہ بازار سے لے کر آتا ہوں۔" زارا کو دیکھ کر جو خوشی ولید کے چہرے پر در آئی تھی وہ اس کے لہجے اور چہرے سے عیاں تھیں، زارا نیچے آ کر ماں باپ کے ساتھ باتوں میں لگ گئی اور ولید ناشتہ لینے چلا گیا، بہت دیر ہونے کے بعد رافع گویا ہوئی۔

"ولید ابھی تک نہیں آیا، دیر کر دی آنے میں؟"

"ہاں، دیر تو واقعی ہوگئی ہے آ جائے گا آپ فکر نہ کریں۔" اتنے میں گیٹ پر بیل ہوئی۔

"لو ماما آ گیا ولید، آپ فکر مند ہو رہی تھیں، بابا جانی آپ گیٹ کھولیں میں برتن وغیرہ نکالتی ہوں۔"

گیٹ کھولا تو واقعی ولید تھا، پر اسے لوگوں نے کاندھے پر اٹھا رکھا تھا، لوگوں نے بتایا کہ اس کا زبردست قسم کا ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ موقع پر ہی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

شور کی آواز پر رافع بیگم اور زارا بھی گیٹ پر آ گئیں اور وہ منظر دیکھ کر ان کے ہوش اڑ گئے، ایسا لگا کہ جیسے کوئی بھیانک خواب دیکھ رہے ہوں، انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا، زارا اپنے آپ کو قصوروار سمجھ رہی تھی کہ اس کی وجہ سے وہ ناشتہ لینے گیا، کاش وہ نہ جاتا، اس کا رو رو کے برا حال تھا، کہ ایسے کیوں ہوا اس کے ساتھ؟ اوپر سے چچی جان کی باتوں نے اسے مزید دکھ سے دوچار کر دیا یہ کہہ کر کہ۔

"زارا نے صبح صبح آتے ہی اپنی نحوست بھائی پر ڈال دی اور وہ دنیا سے چلا گیا۔"

☆☆☆

زندگی کا یہ کون سا روپ تھا، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا، زارا ہر وقت ولید کو یاد کر کے روتی رہتی،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رافع بیگم بیٹے کی موت کا صدمہ ہی اندر ہی اندر گھل رہی تھی، جوان بیٹے کی میت کو کاندھا دینا والے باپ کے دکھ اور کرب کا اندازہ ان کے چہرے کو دیکھ کر لگایا جا سکتا تھا، ولید کی موت کا دکھ اتنا زیادہ تھا کہ زارا کو اپنے آنے والے بچے کی خوشی بھی بھول گئی، جب کہ اس کا چھٹا مہینہ شروع ہو چکا تھا، ولید نے دنیا چھوڑے تین ماہ بیت گئے تھے، پر انہیں سب کو ایسا لگتا کہ جیسے وہ طوفان کل ہی گزرا ہے، اوپر سے چچی جان کا سخت لہجہ جلی کٹی باتیں اسے مزید دکھی کر دیتا، اسے زخم دیتا اور ان زخموں پر اسد اپنی محبت کا مرہم لگاتا، اسے ہر ممکن خوش رکھنے کی کوشش کرتا۔

وقت برق رفتاری سے گزر رہا تھا، زندگی اسی طرح گزر رہی تھی، کسی کے چلے جانے سے وقت کا پہیہ رک تھوڑی جاتا ہے، زندگی کی گاڑی تو اسی طرح رواں دواں رہتی ہے، پر یوں اچانک کسی اپنے بہت خاص کے جانے سے دل کے ایک کونے میں ذہن کے ایک حصے میں، جسم کے ایک علاقے میں ایک خلا سا ابھر آتا ہے، جیسے لاکھ کوشش کے باوجود کوئی بھر نہیں پاتا۔

اسد کی محبت زارا کے ساتھ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھ رہی تھی، وہ پہلے سے زیادہ اس کا خیال رکھتا تھا، اسے خوش رکھنے کی بھرپور کوشش کرتا تھا، لیکن چچی جان کو ننھے آنے والے مہمان کی خوشی بھی ہضم نہ کر سکی، شاید وہ بیٹے کی محبت کو شیئر نہیں کر پائی، ان کی جلی کٹی باتیں زارا کو بہت دکھ دیتی تھی، پر اس کی محبت اسے پھر سے خوش کر دیتی تھی۔

☆☆☆

"اسد! جیسے جیسے ڈیلیوری کا وقت قریب آ رہا ہے، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے مجھے خوف آ رہا ہے۔" زارا نے پریشانی سے کہا، ڈر اور خوف کی پرچھائیاں اس کے چہرے پر چھائی تھی۔

"ارے پاگل، تم تو ایسے ہی ڈر رہی ہو کچھ نہیں ہوگا میں ہوں ناں۔" اسد نے زارا کا سر اپنے کاندھے پر رکھتے ہوئے اسے تسلی دی۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ تمہیں کیا نام پسند ہے۔" اسد نے اس کے ذہن کو بدلنے کے لئے دوسری بات شروع کر دی۔

"جو نام آپ کو پسند ہوگا، ہم وہی نام رکھے گئے۔" زارا نے خوشی سے کہا۔

"تو پھر مجھے تو اجالا نام پسند ہے اچھا ہے ناں...... اجالا ہماری زندگیوں کا اجالا۔" اس نے خوشی سے چہکتے ہوئے کہا پھر اسد اور زارا رات گئے تک باتیں کرتے رہے، وہ دونوں بہت خوش تھے، محبت کی گلابی تتلیاں ان کے گرد منڈلا رہی تھیں، اسد نے بہت پیار سے زارا کو اپنے بازو پر سلایا تھا، زارا اتنے سکون سے سوئی کہ رات گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔

فجر کی نماز قضا ہونے ہی تھوڑا ہی ٹائم باقی تھا جب زارا ہڑبڑا کر اٹھ گئی، جلدی جلدی وضو کیا نماز ادا کی اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کی کچن میں جا کر اپنے اور اسد کے لئے چائے بنا کر کمرے میں آ گئی اور اسد کو جگایا، مگر اسد کو ہاتھ لگاتے ہی زور کا جھٹکا لگا، اسد کا پورا جسم برف کی طرح ٹھنڈا تھا، اس کا چہرہ پر سکون تھا اور آنکھیں کھلی تھیں، وہ زارا کے ساتھ بے وفائی کر چکا تھا، اسے تنہا چھوڑ کر جا چکا تھا جس نے زندگی گزارنے کے وعدے کیے تھے، سب برف گھروندے کی طرح بہہ گئے، وہ پاگلوں کی طرح رو رہی تھی، باری باری سب کو آواز دے رہی تھی، چیخ رہی تھی، چند ہی لمحوں میں گھر کے سبھی افراد وہاں جمع ہو گئے اسد کو فوری طور پر ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے مگر بے سود، پتا چلا کہ چند گھنٹے پہلے اسے بہت شدید دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا، اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ زندگی

یوں اپنا بھیانک روپ لے کر سامنے آئے گی، اسد سفید لباس پہنے آخری آرام گاہ کی طرف جانے کے لئے تیار تھا، چچی جان کا رو رو کر برا حال تھا، زارا کا حال بھی بہت برا تھا اور اسے دکھ کا جھٹکا اس وقت لگا جب چچی جان نے سب لوگوں کی موجودگی میں یہ کہا۔

"تو منحوس ہے، پہلے اپنے بھائی کو کھا گئی اور اب میرے بیٹے کو کھا گئی، تو بھی منحوس ہے اور تیرا یہ بچہ بھی جا دفع ہو جا نکل جا اس گھر سے اس گھر میں تیرے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔"

زارا بت بنی یہ سب باتیں سن رہی تھی، آنکھوں سے پانی مسلسل بہہ رہا تھا۔

"جس شخص کے ساتھ تیرا رشتہ تھا جب وہ ہی نہیں رہا جب اسے ہی تو کھا گئی تو تیرے لئے بھی اس گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے، ڈائن دفع ہو جا کبھی سامنے مت آنا میرے جا دفع ہو جا۔"

☆☆☆

وہ سونے کے لئے لیٹی تو نیند اس سے کوسوں دور تھی، دور تنہا چمکتا چاند کو دیکھ کر اسے تنہائی کا احساس اور بھی زیادہ ہونے لگا، اسے اپنے بیتے پل یاد آ رہے تھے، اسد کی دیوانگی اس کی محبت اسے سب یاد آ رہا تھا، آنکھوں میں ساون اترنے لگے، دل کی زمین نمکین پانی سے سیراب ہو رہی تھی۔

زارا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی، وہ سانس لے رہی تھی پر زندہ نہیں تھی، وہ زندگی کے رموز و اقاف ہی بھول گئی تھی اسے اپنی زندگی میں جینے کی رمق جب نظر آئی جب اللہ نے اسے ماں جیسے عظیم مرتبے پر فائز کیا، وہ خوش تھی پر اسے اسد کی کمی بے تحاشا محسوس ہونے لگی تھی، اس نے پہلی بار اسے گود میں لے کر بوسہ لیا دھیرے سے اس کے نرم نرم گالوں کو چھوا تو اسے احساس ہوا۔ "یہ اجالا ہے ہماری زندگی کا اجالا۔" کوئی بہت قریب اس کے بولا تھا، وہ خوش تھی، پر معصوم اجالا کی آمد بھی چچی جان کا غصہ کم نہ کر سکی نہ وہ آئیں نہ انہوں نے اجالا کو نہ دیکھا، نہ پیار کیا۔

☆☆☆

اجالا کے آنے سے زارا کی زندگی ہی بدل گئی، اس کی زندگی کا ہر نقطہ اجالا پر آ کر رک جاتا تھا، وہ سارا دن اجالا کے چکر میں لگی رہتی، رافع بیگم کو اس بات کی بے فکری ہو گئی تھی کہ اب زارا اداس نہیں رہتی پہلے کی طرح، اجالا پورے گھر کا اجالا بن گئی تھی، زارا کے والدین کو تو جیسے کھلونا مل گیا لگتا تھا کہ اجالا زارا سے زیادہ رافع کی بیٹی ہے، اس دوران زارا کے لئے بے شمار اچھے رشتے آئے مگر زارا نہ مانی، اس کا کہنا تھا۔

"کون اجالا کو سگے باپ کا پیار دے گا۔" زارا نے اپنا اور اپنی بیٹی کا بوجھ اٹھانے کے لئے آگے پڑھنا شروع کر دیا، وہ اس حقیقت کو مانتی تھی کہ آج کو ماں باپ حیات ہیں، اگر اللہ نہ کرے آنے والے وقت میں یہ نہیں ہونگے تو کیا ہوگا؟ یہ سوچ کر اس کی روح تک کانپ جاتی تھی، ہر دوسرے تیسرے دن شہریار آ جاتا تھا، اس کے آنے سے گھر میں اچھی رونق ہو جاتی تھی، خالہ اور باقی لوگ بھی چکر لگا لیتے تھے، اجالا بھی خالہ اور شہریار سے خاصی مانوس ہو گئی تھی ان کے ساتھ کھیل کر خوش ہوتی تھی اور فہد سے تو اجالا کی بہت بنتی تھی اور فہد بھی جان چھڑکتا تھا اس پر۔

☆☆☆

"ارے زارا تم ابھی تک سوئی نہیں۔" رافع کمرے کی لائٹ آن دیکھ کر اندر چلی گئیں۔

"بس ماما ذرا یہ اسائنمنٹ کمپلیٹ کر لوں پھر سوتی ہوں۔" زارا نے تیزی سے قلم چلاتے ہوئے کہا۔

"زارا!" ماما نے دھیرے سے اسے پکارا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”جی ماما!“ زارا نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ کر کہا۔

”زارا! تم حقیقت پسند لڑکی ہو، جو تمہارے ساتھ ہوا اللہ نہ کرے کہ کبھی یوں بھری جوانی میں کسی کے ساتھ ہو، اسد کے دنیا سے چلے جانے کے بعد تم ایک دم سے ٹوٹ گئی، پر تم نے بغیر کسی سہارے کے خود کو سنبھالا، مضبوط کیا، حوصلہ کیا، مجھے تم پر فخر ہے، مجھے اندازہ ہے کہ مرد عورت کی زندگی میں کتنا بڑا مضبوط سہارا ہوتا ہے، مرد کے دم سے ہی عورت کی بادشاہی ہوتی ہے، ہم آج ہیں کیا پتا کل ہوں نہ ہوں اگر ولید زندہ ہوتا تو میں تمہیں کبھی دوسری شادی کے لئے نہ کہتی، یا اگر تمہارا اجالا کی جگہ کوئی بیٹا ہوتا تو بھی میں تمہیں دوسری شادی کے لئے فورس نہ کرتی پر اب...... سچوئیشن دوسری ہے، میں اور تمہارے بابا چاہتے ہیں کہ تم دوسری شادی کے لئے رضا مندی دے دو، اب تو اجالا بھی بڑی ہو رہی ہے، تم سے زیادہ دکھ ہمیں ہے، یہ سب کرنے کا، ورنہ دنیا کا کون ماں باپ ہنسی خوشی اپنی بیٹی کی دوسری شادی کے لئے راضی ہوتا ہے، تمہیں یوں دیکھ کر ہمارا دل جلتا ہے، تمہارے بابا اندر ہی اندر گھلنے لگے ہیں اولاد کا سکھ کسے خواہش نہیں ہوتی۔“ رافع بیگم بھیگے لہجے میں بول رہی تھی، زارا خاموش بیٹھی بے آواز رو رہی تھی، آنسو دانوں کی طرح گر رہے تھے زارا ماں کے گلے لگ کر خوب روئی اور پہلی بار اس کی زبان پر شکوہ کیا۔

”ماما کیسا نصیب لکھوا کر آئی ہوں میں۔“

☆☆☆

ماں کے اصرار پر اور ماما، بابا کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے اس نے دوسری شادی کے لئے ہاں کر دی تھی، پر اس کا دل مطمئن نہیں تھا۔

”جانے کون مرد اب میری زندگی کا مالک بنے گا، جانے وہ کون ہو گا؟ کیسا ہو گا میری اجالا کو اپنا سمجھے گا کہ نہیں؟“ ہزار خوف، خدشے اور سوال اس کے ذہن میں مچل رہے تھے، نظریں بظاہر کتاب پر تھیں ہر ذہن کہیں اور الجھا تھا۔

”کاش ولید زندہ ہوتا تو کبھی وہ دوسری شادی کے لئے ہاں نہ کرتی۔“ زارا خود سے ہم کلام تھی۔

”کتنے دن ہو گئے، شہریار بھی نہیں آیا، اچھی جاب لگی ہمیں ہی بھول گی، آنے دو اسے ذرا اس کی تو خبر لونگی، فہد اور خالہ کا چکر بھی لگا کئی دن سے پہلے انہیں فون کر کے پوچھوں سب خیر ہے ناں۔“ اور زارا اٹھ کر اس کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

زارا نمبر ڈائل ہی کر رہی تھی کہ اتنے میں فہد اور خالہ اندر داخل ہوئے۔

”ماشاءاللہ بڑی لمبی عمر ہے آپ کی میں آپ کو ہی فون کر رہی تھی۔“

”بس دیکھو تم نے دل سے یاد کیا اور ہم چلے آئے۔“ زارا کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

”میری اجالا کہاں ہے؟ وہ تو مجھ سے ناراض ہو رہی ہو گی۔“

”ہاں تمہیں یاد کر کے ابھی سوئی ہے۔“ زارا نے بتایا۔

”اچھا آپ سب لوگ بیٹھیں میں آپ لوگوں کے لئے کچھ بنا کر لاتی ہوں۔“ زارا کہہ کر کچن میں چلی گئی، جبکہ خالہ اس کی ماما کے پاس چلی آئیں۔

”رافع! آج میں تم سے کچھ مانگنے آئی ہوں۔“

”مجھ سے...... کیا؟“ رافع نے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے چونک کر سوال کیا۔

”رافع! تمہیں پتا ہے کہ مجھے زارا سے کتنا پیار ہے، اپنی سگی اولاد سے بڑھ کر، میری تو جان

ہی زارا میں اٹکی ہوئی ہے، تم زارا کو مجھے دے دو ہمیشہ کے لئے میں تم سے اسے مانگنے آئی ہوں، پلیز انکار مت کرنا، ایک بار بچپن میں تم نے اور زارا کے بابا نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ ہم تو اسد کے ماں باپ کو ہاں کر چکے ہیں، آج مایوس مت کرنا رافع۔“

”نہیں مجھے تو خوشی ہے کہ زارا بیاہ کر اپنے ہی گھر جائے گی، اس کے پاس جو ماں سے بڑھ کر اسے پیار کرتی ہے پر، تم ایک بار شہریار سے پوچھ لو۔“ رافع نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

”ارے شہریار نے ہی تو مجھے بھیجا ہے، جو بات میرے دل میں تھی، وہ شہریار کی زبان پر آ گئی، بس تم زارا سے پوچھ لو پھر، ہم مل بیٹھ کر نکاح کی تیاری کریں۔“ وہ تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے بیٹھی تھی۔

☆☆☆

زارا بہت سارے وسوسوں سے باہر آ گئی تھی، شہریار اسے شروع سے پسند تھا پر اس لحاظ سے نہیں کہ وہ اسے اپنا لے یا اس کا شریک سفر بنے، شہریار ایک اچھا انسان اور خوبصورت دل رکھنے والا بندہ تھا، اسد کی بھی شہریار سے بہت بنتی تھی، پر اس نے زندگی میں ایسا کبھی نہیں سوچا تھا، وہ دوسری شادی کے لئے رضا مندی دے چکی تھی، مگر اب شہریار کا رشتہ آنے سے اس کے خدشات ختم ہو گئے تھے، اسے جو ڈر ہر وقت ستاتا تھا کہ ”اجالا کا کیا بنے گا؟“ وہ ڈر ختم ہو گیا تھا، باقی سارا معاملہ اس نے اللہ پر چھوڑ دیا تھا۔

زارا کے شہریار سے رشتے کی خبر چچی جان پر بجلی بن کر گری تھی، وہ تو شہریار کے لئے کچھ اور ہی سوچ بیٹھی تھیں ان کا خیال تھا کہ شہریار ان کا داماد بنے، یہ خواہش جو بن پوری ہوئے ہی دم توڑ گئی، جانے کب سے وہ اس خواہش کو دل میں دبائے بیٹھی تھیں، بس مناسب وقت کے انتظار میں تھیں، پر کیا خبر تھی کہ وقت آنے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا، اب تو زارا سے انہیں اور بھی زیادہ نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔

خوشیاں اپنا دامن بچھائے زارا کی منتظر تھی، اس کا دل مطمئن تھا، پر اس کی بہت آج بھی اس کے سینے میں دل بن کر دھڑک رہی تھی، کسی نے ایک بار اسے کہا تھا کہ ”خوشیاں دستک دے تو بنا تا خیر کیسے دروازہ کھول دو، کیونکہ اگر خوشیاں روٹھ جائے تو دوبارہ نہیں آتی بس پچھتاوا رہ جاتا ہے۔“ زارا نے تا حد نظر پھیلے نیلے آسمان کی طرف دیکھ کر اللہ سے معافی مانگی۔

”اللہ مجھے معاف کر دینا شاید آنے والے وقت میں وہ پیار اور حقوق شہریار کو نہ دے پاؤں، جو اس کا حق ہے، یا اس کی جو خواہش ہے، کیونکہ میں اپنا دل، پیار اور سارے حقوق اسد کو دے چکی، اگر ولید بھی زندہ ہوتا تو میں کبھی دوسری شادی نہ کرتی۔“ آنکھوں میں موتی چمکنے لگے تھے اور آنکھوں کی باڑ توڑ کر باہر آ گئے اس کے پتا ہی نہ چلا کہ کب شہریار آ کر اس کے قریب بیٹھ گیا، شہریار نے ان چمکتے موتیوں کو اپنی انگلی کی پوروں میں جذب کیا۔

آج کے بعد کوئی بات نہ ہونے دیں گے
ہم تیری آنکھ میں برسات نہ ہونے دیں گے
آج کے بعد دن ہی تیرا مقدر ہو گا
تیرے خوابوں میں بھی رات نہ ہونے دیں گے

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حاصل مطالعہ

فرزانہ سلیم

بڑی آزمائش، بڑا انعام

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جتنی بڑی بلا (آزمائش) ہے، اتنی ہی بڑی جزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔''

(یوں بھی کہا جاسکتا ہے جتنی بڑی آزمائش ہوتی ہے، اتنی ہی جزا اور اتنا بڑا انعام بھی ملتا ہے) پس اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے (یا اسے محبوب قرار دیتا ہے) تو اسے آزمائش اور مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے، بس جو مصیبت اور بلا پر خوش (راضی برضائے خداوندی) رہا، اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی رضا مندی ہے، (یعنی اللہ ایسے بندوں سے یا قوم سے راضی ہو جاتا ہے) اور جو ناراض ہوا (اس بیماری یا بلا پر) تو اللہ بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے، (اس کے لئے اللہ کی ناراضی ہے۔)

ثمرہ شیرازی، چوکی

مینارہ نور

ایک پچیس چھبیس سالہ نوجوان جب یروشلم کی ایک گلی سے گزرا تو ایک شخص نے برابر سے نمودار ہو کر اسے گالیاں دینا شروع کر دیں۔

''بے دین، گمراہ، ہمیں اپنے آباؤ اجداد سے منحرف کرنا چاہتا ہے، خدا تجھے ذلیل اور برباد کرے۔''

نوجوان نے مسکرا کر اس شریر آدمی کو دعائیں دینا شروع کر دیں، ایک تیسرے شخص نے حیرت سے دریافت کیا۔

''یہ شریر تمہیں گالیاں دے رہا ہے اور تم اسے دعائیں دے رہے ہو، تم بھی اسے گالیاں دے سکتے تھے۔''

شریف نوجوان نے تحمل سے جواب دیا۔

''جس کے پاس دینے کے لئے جو کچھ ہوتا ہے دوسروں کو وہی دیتا ہے، اس کے پاس گالیاں تھیں اس نے مجھے گالیاں دیں، میرے پاس دعائیں تھیں میں نے دعائیں دیں۔''

یہ شریف نوجوان حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے جو برائیوں کے خلاف جہاد کر رہے تھے۔

حمصہ حماد، کراچی

باتوں سے خوشبو آئے

☆ دنیا میں کوئی چیز اپنے آپ کے لئے نہیں ہے، دریا خود اپنا پانی نہیں پیتا، درخت اپنا پھل خود نہیں کھاتا، سورج اپنے لئے حرارت نہیں دیتا، کیونکہ دوسروں کے لئے جینا ہی اصل زندگی ہے۔
(حضرت علیؓ)

☆ جو دوست بنانے میں خوف زدہ ہوا سے کبھی سچے دوست نہیں ملیں گے، زندگی میں ایک دوست مل گیا تو بہت ہے، دو مل گئے تو بہت زیادہ ہے، تین تو مل ہی نہیں سکتے۔
(مستنصر حسین تارڑ)

☆ ماں کی اصل خوب صورتی اس کی محبت ہے اور میری ماں دنیا کی امیر ترین اور خوب صورت ترین ماں ہے۔
(محمد علی جوہر)

مصباح فیصل، کوہاٹ

کامیابی کی زندگی

☆ باطل ہیں وہ تمام اعتقادات اور تعلیمات جو انسان کو اس کی زندگی میں بدقسمت بنائے اور جھوٹے ہیں وہ سارے جذبے جو اسے مایوسی اور بدبختی کی طرف لے جائیں، انسان کا حق ہے کہ وہ زمین پر کامیابی کی زندگی بسر کرے۔ (خلیل جبران)۔

عائشہ شہباز، لاہور

بڑے لوگوں کی بڑی باتیں

☆ حسن ایک تنہائی کی سلطنت ہے، جسے میں جاہ و حشم کی ضرورت نہیں۔ (بوعلی سینا)

☆ دنیا میں اس سے زیادہ کوئی چیز سخت نہیں کہ تمہاری کسی سے دشمنی ہو۔ (ابوالحسن)

☆ جو عقل مند سے لڑے وہ عزت کی توقع نہ رکھے۔ (سعدی)

☆ قیمتی مشورے محض قیمت وصول کرنے کے لئے ہوتے ہیں اور صحیح مشورے ناراضی مول لینے کے لئے۔ (جارج سنتیانہ)

☆ اپنے خیالات کو اپنا جیل خانہ نہ بناؤ۔ (شیکسپیئر)

☆ طنز وہ آئینہ ہے جس میں دیکھنے والا اپنے سوا ہر کسی کے چہرے کو دیکھتا ہے۔ (سوئفٹ)

☆ وہ آدمی عظیم ہے جو اپنا کام چلانے کے لئے دوسروں کے دماغوں سے استفادہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ (پیاٹ)

☆ ذہانت گفتگو کا نمک ہے۔ (ہیزلیٹ)

☆ بے محل ہنسنا، غیر ضروری گفتگو کرنا اور غلط جگہ بیٹھنا بے وقوفی ہے۔ (بیومانٹ)

☆ نیک وہ عمل ہے جو لوگوں سے بے نیاز ہو کر کیا جائے۔

نسرین خورشید، جہلم

فرض شناس

غیر یقینی صورت حال کے پیش نظر، سنگین خان کو مسجد کے دروازے پر چیکنگ کے لئے سیکیورٹی گارڈ کی ڈیوٹی دی گئی، جمعہ کے وقت سب لوگ بغیر چیکنگ کے مسجد میں داخل ہو رہے تھے، ایک بزرگ نمازی نے سنگین خان کو اطمینان سے بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔

''سب لوگ ایسے ہی گزر رہے ہیں، چیک کیوں نہیں کر رہے ہو؟''

''واپسی پہ کر لوں گا۔'' سنگین خان نے سکون سے جواب دیا۔

صائمہ مظہر، حیدر آباد

ان میں ایک

لڑکی نے لڑکے کو فون کیا۔

''آج رات ہمارے ہاں مت آنا، ابو کو معلوم ہو گیا ہے کہ رات کو ہم نے ان کی کار استعمال کی تھی اور وہ غصے میں پاگل ہوئے جا رہے ہیں۔''

''انہیں کیسے معلوم ہوا؟''

''ہم نے جن درجن بھر لوگوں کو ٹکر ماری تھی وہ ان میں سے ایک ہیں۔''

ایمان علی، ٹوبہ ٹیک سنگھ

وقت گزر جائے گا

دیکھو وقت گزر جائے گا
تم نے جس سے
جو کچھ بھی کہنا ہے کہہ لو
یوں نہ ہو کہ
اب کے جو تم بچھڑ و تو کچھ ایسے بچھڑو
جیسے دو انجان مسافر
اک انجانے اسٹیشن
اک دوجے سے مل کر بچھڑیں اور کھو جائیں
تم کیا اک ٹیبل پہ بیٹھے سوچ رہے ہو؟
دیکھو!
وقت گزر جائے گا

شاہدہ اسد، گوجرانوالہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یاد ماضی

نہ فکرِ فردا نہ یادِ ماضی
نہ چین دل کو، نہ بے قراری
نہ وصل کی لرزشیں نظر میں
نہ بے بسی ہجر کے سمے کی
نہ حد سے گزرا ہوا جنوں وہ
نہ بے کلی وہ پہلے جیسی
بس اک اداسی ہے دھیمی دھیمی
بس اک خوشی ہے بےکراں سی
بس اک بے نام سی جلن ہے
بس اک بے نام سی تھکن ہے
جو زندگی کے ادھورے پن کو
حدوں سے آگے بڑھا رہی ہے

صائمہ مشتاق، جڑانوالہ

دسمبر

وہ بے ارادہ سبھی تتلیوں میں رہتا ہے
کہ میرا دل مٹھیوں میں رہتا ہے
الاؤ بن کے دسمبر کی سرد راتوں میں
تیرا خیال میرے طاقچوں میں رہتا ہے

دانیال سحر، ملتان

انمول لفظوں کی مالا

O یہ دنیا مکافاتِ عمل کا نام ہے آج کسی کی راہ میں تم پتھر رکھو گے تو آنے والا وقت تمہاری راہ میں پہاڑ بن جائے گا۔
O خاموشی ایسے پردے کا نام ہے جس کے پیچھے لیاقت بھی ہو سکتی اور حماقت بھی ہو سکتی ہے۔
O وہ بات اکثر بہت انمول ہوتی ہے جس میں الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں۔
O ادب بہترین کمال اور خیرات افضل ترین عبادت ہے۔
O سخاوت کرنے کے ساتھ احسان جتانا کمینہ پن ہے۔
O احساسِ کم تر اور احساسِ برتری میں مبتلا انسان کبھی بھی کامیاب نہیں ہوتا۔
O جب دشمن پہ غلبہ پالو تو اسے معاف کر دو۔
O دنیا میں آنکھ والا وہ ہے جو پہلے اپنے آپ کو غور سے دیکھے۔
O مسکراتے رہو، مسکراہٹ ہماری روح کا دروازہ کھول دیتی ہے۔

حیدر رضا، جھنگ

لفظوں کے موتی

O وقت اور نصیب کسی لمحے بھی کسی کو زیر کر سکتا ہے۔
O کسی کو بھی معلوم نہیں، اس کا اگلا شکار کون ہو گا۔
O جب آپ پہلا قدم اٹھا لیتے ہیں، تہیہ کر لیتے ہیں، تو پھر واپسی نہیں ہوتی، گھڑا بے شک کچا ہو پھر بھی پار پہنچا دیتا ہے۔
O محبت ایک بہت بڑے صبر کی مالک ہے اور وہ کبھی بے صبری نہیں ہوتی۔
O وقت ہر تصور کو بدل دیتا ہے، اس کے کونے مڑ جاتے ہیں۔
O اور رنگ بھورے ہونے لگتے ہیں، وقت ڈھلوان پر لڑھکتی جیپ کی طرح اتنی تیزی سے گزر جاتا ہے کہ نظروں اور چہروں کے رنگ بدل جاتے ہیں۔
O ہمت بھی عجیب پھولے ہوئے غبارے جیسی ہوتی ہے
O ذرا نا موافق بات کی سوئی چبھی، شکل ہی نہیں حالت اور حالات تک بدل دیتی ہے۔

فاعزہ عبدالمنان، کراچی

اللہ کے لئے محبت کرنے والے

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ایک شخص اپنے ایک دینی بھائی سے ملاقات کے لئے گیا تو اللہ عزوجل نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ بٹھا دیا اس نے پوچھا۔''

''کہاں جا رہے ہو؟'' اس نے جواب دیا۔

''فلاں بھائی سے ملاقات کے لئے جا رہا ہوں۔'' اس نے پوچھا۔

''اس سے کوئی کام ہے؟'' جواب دیا۔

''نہیں۔'' فرشتے نے پوچھا۔

''تمہارے درمیان کوئی رشتہ داری ہے؟'' اس نے کہا۔

''نہیں۔'' اس نے پوچھا۔

''اس نے تم پر کوئی احسان کیا ہے؟'' اس نے جواب دیا۔

''نہیں۔'' اس نے پوچھا۔

''تو پھر کیوں اس سے ملاقات کر رہے ہو؟'' اس نے کہا۔

''میں اللہ عزوجل کے لئے اس سے محبت کرتا ہوں۔'' فرشتے نے کہا۔

''اللہ عزوجل نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے اور وہ تمہیں مطلع کرتا ہے کہ وہ (اللہ عزوجل) تم سے محبت کرتا ہے اور اس نے تمہارے لئے جنت واجب کر دی ہے۔''

عقیقہ منیر، سیالکوٹ

بھائی چارہ

ایک شخص حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

''میں اللہ عزوجل کے لئے آپ کو اپنا بھائی بنانا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے فرمایا۔

''تم جانتے ہو بھائی چارے کا حق کیا ہے؟'' اس نے عرض کیا۔

''آپ بتا دیجئے۔'' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

''کہ تو اپنے دینار اور درہم کا مجھ سے زیادہ حق دار نہ ہو گا۔'' اس نے عرض کی۔

''میں ابھی تک اس مقام تک نہیں پہنچا۔'' آپ نے فرمایا۔

''پھر چلے جاؤ۔''

(اقتباس از فیضان احیاء العلوم)

صائمہ سلیم، گجرات

اقوال یونانی مفکرین و حکمائے یورپ

☆ بات کو پہلے دیر تک سوچو پھر منہ سے نکالو اور پھر اس پر عمل کرو۔ (افلاطون)
☆ ہر ایک نئی چیز اچھی معلوم ہوتی ہے مگر دوستی جتنی پرانی ہو اتنی ہی عمدہ اور بھلی معلوم ہوتی ہے۔ (ارسطو)
☆ خاموشی سب سے زیادہ آسان کام اور سب سے زیادہ نفع بخش عادت ہے۔ (ارسطو)
☆ تحریر ایک خاموش آواز ہے اور قلم ہاتھ کی زبان ہے۔ (سقراط)
☆ غصہ کبھی کبھی قابل سے قابل انسان کو بھی بے وقوف بنا دیتا ہے۔ (بقراط)
☆ جو شخص اپنے نفس کو قابو میں نہیں رکھ سکتا وہ بہت سے لوگوں کو کیا قابو میں رکھ سکے گا۔ (اقلیدس)
☆ دانا وہ ہے جو گردش ایام سے تنگ دل نہ ہو۔ (اقلیدس)
☆ کسی آدمی کو جب اس کی بساط سے زیادہ دنیا مل جاتی ہے تو لوگوں کے ساتھ اس کا برتاؤ برا ہو جاتا ہے۔ (اقلیدس)
☆ علم سے آدمی کی وحشت اور دیوانگی دور ہو جاتی ہے۔ (بیکن)
☆ تمام اعضاء جسمانی میں زبان سب سے زیادہ نافرمان ہے۔ (فیثاغورث)

نازیہ جمال، چکوال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیاض

تسنیم طاہر

شگفتہ رحیم ---- فیصل آباد

میں اس کے ہاتھ نہ آؤں وہ میرا ہو کے رہے
میں گر پڑوں تو مری پستیوں کا ساتھی ہو
کرے کلام جو مجھ سے تو میرے لہجے میں
میں چپ رہوں تو مرے تیوروں کا ساتھی ہو

....

کوچے کو تیرے چھوڑ کر جوگی ہی بن جائیں مگر
جنگل ترے پربت ترے بستی تری صحرا ترا
تو با وفا تو مہرباں ہم اور تجھ سے بدگماں
ہم نے تو پوچھا تھا ذرا یہ وصف کیوں ٹھہرا ترا

....

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی
میری وحشت تری شہرت ہی سہی
قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

حمیرا رضا ---- ساہیوال

میں تم کو چاہ کر پچھتا رہا ہوں
کوئی اس زخم کا مرہم نہیں ہے

....

مری طلب تھا اک شخص وہ جو ملا نہیں تو پھر
ہاتھ دعا سے یوں گرا بھول گیا سوال بھی

....

یہ جان کر بھی کہ دونوں کے راستے تھے الگ
عجیب حال تھا جب اس سے ہو رہے تھے الگ
خیال ان کا بھی آیا کبھی تمہیں جاناں
جو تم سے دور بہت دور جی رہے تھے الگ

ماریہ عثمان ---- سرگودھا

عقل کے شہر میں آیا ہے تو یوں گم ہے جنوں
لب گویا کو بھی بے ساختہ پن یاد نہیں
اول اول تو نہ تھے واقف آداب قفس
اور اب رسم و رہ اہل چمن یاد نہیں

....

فراز اس شہر میں کس کو دکھاؤں زخم اپنے
یہاں تو ہر کوئی مجھ سا بدن پہنے ہوئے ہے

....

سنگ دل ہے وہ تو کیوں اس کا گلہ میں نے کیا
جبکہ خود پتھر کو بت بت کو خدا میں نے کیا
کیسے نامانوس لفظوں کی کہانی تھا وہ شخص
اس کو کتنی مشکلوں سے ترجمہ میں نے کیا

ماروہ آصف ---- خانیوال

گلہ فضول تھا عہد وفا کے ہوتے ہوئے
سو چپ رہا ستم ناروا کے سہتے ہوئے
یہ قربتوں میں عجب فاصلے پڑے کہ مجھے
ہے آشنا کی طلب آشنا کے ہوتے ہوئے

....

نہ سہہ سکا جب مسافتوں کے عذاب سارے
تو کر گئے کوچ میری آنکھوں سے خواب سارے
بیاض دل پر غزل کی صورت کہے ہیں
ترے کرم بھی ترے ستم بھی حساب سارے

....

دو چار نہیں مجھ کو فقط ایک بتا دو
جو شخص اندر سے بھی باہر کی طرح ہو

صائمہ ابراہیم ---- فیصل آباد

وہ اپنے زعم میں تھا بے خبر رہا مجھ سے
اسے گمان بھی نہیں میں نہیں رہا اس کا
ہمیں نے ترک تعلق میں پہل کی فراز
وہ چاہتا تھا مگر حوصلہ نہ تھا اس کا

....

چھڑ گیا ہے تو اس کا ساتھ کیا مانگوں
را سی عمر ہے غم سے نجات کیا مانگوں
ہ ساتھ ہوتا تو ہوتی ضرورتیں بھی بہت
یلی جان کے لئے کائنات کیا مانگوں

....

ق بزم بن گئے لب پہ حکایتیں رہیں
ل میں شکایتیں رہیں لب نہ مگر ہلا سکے
گر سے اور بڑھ گئی برہمی مزاج دوست
ب وہ کرے علاج دوست جس کی سمجھ میں آ سکے

ا عبدالرحمان ---- راولپنڈی

ہ کہہ رہی ہے تمہیں چھو کے آنے والی ہوا
اس میں ہی نہیں بے قرار تو بھی ہے

....

ری محبت میں یہ کیسا احساس ہے
ہ تو دور ہو کر بھی میرے دل کے پاس ہے
ں تیری تمنا کو دل سے مٹاؤں کیسے
سمندر ہے اور مجھے تیری پیاس ہے

....

نے کیوں یہ گماں ہوتا ہے
ہ وہ نظر آئے گا سر راہ چلتے وقت
دا لکھ دے گا اسے میری قسمت میں
ی قبولیت کی گھڑی میں شام ڈھلتے وقت

درہ نعیم ---- شیخوپورہ

وہ ہے میں کیا تھا پر اب جانے کیا ہو گیا ہوں
ئینے میں شکل دیکھے اک زمانہ ہو گیا
تم ہوئی ڈائری گرتے ہوئے پتے ریاض
گیا ماہ دسمبر سال بوڑھا ہو گیا

....

ت گزرا تو یہ ملال ہوا
م اک زندگی کا سال ہوا
تی شدت سے کوئی یاد آیا
ج جینا بڑا محال ہوا

....

ہنسے تو مہک اٹھیں دل کی گلیاں
تیری اک مسکراہٹ سے ہماری عید ہو جائے

زاہدہ اظہر ---- حافظ آباد

کھلا کھلا ہو یہ جہاں دھلا دھلا سماج ہو
تیری زمین پہ اے خدا محبتوں کا راج ہو

....

کتنی گم گشتہ بہاروں کا پتا دیتے ہیں
صحن گلشن میں یہ سوکھے ہوئے پتے یارو
اک پری زاد کی رسوائی کا ڈر ہے ورنہ
ہم بھی ساون کی طرح کھل کے برستے یارو

....

مسکراتے ہوئے چہروں سے تبسم کی ضیا
لوٹ لیتے ہیں یہ دستور ہے انسانوں کا

فضہ بخاری ---- رحیم یار خان

وہ کیسے لوگ تھے یا رب جنہوں نے پا لیا تجھ کو
ہمیں تو ہو گیا ہے دشوار ایک انسان کا ملنا

....

یہ درد کے ٹکڑے ہیں اشعار نہیں ساغر
ہم کانچ کے دھاگوں میں زخموں کو پروتے ہیں

....

اوروں کے لئے دھوپ میں چپ چاپ کھڑے ہیں
سیکھے کوئی آداب وفا سنگ و شجر سے

حنا زبیر احمد ---- بہاولپور

وہ وقت بھی دیکھے ہیں تاریخ کی گھڑیوں نے
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

....

اپنے کردار کو موسم سے بچائے رکھنا
لوٹ کر پھول میں واپس نہیں آتی خوشبو

....

محبت میں کوئی صدمہ اٹھانا چاہیے تھا
بھلایا تھا جسے وہ یاد آنا چاہیے تھا
میری اپنی اور اس کی آرزو میں فرق یہ تھا
مجھے بس وہ اور اسے سارا زمانہ چاہیے تھا

ام رباب ---- ساہیوال

کیوں نہیں چلتے کہ جانا ہے بہت دور ابھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیوں یہاں رک گئے بے کار تماشا بن کر

....

اک میں ہی جانتا ہوں جو مجھ پر گزر گئی
دنیا تو لطف لے گی میرے واقعات میں

....

میری آنکھوں میں چھپی اک کمی سی رہ گئی
میں نے جب بھی بات کی اک کمی سی رہ گئی
میں تو کچھ ایسا ہی تھا جو کہا بے ربط تھا
لیکن اس کے بعد بھی اک کمی سی رہ گئی
نعیمہ بخاری ---- اٹک

اک بات بہت تلخ کہی تھی اس نے
بات تو یاد نہیں یاد ہے لہجہ اس کا

....

تیری یاد اور برف باری کا موسم
سلگتا رہا دل کے اندر اکیلے
ارادہ تھا جی لوں گا تجھ سے بچھڑ کر
گزرتا نہیں دسمبر اکیلے

....

ہمیں تو بس یہ پتا ہے کہ جس شب مجھے چھوڑ کر تم چلے گئے
آسمانوں سے شعلہ نکلتا رہا چاند جلتا رہا
وہ دسمبر کہ جس میں کڑی دھوپ بھی میٹھی لگنے لگی
تم نہیں تو دسمبر سلگتا رہا چاند جلتا رہا
ثمرین زاہرہ ---- خان پور

گزرے لمحوں کو بھلانے میں کچھ وقت لگے گا
اپنی ذات سے باہر نکلنے میں کچھ وقت لگے گا

....

ٹوٹ جاتے ہیں سبھی رشتے مگر
دل سے دل کا رابطہ اپنی جگہ
دل کو ہے تجھ سے نہ ملنے کا یقین
تجھ کو پانے کی دعا اپنی جگہ

....

پچھلے برس تھا خوف و روز محبت کے گلاب
مجھ کو معلوم نہ تھا درد کسے کہتے ہیں
نمرہ سعید ---- اوکاڑہ

اس دل کے بہلنے کو یہ سامان بہت ہے
وہ اپنی جفاؤں پہ پشیمان بہت ہے
اب کے بھی اجڑ جائیں گے بستی کے کئی گھر
اس سال بھی برسات کا امکان بہت ہے

....

یہ ہی نہیں ہے کہ ہمیں توڑ کر گیا ہے کوئی
اسے بھی خود کو بہت دیر جوڑنا ہو گا

....

دوسروں کے سپرد کرکے اسے
خود کو دھوکا دیا تھا خود میں نے
کس قدر یادگار لمحہ تھا
اس کو رخصت کیا تھا خود میں نے
طاہرہ رحمان ---- بہاولنگر

دکھ ہزاروں دیے ہیں گئے سال نے
دیکھو دینا ہے کیا اس نئے سال نے

....

سانحہ ایک ہو تو بتلائیں
اس کو کھونے کا اس کو رونے کا
بس یہی زندگی کا حاصل ہے
ایک احساس اپنے ہونے کا

....

ایک تیری تمنا نے کچھ ایسا نوازا ہے
مانگی ہی نہیں جاتی اب کوئی دعا ہم سے
عمرانہ علی ---- حاصل پور

اس ایک سال میں کیا کیا نہ ہوا اے دل
کچھ الفتیں بھی ملیں کچھ الفتیں بھی

....

پھر وہی وعدہ جو اقرار نہ بننے پایا
پھر وہی بات جو اثبات نہ ہونے پائی

....

بستی تھی سمندر بھی بیاباں بھی مرا ہے
آنکھیں بھی مری خواب پریشان بھی مرا ہے
جو ڈوبتی جاتی ہے وہ کشتی بھی ہے مری
جو ٹوٹتا جاتا ہے وہ پیماں بھی مرا ہے

عظمیٰ جبیں ---- لیہ

درد کچھ اور عطا کر کہ ترے درد نواز
یہ سخاوت ترے معیار سے کم جانتے ہیں
ہم کہ کھلتے تھے کبھی ضبط جنوں کی رت میں
حرف شیریں کو بھی اب قطرہ سم جانتے ہیں

....

شبنم کے آنسو پھول پہ یہ تو وہی قصہ ہوا
آنکھیں میری بھیگی ہوئی چہرہ تیرا اترا ہوا
برسات میں دیوار و در کی ساری تحریریں مٹیں
دھویا بہت مٹتا نہیں تقدیر کا لکھا ہوا

....

دیتے ہیں اجالے مرے سجدوں کی گواہی
میں چھپ کے اندھیروں میں عبادت نہیں کرتا
دنیا میں قتیل اس سا منافق نہیں کوئی
جو ظلم تو سہتا ہے بغاوت نہیں کرتا
وردہ منیر ---- لاہور

خود نمائی تو نہیں شیوہ ارباب وفا
جن کو جلنا ہو وہ آرام سے جل جاتے ہیں

....

فلسفہ عشق میں پیش آئے سوالوں کی طرح
ہم پریشان ہی رہے اپنے خیالوں کی طرح
ذکر جب ہو گا محبت میں تباہی کا کہیں
یاد ہم آئیں گے دنیا کو حوالوں کی طرح

....

جستجو میں تری پھرتا ہوں نجانے کب سے
آبلہ پا ہیں مرے ساتھ زمانے کب سے
نعمتیں ہیں نہ عذابوں کا تسلسل اب تو
مجھ سے رخ پھیر لیا خدا نے کب سے
ثمرہ شیرازی ---- پتوکی

میری تکمیل میں حصہ ہے اس کا بھی فراز
میں اگر اس سے نہ ملتا تو ادھورا رہتا

....

کبھی نہ ٹوٹنے والا حصار بن جاؤں
وہ میری ذات میں رہنے کا فیصلہ تو کرے

....

جستجو میں تیری پھرتا ہوں نجانے کب سے
آبلہ پا ہیں میرے ساتھ زمانے کب سے
وہ تو جنگل سے ہواؤں کو چرا لاتا ہے
اس نے سیکھے ہیں دیے گھر میں جلانے کب سے
حمضہ حماد ---- کراچی

یہ سوچ کر کہ نہ ہو تاک میں خوشی کوئی
غموں کی اوٹ میں خود کو چھپا لیا میں نے
کسی کی آس تو مجھ کو رہی سو میں تڑپا
شب فراق بتا تیرا کیا لیا میں نے

....

بات تو کچھ نہیں تھی لیکن اس کا ایک دم
بات کو ہونٹوں میں رکھ کر روکنا اچھا لگا

....

مجھ سے بچھڑا تھا وہ پہلے بھی مگر
اب کے یہ زخم نیا ہو جیسے
یوں بہت ہنس کے ملا تھا لیکن
دل ہی دل میں خفا ہو جیسے
مصباح فیصل ---- کوہاٹ

اپنی زندگی بھی اس چاند کی طرح ہے وصی
جو خوبصورت تو دکھتا ہے مگر ہے بہت اکیلا

....

کس طرح نبھے اپنی شہریار سے محسن
اس کا ہم نشیں سایہ میرا ہم سفر سورج

....

الجھیں گے ابھی کئی بار لفظ سے مفہوم
سادہ ہے بہت وہ نہ میں آسان بہت ہوں
عائشہ شہباز ---- لاہور

نیند تو آنے کو تھی پر دل پرانے قصے لے بیٹھا
اب خود کو بے وقت سلانے میں کچھ وقت لگے گا

....

زندگی کیسے بسر ہو گی ہم کو تابش
صبر آیا ہے نہ آشفتہ سری آتی ہے

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رنگ حنا

بلقیس بھٹی

اشتہار

ہیر نکلی جس گھڑی رانجھے کے سنگ
اس کا ماما آن ٹپکا خوامخواہ
چل رہے تھے اشتہار اچھے بھلے
اک ڈراما آن ٹپکا خوامخواہ

سمن رضا، چیچہ وطنی

حسن کارکردگی

پولیس کے پاس ایک لاپتہ ملزم کے چھ مختلف فوٹو تھے، جو مختلف زاویوں کے کھینچے گئے تھے، پولیس نے ملزم کی تلاش میں ان تصویروں کی نقلیں صوبے کے تمام تھانوں کو بھیج دیں، تا کہ ملزم پکڑا جا سکے، اور پہچاننے میں آسانی ہو، کچھ دن کے بعد ایک تھانے سے اطلاع موصول ہوئی، چھ ملزموں کی تصویریں مل گئیں، ان میں سے پانچ کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور ایک کی تلاش جاری ہے۔

شاہین سلیم، دیپالپور

کارگر نسخہ

ایک فرم کے مالک کو انتہائی سخت الفاظ پر مبنی دوسرا نوٹس موصول ہوا، جس میں اسے بتایا گیا کہ ٹیکس ادا نہیں کیا تو اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی فرم کا مالک گھبرایا ہوا ٹیکس آفس پہنچا، ٹیکس جمع کروایا اور اس نے معذرت کی کہ پہلا نوٹس کہیں گم ہو گیا تھا۔

ٹیکس افیسر نے بتایا۔

''ہم پہلا نوٹس بھیجتے ہی نہیں ہیں، ہمارا تجربہ ہے کہ دوسرا نوٹس دینا موثر ہوتا ہے۔''

ایمن عزیز، میانوالی

منزل

نیا نیا دولت مند ہونے والا ایک شخص ایک ٹریول ایجنسی کے دفتر پہنچا اور نوٹوں کی ایک گڈی کاؤنٹر پر پھینک کر بولا۔

''جلدی سے ایک ٹکٹ بنا دو۔''

''کہاں کا جناب؟'' بکنگ کلرک نے دریافت کیا۔

''کہیں کا بھی بنا دو میرا کاروبار ہر جگہ پھیلا ہوا ہے۔'' نو دولتیے نے جواب دیا۔

شگفتہ رحیم، فیصل آباد

برطرفی

باس نے نوجوان کلرک کو بلایا اور کہا۔

''میں نے سنا ہے کہ تم بہت زیادہ محنت سے کام کر رہے ہو بلا معاوضہ اور ٹائم لگانا پڑے تو بھی انکار نہیں کرتے ہر شعبے میں ضرورت پر کام سنبھال لیتے ہو۔''

''جی سر!'' نوجوان کا چہرہ دمکنے لگا۔

''ان ہی وجوہات کی بنا پر میں تمہیں ملازمت سے برطرف کر رہا ہوں وہ تم ہی جیسے لوگ ہوتے ہیں جو یہاں سے کچھ سیکھتے ہیں اور پھر جا کر مقابلے پر کاروبار شروع کر دیتے ہیں۔''

حمیرا رضا، ساہیوال

شیطان کی ریٹائرمنٹ

آج کل یہ خبر سننے میں آئی ہے کہ ہمارے سب سے بڑے لیڈر شیطان صاحب ریٹائر ہو رہے ہیں ہمارا خیال ہے کہ یہ خبر کسی دشمن نے

پھیلائی ہو گی بہر حال اس خبر پر فارغ التحصیل نوجوان خوش نظر آ رہے ہیں وجہ پوچھیں تو کہتے ہیں۔

''ریٹائرمنٹ سے ایک آسامی تو خالی ہو گی شیطان کی ریٹائرمنٹ کا سن کر اپنی ذمہ داری کا احساس ہونے لگا ہے۔''

''شیطان دیکھنے میں کیسا ہے۔'' ایک بار ہم نے مولوی صاحب سے پوچھا تو جواب دینے کے بجائے ہمارا منہ دیکھنے لگے، وہ شخص جسے سب برا کہیں اس کا برا ہونا بھی مشکوک ہو جاتا ہے، شیطان کو پہلے اچھے، برا کہتے تھے، اب برے برا کہنے لگے ہیں پہلے اس نے شیطان بننے کے لئے انسان کو سجدہ نہیں کیا اب اسے شیطان رہنے کے لئے انسان کو سجدہ کرنا پڑتا ہے جہاں موسیقی ہوتی ہے وہاں شیطان نہیں ہوتا، شاید وجہ یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہاں میرے بغیر بھی کام چل رہا ہے ویسے بھی رمضان المبارک میں اسے ایک ماہ کے لئے قید کر دیا جاتا ہے تو ہم اس کے بغیر ہی سارے کام چلا لیتے ہیں۔

(ڈاکٹر یونس بٹ کی کتاب عکس بر عکس سے)

ماریہ عثمان، سرگودھا

دولت اڑتی ہے

ایک کاروباری آدمی اپنے دوست سے کہہ رہا تھا۔

''میں اس کمپنی کی سالانہ رپورٹ پڑھ رہا تھا، جس میں میرا بھی شیئر تھا ایک جگہ اس رپورٹ میں لکھا تھا دولت اڑتی ہے، تین لاکھ ڈالر اڑ گئے میں نے بورڈ کے چیئر مین کو خط لکھا کہ آئندہ رپورٹ میں تصحیح کر لی جائے کہ دولت اڑتی نہیں، بہتی ہے اور تین لاکھ ڈالر بہہ گئے۔'' یہ کہتے کہتے اس کا لہجہ دردناک ہو گیا۔

''پھر کیا ہوا۔'' دوست نے اشتیاق سے پوچھا۔

''میرا خیال تھا اس سلسلے میں اکاؤنٹینٹ کی غلطی تسلیم کر لی جائے گی لیکن چیئر مین کا جواب آیا دولت واقعی اڑتی ہے؟ جناب آج کل ہمارا اکاؤنٹینٹ بیرون ملک میں ہے۔''

چار دن کی چاندنی

ایک آدمی کی شادی کو چند روز ہی ہوئے تھے وہ سسرال والوں کے حسن وسلوک اور خاطر مدارت سے اتنا متاثر ہوا کہ اپنے سسرال کے مکان کے مین گیٹ پر ایک تختی لگا دی جس پر لکھا تھا۔

''سسرال جنت ہے۔''

اسی گھر کے دوسرے داماد نے جس کی شادی کو کچھ عرصہ گزر چکا تھا، اس تحریر کے نیچے لکھ دیا۔

''چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات ہے۔''

ماروخ آصف، خانیوال

فریاد

ایک صاحب ایک قبر کے پاس کھڑے رو رو کر کہہ رہے تھے۔

''تم تو چلے گئے ہو مگر میری زندگی کو خزاں بنا گئے۔'' ایک راہ گیر نے ان سے ہمدردی سے پوچھا۔

''اس قبر میں آپ کا کوئی عزیز رشتے دار یا کوئی دوست دفن ہے۔''

ان صاحب نے جواب دیا۔

''جی نہیں! یہ میری بیوی کے پہلے شوہر کی قبر ہے۔''

صائمہ ابراہیم، فیصل آباد

پریشانی

ایک سردار اکثر سوچ میں ڈوبا رہتا تھا ایک دن اس سے کسی نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سردار جی! اتنے پریشان کیوں رہتے ہو اور کیا سوچتے رہتے ہو۔"
اس پر سردار نے جواب دیا۔
"یار یہ بڑی پریشانی کی بات ہے کہ میری بہن کے دو بھائی ہیں اور میرا صرف ایک بھائی ہے۔"
وفا عبدالرحمان، راولپنڈی

فوج اور عورت

ایک فرانسیسی جرنیل کی ملاقات پیرس کی ایک مشہور اداکارہ سے ہوئی جرنیل نے بڑے طنزیہ لہجے میں کہا۔
"کیا آپ کو خبر ہے کہ جتنا فرانسیسی فوج کا خرچ ہے اس سے دگنا فرانس کی عورتوں کا ہے۔"
اداکارہ بولی۔
"یہ تو ایسی تعجب کی بات نہیں، جتنے فرانسیسی فوج کے کارنامے ہیں اس سے دگنے فرانس کی عورتوں کے کارنامے ہیں۔"
سدرہ نعیم، شیخوپورہ

کنگال کے دوست

"جب سے وہ کنگال ہوا ہے اس کے آدھے دوست اسے منہ نہیں لگاتے۔"
"باقی آدھے؟"
"انہیں ابھی خبر نہیں کہ وہ دیوالیہ ہو چکا ہے۔"
زاہدہ اظہر، حافظ آباد

مضبوط نیفہ

پندرہ برس کی ملازمت کے بعد سردار جی کے ملازم نے پہلی بار احتجاج کیا۔
"سردار جی آپ نے نوکری دیتے وقت روٹی، کپڑے کا وعدہ کیا تھا، روٹی تو خیر جیسی ملتی رہی ہے، اب بھی پہننے کو کپڑا ابھی دیجئے۔"
سردار جی بولے۔
"اچھا یہ بات ہے تو سب سے پچھلی کوٹھڑی کا دروازہ کھولو اور اپنے پہننے کا کپڑا لے آؤ۔"
ملازم خوشی خوشی ہو گیا، کوٹھڑی کھولی تو جالوں کے سوا کچھ نظر نہ آیا، غور سے دیکھا تو کونے میں ایک چیتھڑا پڑا نظر آیا، اٹھایا تو دیکھا کہ سردار جی کا پرانا کچھا ہے اور آگے پیچھے دونوں طرف سے پھٹا ہوا ہے، چڑ کر سردار جی کو دکھانے ہاتھ میں اٹھائے باہر لایا اور جل کر بولا۔
"اس کپڑے کو آپ کہہ رہے تھے؟"
"ہاں یہی ہے، نیفہ تو مضبوط ہے، آگا پیچھا نیا لگوا لینا۔"
فضہ بخاری، رحیم یار خان

غلطی

ایک سکھ کو مقدمہ کی تاریخ پر جالندھر سے امرتسر پہنچنا تھا، گاڑی چلنے سے کچھ دیر پہلے وہ بھاگا بھاگا گارڈ کے پاس گیا، گارڈ بھی سکھ ہی تھا۔
"سردار جی!" وہ منت سے بولا۔
"میرے مقدمے کی بڑی ضروری تاریخ ہے مجھے یہ بری عادت ہے کہ سو جاؤں تو کچھ ہوش نہیں رہتا، یہ نہ ہو کہ امرتسر کی بجائے لاہور پہنچ جاؤں، ذرا امرتسر پر مجھے یاد سے جگا دیجیے گا۔"
یہ کہہ کر وہ واپس گیا مگر تھوڑی دیر بعد پھر بھاگا ہوا پہنچا اور کہا۔
"سردار جی! ایک بات بھول گیا ہوں، نیند میں میرے حواس ٹھکانے نہیں ہوتے، کوئی جگائے تو میں خوامخواہ گالیاں دینے لگتا ہوں، آپ کچھ پروانہ کیجئے گا، مجھے پکڑ دھکڑ کے اسٹیشن پر اتار دیجیے گا، واہ گورو کا واسطہ میری بات مت بھولنا۔"
یہ کہہ کر وہ اپنے ڈبے میں جا سویا۔
آنکھ کھلی تو دیکھا کہ لاہور اسٹیشن آ گیا ہے، نتھنوں سے شعلے برساتا نیچے اترا، گارڈ کے ڈبے میں جا کر گارڈ کو اتارا اور اس پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔
"تجھے کہا نہیں تھا کہ مجھے امرتسر اتار دینا۔"

گالیوں کے جواب میں سکھ گارڈ چپ چاپ سر جھکائے کھڑا تھا، ایک مسافر کو یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی، اس نے گارڈ کے قریب جا کر کہا۔
"کیوں جی! یہ اتنی گالیاں بک رہا ہے، آخر بات کیا ہوئی۔"
گارڈ بولا۔
"اجی اس نے کیا گالیاں دینی ہیں، گالیاں تو اس نے دی تھیں جسے میں نے امرتسر اسٹیشن پر اتار دیا تھا۔"
حنا زبیر احمد، بہاولپور

شوہر کی بیماری

"ڈاکٹر!" ایک مشہور نفسیات کی نرس نے اس سے کہا۔
"برآمدے میں ایک خاتون کھڑی ہیں جو آپ سے فوراً ملنا چاہتی ہیں۔"
"کیا اس نے وقت مقرر کر رکھا ہے۔"
"نہیں وقت تو مقرر نہیں کیا، لیکن اگر اس نے اس شتر مرغ سے چھٹکارا نہ پایا تو جنہوں نے وقت مقرر کر رکھا ہے، وہ سب کے سب فرنٹ ہو جائیں گے۔"
"شتر مرغ؟"
"ہاں وہ خاتون اپنے ساتھ ایک شتر مرغ بھی لائی ہیں، جس نے آفت مچا رکھی ہے۔"
"اچھا اسے فوراً اندر لے آؤ۔"
دروازہ کھول کر کپڑوں سے لدی پھندی ایک عورت داخل ہوئی ساتھ ساتھ شتر مرغ بھی چلتا ہوا آ کھڑا ہوا۔
"بیٹھیے۔" ڈاکٹر نے عورت سے کہا۔
"ہاں اب بتائیے آپ کو کیا بیماری ہے۔"
"ڈاکٹر صاحب! مجھے تو کوئی بیماری نہیں، بیماری میرے خاوند کو ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ شتر مرغ ہے۔"
ام رباب، ساہیوال

ذوق تماشا

چرچل کے ایک مداح نے ایک بار بڑی عقیدت سے پوچھا۔
"آپ یہ دیکھ کر خوش تو بہت ہوتے ہوں گے کہ جب بھی آپ تقریر کرنے کھڑے ہوتے ہیں تو ہال کھچا کھچ بھر جاتا ہے۔"
"ہاں مسرت تو ہوتی ہے مگر ہمیشہ یہی خیال آ جاتا ہے کہ اگر تقریر کی بجائے مجھے پھانسی پہ لٹکایا جا رہا ہوتا تو خلقت تین گنا زیادہ ہوتی۔"
نعیمہ بخاری، اٹک

دونوں کے صنم خاکی

ایک کرایہ دار، کرایہ ادا نہ کرتا تھا، مالک مکان نے بہت زور مارا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا، مالک مکان نے عاجز آ کر ایک ترکیب سوچی، بند لفافے میں اپنی چھوٹی بچی کی ایک تصویر بھیجی جس پر لکھا تھا۔
"رقم کیوں چاہیے اس کی وجہ۔"
تیسرے دن کرایہ دار کا ایک خط ملا جس میں ایک کافر ادا حسینہ کی تصویر تھی، نیچے لکھا تھا۔
"رقم کیوں نہیں ملتی اس کی وجہ۔"
ثمرین زاہرہ، خان پور

قدرت کی صنعت

سائنس مصنوعات کی ایک بڑی نمائش میں دو اخبار نویسوں کا جانا ہوا، چاروں طرف نئی نئی مشینیں دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوئے، ایک کونے میں شیشے کے مرتبان کے اندر رنگ برنگی مچھلیاں تیر رہی تھیں، ایک بولا۔
"بھئی آخر اس کا اس نمائش سے کیا تعلق؟"
دوسرے نے جواب دیا۔
"یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ قدرت نے بھی چند چیزیں بنائی تھیں۔"

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

طاہرہ رحمان: کی ڈائری سے ایک غزل
سرکتا جائے ہے رخ سے نقاب آہستہ آہستہ
نکلتا آ رہا ہے آفتاب آہستہ آہستہ
جوان ہونے لگے جب وہ تو ہم سے کرلیا پردہ
حیا یکلخت آئی اور شباب آہستہ آہستہ
شب فرقت کا جاگا ہوں فرشتو اب تو سونے دو
کبھی فرصت میں کر لینا حساب آہستہ آہستہ
سوال وصل پر ان کو عدو کا خوف ہے
دبے ہونٹوں سے دیتے ہیں جواب آہستہ آہستہ
وہ بے دردی سے سرکاٹے امیر اور میں کہوں ان سے
حضور آہستہ آہستہ جناب آہستہ آہستہ

عمرانہ علی: کی ڈائری سے ایک نظم
آخری چند دن دسمبر کے
ہر برس ہی گراں گزرتے ہیں
خواہشوں کے نگار خانے سے
کیسے کیسے گماں گزرتے ہیں
رفتگاں کے بکھرے سایوں کی
ایک محفل سی دل میں بجتی ہے
کتنے نمبر پکارتے ہیں مجھے
جن سے مربوط بے نوا گھنٹی
اب فقط میرے دل میں بجتی ہے
کس کس پیارے پیارے
ناموں پر رینگتی بدنما سی لکیریں
میری آنکھوں میں پھیل جاتی ہیں
دوریاں دائرے بناتی ہیں
دھیان کی سیڑھیوں پر کیا کیا عکس
مشعلیں دور کی جلاتے ہیں
نام جو کٹ گئے ہیں ان کے حرف
ایسے کاغذ پر پھیل جاتے ہیں
حادثے کے مقام پر جیسے
خون سوکھتے نشانوں پر
چاک سے لائنیں لگاتے ہیں
پھر دسمبر کے آخری دن
ہر برس کی طرح اب کے بھی
ڈائری ایک سوال کرتی ہے
کیا خبر اس کے آگے تک
میرے ان بے چراغ صفحوں سے
کتنے ہی نام کٹ گئے ہوں گے
کتنے نمبر بکھر کے رستوں میں۔
گرد ماضی سے اٹ گئے ہوں گے
خاک کے ڈھیروں کے دامن میں
کتنے طوفان سمٹ گئے ہوں گے
ہر دسمبر میں سوچتا ہوں
ایک دن اس طرح بھی ہوتا ہے
رنگ کو روشنی میں کھونا ہے
اپنے اپنے گھروں میں رکھی ہوئی
ڈائری دوست دیکھتے ہوں گے
ان آنکھوں کے خاک دانوں میں
ایک صحرا سا پھیلتا ہوگا
اور کچھ بے نشان صفحوں سے
نام میرا ابھی کٹ گیا ہوگا

عظمیٰ جبیں: کی ڈائری سے ایک غزل
نہ ہم رہے نہ وہ خوابوں کی زندگی ہی رہی
گماں گماں ہی مہک خود کو ڈھونڈتی ہی رہی
حریم شوق کا عالم بتائیں کیا تم کو
حریم شوق میں بس شوق کی کمی ہی رہی

پس نگاہ تغافل تھی اک نگاہ کی تھی
جو دل کے چہرہ حسرت کی تازگی ہی رہی
بدل گیا سبھی کچھ اس دیار یاداش میں
گلی تھی جو تری جاں وہ تری گلی ہی رہی
تمام دل کے محلے اجڑ چکے تھے مگر
بہت دنوں تو ہنسی ہی رہی خوشی ہی رہی
سناؤں میں کیسے افسانہ خیال ملال
تیری کمی ہی رہی اور مری کمی ہی رہی

وردہ منیر: کی ڈائری سے ایک نظم
اسے کہنا کتابوں میں رکھے سوکھے ہوئے کچھ پھول
اسے کہنا کہ اس کی جھیل سی آنکھیں کسی منظر پر چھا جائیں
تو سب منظر یونہی پھر بھیگ جاتے ہیں
اسے کہنا کہ ٹھنڈی برف پر کوئی کسی کے ساتھ چلتا ہے
تو قدموں کے نشاں پھر سے اسی کے لوٹ آنے کے ساتھ
نشاں دل پر بناتے ہیں
اسے کہنا کہ اس کی بھیگتی آنکھوں کا وہ آنسو
ستارے کی طرح اب بھی ہمیں شب بھر جگاتا ہے
اسے کہنا کہ بارش کھڑکیوں پہ اس کے آنسو پینٹ کرتی ہے
اسی کا نام لکھتی ہے
اسے ہی گنگناتی ہے
اسے کہنا کہ خوشبو، چاندنی، تارے، صبا، رستے، گھٹا، کاجل
محبت چاندنی، شبنم، ہوائیں، رات، دن، بادل،
سبھی ناراض ہیں ہم سے
اسے کہنا جدائی کے درختوں پر جو سوکھی ٹہنیاں ہیں
وہ ساری برف کی چادر میں کب کی ڈھک چکی ہیں
اوران شاخوں پہ یادوں کے
جو پتے تھے سنہری ہو گئے ہیں
اسے کہنا دسمبر ہو گیا ہے
اور یخ بستہ وہ بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے
اسے کہنا کہ لوٹ آئے

ثمرہ شیرازی: کی ڈائری سے ایک نظم
دیکھ دسمبر اب مت آنا
میرے اندر کتنے صحرا پھیل چکے ہیں
تنہائی کی ریت نے میرے
سارے دریا پاٹ دیئے ہیں
اب میں ہوں
اور میرے بنجر پن کی بو جھلتا ہے
دیکھ دسمبر
تیری برفاب شبوں میں
تیری بے خواب شبوں میں
خواب سویٹر کون بنے گا
روح کے اندر گرتی برفیں کون چنے گا
دیکھ دسمبر اب مت آنا
اور اگر تو آئے بھی تو
اپنے دکھ کی برف پہن کر
دھوپ دیاروں تک
مت جانا
دیکھ دسمبر
اب مت آنا

حمضہ حماد: کی ڈائری سے ایک غزل
تجھ کو دیکھا ہے جو دریا نے ادھر آتے ہوئے
کچھ بھنور ڈوب گئے پانی میں چکراتے ہوئے
ہم نے تو رات کو دانتوں سے پکڑ رکھا ہے
چھینا جھپٹی میں افق کھلتا گیا جاتے ہوئے
چھپ سے پانی میں اتر جاتی ہے گلنار شفق
سرخ ہو جاتے ہیں رخسار بھی شرماتے ہوئے
میں نہ ہوں گا تو خزاں کیسے کٹے گی تیری
شوخ پتے نے کہا شاخ سے مرجھاتے ہوئے
حسرتیں اپنی بلکیں نہ یتیموں کی طرح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم کو آواز ہی دے لیتے ذرا جاتے ہوئے
سی لئے ہونٹ وہ پاکیزہ نگاہیں سن کر
میلی ہو جاتی ہے آواز بھی دہراتے ہوئے

مصباح فیصل: کی ڈائری سے ایک غزل

فاصلے ایسے بھی ہوں گے یہ کبھی سوچا نہ تھا
سامنے بیٹھا تھا میرے اور وہ میرا نہ تھا
وہ کہ خوشبو کی طرح پھیلا تھا میرے چارسو
میں اسے محسوس کر سکتا تھا چھو سکتا نہ تھا
رات بھر پچھلی سی آہٹ کان میں آتی رہی
جھانک کر دیکھا گلی میں کوئی بھی آیا نہ تھا
آج اس نے درد بھی علیحدہ کر لئے
آج میں رویا تو میرے ساتھ وہ رویا نہ تھا
یہ سبھی ویرانیاں اس کے جدا ہونے سے تھیں
آنکھ دھندلائی ہوئی تھی شہر دھندلایا نہ تھا
یاد کر کے اور بھی تکلیف ہوتی تھی عدیم
بھول جانے کے سوا اب کوئی بھی چارہ نہ تھا

عائشہ شہباز: کی ڈائری سے ایک نظم

پھر کہیں ایک ہوئے دو سائے
پھر کہیں آنکھ نے رخصت چاہی
پھر کہیں گال پہ آنسو ڈھلکا
پھر تیری یاد کے سائے مہکے
پھر تیرے پیار کا جھونکا آیا
پھر تیرے نام کی سرگم جاگی
پھر میرے درد کا سورج نکلا
پھر میری آنکھ پہ بادل چھائے
پھر میری یاس کی آندھی چھائی
پھر میری شام سحر تک روئی
پھر میری پیاس کے کانٹے پھولے
پھر میری شام سحر تک روئی
میرے گھر سے تیرے در تک روئی

نسرین خورشید: کی ڈائری سے ایک غزل

دلوں میں درد بھرتا ہوں آنکھ میں گوہر بناتا ہوں
جنہیں مائیں پہنتی ہیں میں وہ زیور بناتا ہوں
غنیم وقت کے حملے کا مجھ کو خوف رہتا ہے
میں کاغذ کے سپاہی کاٹ کر لشکر بناتا ہوں
پرانی کشتیاں ہیں میرے ملاحوں کی قسمت میں
میں ان کے بادباں سیتا ہوں اور لنگر بناتا ہوں
یہ دھرتی میری ماں ہے اس کی عزت مجھ کو پیاری ہے
میں اس کے سر چھپانے کے لئے چادر بناتا ہوں
یہ سوچا ہے کہ اب خانہ بدوشی کر کے دیکھوں گا
کوئی آفت ہی آتی ہے اگر میں گھر بناتا ہوں
مجھے ان سیپیوں کو دیکھ کر یوں ہی خیال آیا
یہ پانی سے میں اپنے خون سے گوہر بناتا ہوں
مرے خوابوں پہ جب تیرہ شبی یلغار کرتی ہے
میں کرنیں گوندھتا ہوں چاند سے پیکر بناتا ہوں

صائمہ مظہر: کی ڈائری سے ایک نظم

سال کا آخری دن ہے
ابھی کچھ دھوپ ہے لیکن
ذرا سی دیر کو ملے ہے کہ آخر شام ہونا ہے
حقیقت یا کہانی جو بھی ہے انجام ہونا ہے
چلو مل بیٹھ کے اپنے خسارے بانٹ لیتے ہیں
سب ہی رنگ، جگنو اور ستارے بانٹ لیتے ہیں
ذرا سی دیر کو طے ہے شام ہونا ہے
حقیقت یا کہانی جو
بھی ہے انجام ہونا ہے
تو کیوں نہ شام سے پہلے
کسی انجام سے پہلے
جو کچھ گھڑیاں میسر ہیں
ان ہی میں زندگی کر لیں
کسی احساس کی شمع جلا کر

ان اندھیروں میں
کوئی دم روشنی کر لیں
چلو ہم دوستی کر لیں

ایمان علی: کی ڈائری سے ایک نظم

یہ سال بھی آخر بیت گیا
کچھ ٹیسیں یادیں خواب لئے
کچھ کلیاں، چند گلاب لئے
کچھ انکھڑیاں پر آب لئے
کچھ جلتے دن کالی راتیں
کچھ سچے دکھ جھوٹی باتیں
کچھ تپتی رتیں کچھ برساتیں
کسی یار عزیز کا دکھ پیارا
کسی چھت پہ امیدوں کا تارا
کوئی تنہا شاعر دکھیارا
جس پہ ہنستا تھا جگ سارا
اس شاعر نے جو حرف لکھے
اس میں تیری یاد کے سائے تھے
وہ لوگ بھی آخر لوٹ گئے
جو صدیوں پار سے آئے تھے
ان ہنستے بستے لوگوں نے
میرے سارے دکھ اپنائے تھے
پھر میں نے یاد کی مٹی میں
زخمی لمحے دبائے تھے
یہ سال بھی آخر بیت گیا

شاہدہ اسد: کی ڈائری سے ایک غزل

ایسے ٹوٹے ہیں تمناؤں کے پندار کہ بس
میں نے جھیلے ہیں محبتوں میں وہ آزار کہ بس
ایک دھماکے میں زمانے میرے ہاتھوں سے گئے
اس قدر تیز ہوئی وقت کی رفتار کہ بس
تو کبھی رکھ کے ہمیں دیکھ تو بازار کے بیچ
اس طرح ٹوٹ کے آئیں گے خریدار کہ بس
کل بھی صدیوں کی مسافت سے پرے تھے دونوں
درمیاں آج بھی بڑتی ہے وہ دیوار کہ بس
یہ تو اک ضد ہے کہ محسن میں شکایت نہ کروں
ورنہ شکوے تو ہیں اتنے میرے یار کہ بس

صائمہ مشتاق: کی ڈائری سے ایک نظم

تم کہتے تھے کہ آؤ گے
جب جیون رستہ دلدل ہو گا
جب چاند تنہا پاگل ہو گا
اور من میرا بے کل ہو گا
تم کہتے تھے کہ آؤ گے
جب برف گری پہاڑوں پر
جب یخ بستہ ہوائیں سرخی پھیلائیں
ضبیح رخساروں پر
جب لمحے ہنسے بہاروں پر
جب باد صبا ٹھہری کہساروں پر
تم کہتے تھے کہ آؤ گے
جب آنکھوں میں رات گزرے گی
اور خواہش زمین پہ بکھرے گی
جب رنگ نہ ٹھہرے نظاروں پر
اور عکس نہ ابھرے دیواروں پر
تم کہتے تھے کہ آؤ گے
جب خوشیاں ساری چن لو گے
جب دسمبر کے دن گن لو گے
تم کہتے تھے کہ آؤ گے
اب آؤ کہ برف گر گئی ہے
رخسار بھی سرخ اور چاند بھی پاگل ہے
آؤ کہ من بے کل ہے
آؤ کہ نظارے خالی ہیں
آؤ کہ نقش ادھورے ہیں
آؤ کہ عکس نہ پورے ہیں
آؤ کہ دسمبر آخر ہے
تم آ جاؤ
تم کہتے تھے کہ آؤ گے

دانیا سحر: کی ڈائری سے ایک غزل

مرے حق میں یا مخالف کبھی کچھ کہا تو ہو گا
مجھے چھوڑ جانے والا مجھے سوچتا تو ہو گا
یہ اداس اداس پھرنا یہ کسی سے بھی نہ ملنا
ہے یونہی نہیں یہ سب کچھ کوئی حادثہ تو ہو گا
مرا دکھ یہی ہے شاید کہ میں سب کو جانتا ہوں
وہ جو مجھ کو جانتا ہے اسے کچھ گلہ تو ہو گا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حنا کی محفل

عین غین

طیبہ روز ---- گگھڑ ٹی

س: آداب عین جی؟

ج: خوش آمدید طیبہ جی۔

س: ذرا چہرہ تو دکھاؤ اور تھوڑا سا مسکراؤ؟

ج: کیا تم نے تصویر اتارنی ہے

س: عین جی! گرمیاں اپنے عروج پر آ گئیں اب تو گوشہ نشینی چھوڑیں اور سامنے آ جائیں۔

ج: ڈر یہ ہے کہ سامنے آ گیا تو تم آ جاؤ گی۔

س: اور ہاں! آپ کی منہ دکھائی کی رسم کب ہے؟ یقین کریں حنا کے سارے قارئین منہ مانگی منہ دکھائی دیں گے آپ ہاں تو کریں؟

ج: تم باقی رسمیں تو پوری کرو "منہ دکھائی" بھی ہو جائے گی۔

س: اچھا یہ بتائیں کہ کوئی آپ سے کہتا ہے بھلا کیا؟

ج: یہی کہ "ہاں تو کریں"

س: کسی کی خوشی کے لئے اپنی خوشی قربان کر دینا تو پیار و محبت یا دوستی میں آتا ہے لیکن کسی کو اپنی خوشی کے لئے قربان کر دینا کس زمرے میں آئے گا؟

ج: قربانی کے۔

س: بس آخری بات بتا دیں کہ محبت اپنا مان کب کھوتی ہے؟

ج: جب کوئی کسی کو اپنی خوشی کے لئے قربان کر دے۔

علی ناصر ---- حافظ آباد ٹی

س: عین غین جی السلام وعلیکم! کیسے ہو؟ کیا ہو رہا ہے آج کل؟

ج: وعلیکم السلام! ٹھیک ہوں۔ تمہارے سوالوں کے جواب دے رہا ہوں۔

س: گرمی سے پہلے گرمی آ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

ج: لوڈ شیڈنگ۔

س: اس کی سالگرہ آ گئی ہے، کیا تحفہ پیش کروں؟

ج: جنریٹر۔

س: محبت میں ہر لمحہ وصال ہوتا ہے، کیا واقعی؟

ج: جی ہاں خیالوں میں۔

س: آنکھ نم نہیں؟ کوئی غم نہیں؟ مگر ہم ہی ہم نہیں، کیوں؟

ج: سرسام جو ہو گیا ہے۔

س: دل کے موسم اثر رکھتے ہیں یا کہ؟

ج: اثر رکھتے ہیں تو تم ہم ہی ہم نہیں ہوتے ہو۔

رضا فاطمہ ---- سادھوکی

س: اف بہت گرمی ہے میری تو بس؟

ج: بس کیوں؟

س: اوہو عین غین جی میں آپ سے نہیں کہہ رہی ہوں وہ دراصل نہ؟

ج: کیا دراصل نہ۔

س: میری پوری بات تو سن لیں؟

ج: سناؤ کیا بات کرنی ہے۔

س: عین غین جی بتاتی ہوں اس طرح تو منہ نہ بنائیں؟

ج: بھئی تمہیں دیکھ کر میرے چہرے کے انوکھے انوکھے ڈائزین بن جاتے ہیں۔

س: کیا کہہ رہیں ہی عین غین جی؟

ج: اے لڑکی آرام سے یہ محفل ہے پاگل خانہ نہیں سمجھی۔

س: عین غین جی میں آپ کو اتنی عزت سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مخاطب کرتی ہوں اور آپ یہ صلہ دے رہے ہیں میں جا رہی ہوں؟

ج: جاؤ ہر بار یہی کہتی ہو۔

س: مگر اب کی بار نہیں آؤں گی سمجھے؟

ج: یہ ہی تو ہم چاہتے ہیں جاؤ بی بی اپنے کام کرو ہمارا دماغ نہ خراب کرو

راجہ عظمیٰ رزاق ---- سرگودھا

س: زندہ رہنے کے لئے تیری قسم؟

ج: سانس لینا ضروری ہے۔

س: اک ملاقات ضروری ہے صنم؟

ج: تقریب کچھ اسی ملاقات بھی چاہیے۔

س: روٹھے ہو تم، تم کو کیسے مناؤں پیا؟

ج: یہ بھی میں ہی بتاؤں۔ تم بھی کچھ کوشش کرو۔

س: بولو نہ بولو نہ؟

ج: اب میرا منہ نہ کھلواؤ۔

س: اب مان بھی جاؤ؟

ج: کچھ کوشش کرو گی تو مانوں گا۔

س: نخرا کس بات پر دیکھا رہے ہو؟

ج: کوئی بات تو ہے نا۔

س: چلو بابا ہم ہی معافی مانگ لیتے ہیں؟

ج: مانگو۔

س: کیا مطلب کر دیا؟

ج: پہلے معافی تو مانگو۔

س: چلو پھر مسکراؤ؟

ج: جب معاف کریں گے تو مسکرا بھی دیں گے۔

ملک کاشف اعوان ---- ہارون آباد

س: عین غین جی شوہر کے دل میں اترنے کا شارٹ کٹ راستہ معدہ اور بیوی کے دل میں اترنے کا شارٹ کٹ راستہ......؟

ج: بھری جیب۔

س: بیوی کو میاں کی کسی بات کا منہ توڑ جواب دینا چاہیے؟

ج: سر اٹھا کر جواب دینے کا۔

س: پچھلے سال انہیں دل تحفے میں دیا تھا اب کے سال کیا بھیجوں؟

ج: جگر۔

س: میرا عرض شوق پڑھ لیں یہ کہاں انہیں گوارہ، وہیں چاک کر دیا خط جہاں میرا نام آیا۔ آخر کیوں؟

ج: تم نے بھی تو خط میں اتنے مطالبات لکھ دیتے ہو۔

س: عین غین جی اگر ہر انسان کو ایک ماہ قبل اپنی موت کا علم ہو جاتا تو آپ مرنے سے پہلے کون کون سے دنیاوی کام نپٹانا ضروری سمجھتے؟

ج: کیا بتاؤں، ہزاروں خواہشیں ایسی کہ......

س: آج کل دل بہت اداس رہنے لگ گیا ہے کیا کروں؟

ج: کرنا کیا ہے دل کے بہلانے کا سامان کرو۔

فلاح نصیر ---- منڈی بہاؤالدین

س: تیرا بیسٹ فرینڈ شیطان اول (امریکہ) کب مسلمان ہو رہا ہے؟

ج: تم کوشش کرو گی تو ہو گا مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔

س: اپن اپنا ڈائنا میٹ سے بھرا پلین امریکہ اور اس کے ڈھکن اتحادیوں پر گرانا چاہ رہی ہوں۔ بس تو یہ بتانے کا کہ وہ چوہے کہاں جمع ہو رہے ہیں؟

ج: یہ پلین چابی سے چلتا ہے یا بیٹری سے۔

س: عالمی بگڑتی حالت دیکھ کر تیرے کو نہیں لگتا کہ نئی ہولو کاسٹ شروع ہونے کو ہے؟

ج: تیرے کو ابھی لگتا ہے۔ اپن کی تو معلوم ہے کہ شروع ہو چکی ہے۔

س: بکھری امت مسلمہ کی حالت زار پر کیا تیرا دل بھی ڈھاڑیں مار مار کر روتا ہے اپن کی طرح (ضرور بتانے کا)؟

ج: میں نے تجھے روتے تو دیکھا نہیں پہلے رو کے دکھا، پھر بات کروں گا۔

☆☆☆

خبر نامہ

عبداللہ

نہیں بدل سکتا انداز بیاں

جب صدر پاکستان نے میرا کے لئے پرائڈ آف پرفارمنس کا اعلان کیا تو وہ عمرے کی سعادت حاصل کرنے حجاز مقدس گئی ہوئی تھی ورنہ اعلان ہونے کے فوراً بعد جو کچھ میرا کی پرفارمنس کی شان میں اس کے ساتھی اداکاروں نے کہا اس کو سن کر وہ ہرگز ہرگز خاموش نہ رہتی، میرا کے لئے پرائڈ آف فارمنس کا سن کر ہر کسی کو حیرت کا جھٹکا لگا اور جس کے منہ میں جو آیا اس نے کہا اور تو اور بابرہ شریف جیسی سنجیدہ اور اپنے کام سے کام رکھنے والی اداکارہ نے بھی کہہ دیا کہ میرا نے ایسا کون سا تیر مارا ہے جو اسے یہ اعزاز ملا ہے، جب تک میرا عمرے سے واپس آئی اس وقت تک معاملہ ٹھنڈا پڑ چکا تھا اور سب اپنی اپنی دل کی جلن لفظوں کی صورت نکال چکے تھے اب باری میرا کی تھی لیکن حیرت انگیز طور پر میرا نے کسی قسم کا منفی رویہ نہیں اپنایا اور خاموشی اختیار کر لی اب جب لوگوں کو یقین ہونے لگا کہ میرا بدل گئی ہے اور بدلہ لینے کی بجائے کام پر توجہ دینے لگی ہے کہ اچانک میرا نے بابرہ شریف پر ریمارکس دیتے ہوئے کہا کہ بابرہ نے بہت کام کیا ہو گا مگر ان کی صرف دو چار فلمیں ہی کامیاب ہوئیں یعنی یہ سب کہتے ہوئے شاید میرا بھول گئی کہ بابرہ کی سو میں سے صرف دو چار فلمیں ہی بری ہیں باقی سب تو بہترین تھیں البتہ میرا کی صرف ایک دو ہی؟؟

پانچوں گھی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

...علان نے فلم انڈسٹری چھوڑنے کا اعلان یونہی سرسری سا کیا ہو یا اپنی مارکیٹ ویلیو جاننے کے لئے، لیکن شان کی اس بات کا بھرپور فائدہ معمر رانا نے اٹھایا اور صائمہ کے ساتھ دھڑا دھڑ فلمیں سائن کی، یوں اس فارغ دور میں بھی معمر رانا مصروف ترین فلم اسٹار بن گئے، یوں شان کے ایویں سے انکار سے معمر رانا کی لاٹری نکل آئی اور یکے بعد دیگرے سات فلموں میں معمر رانا ہیرو کے طور پر جلوہ گر ہو رہے ہیں جس میں ان کی ہیروئین صائمہ ہے۔

یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ 2012ء مکمل طور پر معمر رانا کا سال ہوگا اور آنے والی زیادہ تر فلموں میں شان، صائمہ نہیں، معمر رانا اور صائمہ نظر آئیں گے۔

انگور کھٹے ہیں یا پہنچ سے باہر

دو ماہ قبل فلم ''بول'' کی ریلیز پر جب ایمان علی بھارت گئی تو اسے وہاں کافی پذیرائی ملی اور اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا لیکن افسوس کسی فلم میکر نے اسے اپنی فلم میں کام کرنے کی آفر نہیں کی اور یوں انگور کھٹے ہیں کے مصداق ایمان کو کہنا پڑا، وہ بھارتی فلموں میں فٹ نہیں جس قسم کے ڈریس بھارتی فلموں میں استعمال ہوتے ہیں وہ ان کو

نہیں پہن سکتی، جبکہ اس کے برعکس کہنے والے کہتے ہیں کہ ایمان وہاں تقریبات میں ہی نہیں میڈیا انٹرویوز میں اس قسم کی ڈریسنگ کرکے آتی تھیں کہ کیا ہی کسی بھارتی ہیروئین نے اپنی فلم میں کی ہوگی، لیکن ان سب کوششوں کے باوجود انڈین فلم میکرز کی توجہ حاصل نہیں کر پائی اور مجبوراً اسے کہنا پڑا کہ وہ کبھی انڈین فلم میں کام نہیں کرے گی کیونکہ وہ انڈین فلموں کی ڈیمانڈز کے مطابق ڈریس نہیں پہن سکتی، اب کوئی ایمان سے یہ پوچھے کہ جس قسم کی ڈریسنگ کرکے تم فوٹو شوٹ کروائی ہو اس سے زیادہ کی تو بھارتی فلم میکرز کی ڈیمانڈ نہیں ہوگی، تو پھر بی بی مان لو کے انگور کھٹے ہی نہیں پہنچ سے بھی بہت دور ہیں۔

بول رے ملکے ملکے

فلم ''خدا کے لئے'' کے بعد ''بول'' ایمان علی کی دوسری فلم ہے جو کہ بھارت میں ریلیز ہوئی اور ''خدا کے لئے'' سے زیادہ پسند کی گئی، ''بول'' میں سب سے اہم کردار حمائمہ ملک کا ہے، جس کا کہنا ہے کہ ایمان کو تو نہیں البتہ اسے بالی ووڈ فلمز سے بہت سی آفرز ہوئی ہے جس پر وہ سنجیدگی سے غور کر رہی ہے، جب حمائمہ سے سوال کیا گیا کہ کہیں اس کو ملنے والی آفرز بھی وینا ملک جیسی تو نہیں تو وہ فوراً بولی کہ وینا تو راکھی ساونت جیسی ہے اور راکھی جیسی اداکارہ کا مقابلہ مادھوری سے نہیں کیا جاسکتا، اب حمائمہ

وہ خود کو مادھوری لیول کا سمجھنے لگی ہے، یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ بیک وقت راکھی ساونت اور وینا ملک سے پنگا لے کر حمائمہ بھارت اور پاکستان میں کام کیسے کر پائے گی؟ ''بول'' میں کام کرنے کا مطلب یہ نہیں حمائمہ کہ آپ جو دل میں آئے بول دیں کچھ باتیں کل کے لئے بھی رکھ لی جاتی ہیں۔

☆☆

عیدالاضحیٰ کے پکوان

ثمینہ احتشام

لذیذ مٹن چانپ

اشیاء

چانپ	ایک کلو بڑا سائز
انڈے	تین عدد
ادرک	چھٹانک بھر
لہسن	بارہ جوے
آلو	ایک کلو
گھی یا آئل	۲۵۰ گرام
سرخ مرچ	حسب ذائقہ
کالی مرچ	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ
ڈبل روٹی کا چورا	آدھا کپ

ترکیب

چانپ کو اچھی طرح دھولیں پھر ادرک پیس کر اس پر لگا کر ایک گھنٹہ تک رکھ دیں، پھر تھوڑا سا نمک اور پانی ڈال کر ابالیں، جب گل جائے اور پانی خشک ہو جائے تو اتار لیں، اب تھوڑا سا گھی ڈال کر فرائی کریں، آلو ابال کر باریک پیس لیں، اب کالی مرچ پیس کر اس میں ملا دیں اور چانپ کے اوپر آلوں کا ملیدہ لگا کر اسے ڈھانپ لیں، انڈے پھینٹ کر چانپ کے اوپر ڈبل روٹی کا چورا لگا کر انڈے میں ڈبو کر فرائی پان میں تلتے جائیں، سرخ ہونے پر نکال کر ڈش میں رکھیں ارد گرد سلاد اور ٹماٹر کاٹ کر سجائیں۔

کڑاھی گوشت

اشیاء

گوشت	ایک کلو
لہسن پسا ہوا	ایک چمچہ
ادرک پسا ہوا	دو چمچ
گھی	حسب ضرورت
نمک	ایک چمچہ
سرخ مرچ	ایک چمچہ
سبز مرچ	سات عدد
ٹماٹر	دو عدد بڑا سائز
ہرا دھنیا باریک کٹا ہوا	آدھا کپ
گرم مصالحہ	حسب منشاء

ترکیب

گوشت کو دھو کر دیگچی میں ڈال دیں اور لہسن، ادرک ڈال کر چولہے پر رکھیں، پانی مت ڈالیں، گوشت اپنے ہی پانی سے گل جائے گا، آنچ ہلکی رکھیں، جب گوشت گلنے لگے تو گھی ڈال دیں، ساتھ ہی نمک، مرچ، ہلدی اور گرم مصالحہ بھی ڈال دیں، تقریباً آٹھ منٹ تک خوب بھونیں، اس کے بعد ٹماٹر کاٹ کر ڈالیں، سبز مرچ بھی باریک کاٹ کر ڈالیں، پھر تھوڑی دیر بھون کے بعد اتار کر ڈش میں نکال کر اوپر، سبز دھنیا چھڑک دیں۔

عالمگیری قورمہ

اشیاء

گوشت (ران یا سینے کا)	ایک کلو
گھی یا آئل	ایک پاؤ
نمک	دو تولہ
سرخ مرچ	تین تولہ
ادرک	دو تولہ
گرم مصالحہ	دو تولہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈھک کر چولہے پر رکھ دیں، آنچ تیز کر دیں، بیس منٹ بعد پتیلی تار کر کباب ایک ایک کر کے پلیٹ میں رکھیں اور فرائی پین میں آئل گرم کر کے کباب ایک ایک کر کے تل لیں اور ڈش میں رکھتی جائیں، تمام کباب تل کر ان کے اوپر کٹے ہوئے ہرے دھنیے کے پتے اور کٹی ہری مرچ تھوڑی سی لے کر چھڑکیں، سائیڈوں پر ابلے انڈے بھی رکھ سکتے ہیں، ٹماٹو کیچپ کے ساتھ نوش فرمائیں۔

مصالحے دار بریانی

اشیاء

پیاز	ایک پاؤ
گوشت	ایک کلو
چاول	ایک کلو
ٹماٹر	ایک پاؤ
دہی	آدھا کلو
خشک آلو بخارا	ایک پاؤ
نمک	حسب ذائقہ
مرچ	حسب ذائقہ
آئل یا گھی	ایک پاؤ
ادرک پسی ہوئی	ایک چھٹانک
لیموں	چار عدد
گرم مصالحہ	ایک چمچہ

ترکیب

پتیلی میں گھی ڈال کر پیاز براؤن کر لیں، تھوڑی پیاز نکال کر باقی میں گوشت فرائی کر لیں، اب نمک مرچ، ادرک، لہسن ڈال کر بھون لیں، پھر ٹماٹر ڈال کر گلا لیں تو دہی ڈال دیں، گوشت گلنے تک خشک آلو بخارہ پاؤ بھر پانی میں بھگو دیں، گوشت گلے جائے تو اتار کر گرم مصالحہ اور لیموں کا رس بھیگا آلو بخارہ ڈال کر رکھ دیں، چاول الگ پتیلی میں دو کنی چھوڑ کر ابالیں اور ایک تہہ چاول کی لگائیں، ایک سالن کی درمیان میں لال کی ہوئی پیاز اور زردے کا رنگ ڈال دیں، چند منٹ دم لگائیں پھر اتار کر ڈش میں نکال لیں، مزیدار بریانی تیار ہے۔

شیش تکے

اشیاء

گوشت بکرے کی ران	آدھا کلو
گھی	ایک چھٹانک
پسا گرم مصالحہ	ایک چمچہ
عرق لیمن	دو چمچ
پیاز بڑا سائز	ایک عدد
لہسن پسا ہوا	ایک چمچہ
ٹماٹر	پانچ عدد
نمک	حسب ذائقہ
مرچ	حسب ذائقہ
ہلدی	حسب ذائقہ

ترکیب

ایک چینی یا تام چینی کے پیالے میں لیموں کا رس، سرکہ، گرم مصالحہ، مرچ، ہلدی، نمک ملا دیں، پیاز اور ٹماٹر کے موٹے موٹے گول ٹکڑے کاٹ کر الگ رکھ لیں، جبکہ مصالحے ملے مرکب کو پگھلے ہوئے گھی میں ڈالیں اور چمچے سے خوب اچھی طرح ہلائیں تاکہ سب اجزاء گھی میں حل ہو کر یکجان نظر آئیں۔

اس گوشت کے دھلے ہوئے ٹکڑے اس مرکب میں ڈال دیں اور اچھی طرح ہلائیں تاکہ اس مرکب میں خوب لتھڑ جائیں، انہیں چھ گھنٹے تک ریفریجریٹر میں رکھیں، سرد موسم ہو تو کھلی فضا میں بھی رکھ سکتے ہیں، پھر سیخوں میں اس طرح پرو لیں کہ گوشت کے ہر پارچے کے ساتھ پیاز اور ٹماٹر کا ایک ٹکڑا پرو دیا گیا ہو، پھر فوراً آگ پر سوختہ کر لیں اور گرم گرم کھائیں بہت مزیدار ہوں گے۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

نومبر کے شمارے کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور ہمارے اس پیارے وطن کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔

خطوط کو پڑھنے سے پہلے میں آپ سب کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ سردار محمود صاحب کی اہلیہ کی وفات کی خبر سن کر آپ سب نے دکھ کی اس گھڑی میں جس طرح ہمارا ساتھ دیا ہمارا غم بٹایا، اپنے فون کالز، خطوط اور ای میل کے ذریعے ان سب کے لئے ہم آپ کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں، اگرچہ شکریہ کا لفظ بہت چھوٹا ہے آپ سب کی محبتوں کے سامنے، آیئے اب آپ کے خطوط کی طرف بڑھتے ہیں یہ پہلا خط ہمیں مصباح کا موسیٰ خیل سے ملا ہے۔

میں اتنی خوش ہوں کہ بتا نہیں سکتی، آپ نے میرا لیٹر شامل کیا، اب میری ہمت بندھی کہ ہم بھی اپنا تبصرہ آپ کو بھیجیں، اس ماہ کا ٹائٹل زبردست تھا، کیا دلہن تھی اور کیا کلر پہن رکھا تھا، بھئی واہ دل خوش کر دیا، پھر ہم نے چھلانگ لگائی سیدھے پہنچے، مدیحہ تبسم کے پاس، واہ مدیحہ آپی کیا بات ہے آپ کی بہت زبردست سٹوری جا رہی ہے، مجھے نازو کا کردار بہت پسند ہے اور ساتھ احمد پر غصہ بھی کہ جب اتنی ہمدردی کی کہ نازو کو اپنا نام دیا اسے اپنایا تو کم سے کم سے زندگی میں اس کو ملنے تو چلا جاتا حتیٰ کے اپنا بیٹا بھی نہیں دیکھا، ویسے حنا کے سارے سلسلے زبردست رہے، شازیہ مصطفیٰ، شائستہ ساجد نے بھی کمال لکھا، پھر ہم دعوت نامہ لیا انشاء جی سے اور افسانوں کی طرف بھاگے جہاں چلبلے سے افسانے ہمارا انتظار کر رہے تھے، نظارت، تسکین جی، سباس گل اور قراۃ العین نے بھی خوب محفل جمائے رکھی اور رنگ حنا نے تو جی ہمیں اپنے رنگ میں ہی رنگ دیا، بھئی واہ زبردست فوزیہ آپی پلیز اس بار بھی بلکہ ہر بار ہمیں اپنی محفل میں جگہ ضرور دیجئے گا اور میری باقی تحریروں کو بھی جگہ ضرور دیجئے گا۔

مصباح ایک بار پھر خوش آمدید اکتوبر کا شمارہ آپ کو پسند آیا ہمیں یہ جان کر خوشی ہوئی آپ رائے ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہچائی جا رہی ہے آپ کو سالگرہ مبارک ہو، اب آپ جلدی سے ہمیں نومبر کے شمارے کے متعلق اپنی رائے سے نوازیئے، ہم آپ کی محبتوں کے منتظر رہیں شکریہ۔

سیما انصار: مظفر گڑھ سے لکھتی ہیں۔

شمارہ حسب توقع دیر سے ملا، ''کچھ باتیں ہماریاں'' میں سردار محمود صاحب کی اہلیہ کی وفات کی خبر پڑھی، بہت ہی افسوس ہوا، اللہ سردار محمود صاحب اور ان کے تمام لواحقین کو یہ صدمہ جانکاہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ پاک ان کے درجات بلند فرمائے اور صالحات میں انجام ہو (آمین)۔

اب آتے ہیں سرورق کی طرف جو دل میں اتر گیا، ماڈل خود بھی اور اس کے کپڑے جیولری اور میک اپ سب ہی بہت خوبصورت لگا، پھر حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول سے دل و روح کو معطر کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پیاری نبیؐ کی پیاری باتیں" ہمیشہ کی طرح مشعل راہ ثابت ہوئیں۔

انشاء نامہ بھی لاجواب تھا، "وہ ستارہ صبح امید کا" میں فوزیہ غزل کے قلم نے اسے خوبصورت بنا دیا ہے۔

"کوئی جا کر اسے کہہ دے" سارہ جبیں کی یہ تحریر روح میں اتر گئی اور خاص طور پر عظمٰی کے فیصلے نے بہت متاثر کیا، ویلڈن سارہ جی "محبتوں میں حساب کیسا؟" میں مدیحہ تبسم کا ہر کردار نکھرتا اور اب عیاں ہوتا جا رہا ہے بہر حال یہ قسط بھی بہت پسند آئی۔

نظارت نصر، گرہستی کا راز بہت بھایا، ہلکی پھلکی یہ تحریر ازدواجی زندگی کو خوبصورت بنانے کا ایک گر بتا گئی۔

"عید خوشیاں اور تم" شازیہ مصطفٰے نے اپنی تحریری صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر بلاشبہ ایک اچھی تحریر حنا کی زینت بنائی اور فصیحہ کو اس کے صبر اور برداشت کا بہت اچھا انعام دلوایا۔

قراۃ العین رائے کی رنگ حنا ہمارے معاشرے کی متوسط طبقے کے تقریباً ہر گھر کی کہانی ہے اسے پڑھ کر بالکل ایسے لگا کہ یہ بالکل سچی کہانی ہو، "چوکھٹ" میں طبقاتی فرق کو بہت خوبصورت انداز سے بیان کیا گیا ہے اور یہ طربیہ اختتام کے ساتھ بہت پسند آیا۔

"تم اتنی ہی حسین ہو" سعدیہ عابد کا یہ رومانٹک ناول دل کے تاروں کو چھیڑتا ہوا بہت بھلا لگا، "تم آخری جزیرہ ہو" اُم مریم کا یہ ناول بھی شاندار بلکہ لاجواب لگ رہا ہے، اس میں معاذ اور ابن زیاد کی ہلکی پھلکی نوک جھونک کو خوب انجوائے کیا۔

"کچھ عشق تھا کچھ شوق" میں شائستہ ساجد کے ناول کا اختتام بہت پسند آیا، امل نے بہت تکلیفیں اٹھا کر بالآخر خوشیوں میں اپنا حصہ پا لیا، "سباس گل کا "اعتبار" ہمارے معاشرے کی انٹرنیٹ اور موبائل کی دنیا کی ایک خوبصورت تحریر ہے جس میں بالکل سچ کہا گیا ہے کہ جو لڑکیاں ضرورتاً موبائل فون اپنے پاس رکھتی ہیں وہ بھی الزامات کی زد میں آ جاتی ہیں باقی تمام "مستقل سلسلے" میں حاصل مطالعہ، بیاض، رنگ حنا، میری ڈائری سے حنا کا دسترخوان حنا کی محفل سب بہت اچھے لگے اور میری ڈائری سے میں صائمہ مظہر کی ڈائری سے محسن نقوی کی نظم خاص طور پر بہت پسند آئی اور حنا کی محفل میں ڈاکٹر واجد نگینوی کے سوال کا جواب بہت پسند آیا۔

"کس قیامت کے یہ نامے" میں فوزیہ شفیق جی آپ نے جس طرح سردار محمود صاحب کی اہلیہ کی صفات اور خوبیوں کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ کس قدر اچھی خاتون تھیں دل میں ان کا مقام مزید بلند ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی خاص رحمت فرمائے آمین۔

اس ماہ خطوط کچھ کم تھے مگر فروا جبیں کی رائے بھرپور تھی۔

آپی پلیز یہ بتا دیں کہ میں ستمبر کا شمارہ کیسے اور کہاں سے خریدوں؟ کیونکہ میں نے اُم مریم کے ناول کی آخری قسط پڑھنی ہے، پلیز ضرور بتایئے۔

سیما انصار کیسی ہو چندا، اس محفل میں خوش آمدید آپ نے بہت اچھا تبصرہ کیا حنا کی تحریروں پر آپ کی پسندیدگی اور محبتوں کے شکر گزار ہیں، آپ کا افسانہ انشا اللہ جلد شائع کریں گے آپ مزید تحریریں لکھ کر بھجوائیں ہم منتظر رہیں گے ستمبر کا شمارہ آپ لاہور سے ہمارے آفس سے منگوا لیں مل جائے گا انشا اللہ، اگلے ماہ بھی آپ کی محبتوں کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

عفاف ابراہیم: لاہور سے لکھتی ہیں۔

ڈائجسٹ کھولتے ہی یہ خبر پڑھنے کو ملی کہ سردار انکل کی مسز وفات پا گئی ہیں، فوزیہ آپی کے تاثرات پڑھ کر ہمیں ان سے محبت و شفقت کا انوکھا رشتہ محسوس ہوا، اللہ سے دعا ہے کہ انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں آمین۔

اُم مریم کا نیا سلسلے وار ناول بہت اچھا لگا، فوزیہ غزل کی یہ تحریر بھی اپنی پچھلی تحریروں کی طرح معیاری اور معلوماتی ہے، مکمل ناولز میں سے سارہ جبیں کا ناول زبردست تھا لیکن سعدیہ عابد متاثر نہ کر سکیں، نضارت نصر نیا نام پڑھنے کو ملا بہت دلچسپ افسانہ تھا، قرۃ العین رائے کے افسانے بھی متاثر کن ہوتے ہیں، مبشرہ ناز اس دفعہ غائب تھیں اور اب آتے ہیں مدیحہ تبسم کے ناولٹ "محبتوں میں حساب کیسا؟" ویلڈن مدیحہ جی اتنی اچھی تحریر لکھنے پر مبارک باد بہت زبردست، دلچسپ بے ساختہ اور منفرد تحریر کو آپ نے حنا کی زینت بنایا ہے۔

مدیحہ جی آپ کی تحریروں میں ایک خاص بات یہ ہے کہ ایک تو محبت کا پیام رشتوں کا احترام، بڑوں کا تقدس آپ کی تحریر سے جھلکتا ہے اور دوسرا شروع سے آخر تک دلچسپی برقرار رہتی ہے آپ کی تحریر کے تمام کردار ہمیں اپنے اردگرد محسوس ہوتے ہیں اور ہمارا دل کرتا ہے کہ کاش یہ سب کردار ہمارے گھر بھی ہوتے ویسے مدیحہ جی آپ سے پوچھنا ہے کہ صالح، وہب، غوری، ہالہ، ماہا، رمشاء جیسے لوگ کہاں ملتے ہیں اس قسط میں ہمارے اندازے کے مطابق حسان ہی صالح کے روپ میں ہے۔

اور آخر میں اصل مبارکباد کی مستحق تو فوزیہ آپی ہیں جو اتنی پیاری مصنفین چن چن کر حنا کی خوبصورتی میں چار چاند لگا رہی ہیں آپی جی پلیز میرے اس خط کو پچھلے خطوط کی طرح ردی کی ٹوکری کی نذر مت کیجئے گا اور شازیہ رفیق کہاں غائب ہیں کیا انہوں نے لکھنا چھوڑ دیا ہے؟

عفاف ابراہیم اس محفل میں پہلی مرتبہ شرکت کرنے پر خوش آمدید، آپ کا نام بہت پیارا ہے ذرا جلدی سے اس کا مطلب بتایئے، اکتوبر کا شمارہ آپ کے ذوق پر پورا اترا شکریہ ہماری محنت وصول ہو گئی، مدیحہ تبسم تک آپ کے جذبات پہنچائے جا رہے ہیں، شازیہ رفیق نے لکھنا تو نہیں چھوڑا لیکن نہ جانے کیوں آج کل غائب ہیں (شازیہ آپ سن رہی ہیں نہ آپ کے چاہنے والے آپ کو یاد کر رہے ہیں پلیز لوٹ آئیں) عفاف ہم ہمیشہ آپ کی چاہتوں کے منتظر رہیں گے شرکت کرتی رہیے گا شکریہ۔

مبشرہ ناز: کراچی سے لکھتی ہیں۔

اس ماہ ٹائٹل بے انتہا حسین تھا، سرخ لباس اور جیولری میں دلہن اپنی معصومیت و جاذبیت کے ساتھ بہت خوبصورت لگ رہی تھی، کچھ باتیں ہماریاں میں سردار انکل کی بیگم کی وفات کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا خدائے پاک ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی مغفرت فرمائے، پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں پڑھ کر جب انشاء نامہ میں انشاء جی کا دعوت نامہ پڑھا تو ہنسی و قہقہے کے ساتھ بے اختیار انشاء جی کو داد دینے کا دل چاہا، مکمل ناولز دونوں بہت اچھے تھے سارہ جبیں کا "کوئی جا کر اسے کہہ دے" تو بے انتہا پسند آیا جبکہ ناولٹ میں مدیحہ تبسم کا ناولٹ بہت اسٹرانگ ہو گیا ہے، شائستہ ساجد کا "کچھ عشق تھا کچھ شوق" بھی کافی اچھا تھا، سلسلہ وار ناول میں فوزیہ غزل آپی کا ناول اچھا ہو گیا ہے آپی شہریار کے ساتھ کچھ برا مت کیجئے گا پلیز افسانے سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے، قرۃ العین رائے کا افسانہ "چوکھٹ" پڑھ کے نجانے کیوں اپنے موسٹ فیورٹ رائٹر اشفاق احمد یاد آ گئے انہی کی اس طرح کی تحریر میں پڑھ چکی ہوں فرق صرف چوکھٹ اور کپڑوں کا تھا، اینی وے کہانی بہت اچھی تھی۔

مستقل سلسلے سارے ہی اچھے لگے ہمیشہ کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرح پلیز آپ انڈین فنکاروں سے بھرا خبرنامہ کے سلسلے کو تو ختم کر دینا چاہیے، اس کے بدلے ادب کے مصنف یا شاعر کے حالات زندگی سے متعلق کوئی سلسلہ شروع کر دیں، آخر میں اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ پاک بیگم سردار محمود کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے اور سردار انکل کو بھی صبر عطا فرمائے، کیونکہ یہ دنیا فانی ہے اس لئے ہمیں بھی اس ابدی سفر کی تیاری آج سے ہی شروع کر دینی چاہیے کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اور موت کسی کا انتظار نہیں کرتی اور نہ ہی اضافی وقت دیتی ہے نہ توبہ کا نہ ہی تیاری کا۔

مبشرہ آپ کی محبتوں کا شکریہ، آپ کا افسانہ مل گیا ہے انشا اللہ جلد شائع کریں گے تمہاری تجاویز نوٹ کر لیں ہیں آئندہ بھی آتی رہنا اپنی محبتوں کے پھول بکھیرنے، شکریہ۔

ساجدہ تاج: سرگودھا سے لکھتی ہیں۔

سب سے پہلے تو میں یہ کہوں گی کہ کس قیامت کے یہ نامے میں، میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں ارے آپ پریشان مت ہوں اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ رسالہ مجھے پسند نہیں ہے اس ماہنامے کے لئے میری پسندیدگی اور چاہت کے لئے یہی ثبوت کافی ہے کہ میں پچھلے بارہ سال سے سے وابستہ ہوں زندگی کی بڑھتی مصروفیات کے سبب وقتاً فوقتاً ہی سہی مگر میں اس سے وابستہ رہنا اپنے لئے خوش نصیبی سمجھتی ہوں، فوزیہ کے لہجے کی مٹھاس اور پیار بھرا اصرار مجھے کچھ نہ کچھ لکھنے میں مدد دیتا ہے جس کے لئے میں فوزیہ کی بے حد مشکور و ممنون ہوں۔

اب چلتے ہیں اس ماہ کے شمارے کی جانب اس ماہ کا شمارہ مجموعی طور پر تقریباً زبردست رہا، مکمل ناول میں سعدیہ عابد نے محبت کے موضوع مذہب اور اپنی اقدار کو جس طریقے سے لکھا گیا ہے وہ بہت زبردست تھا، شازیہ مصطفیٰ کا ناولٹ بھی بہت زبردست رہا، اعتبار اور بے اعتباری کے درمیان جس طرح کی جنگ انہوں نے دکھائی وہ کافی متاثر کن تھی، شائستہ ساجد کا ناول بھی کافی اچھا تھا، افسانوں میں سباس گل کا افسانہ ''اعتبار'' کافی متاثر کن تحریر تھی، یہ موضوع آج کل کے حالات کے مطابق تھا اور اس موضوع پر ان کے لکھنے کا انداز بھی کافی اچھا تھا، اُم مریم کے نئے ناول کی پہلی قسط بہت دلچسپ لگی، منظر نگاری پر ان کی گرفت آہستہ آہستہ بڑھتی جا رہی ہے امید ہے جس طرح اس ناول کی پہلی قسط قارئین کی دلچسپی کا باعث بنی ہے آگے چل کر بھی یہ اپنی دلچسپی اسی طرح برقرار رکھے گا آخر میں فروا جبیں بہاولنگر کی میں بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے میرے ناول کو نہ صرف پسند کیا بلکہ میری غیر حاضری کو بھی یاد رکھا کہ میں کافی عرصے بعد حنا میں نظر آئی، فروا بے حد شکریہ۔

امید ہے آئندہ بھی اپنی قیمتی آراء سے ہمیں نوازتی رہیے گا کہ آپ کی تعریف ہمیں بلند حوصلہ عطا کرتی ہے تو آپ کی تنقید ہماری رہنمائی فرماتی ہے۔

ساجدہ تاج اس محفل میں خوش آمدید ہم آپ کو کبھی بھی بھولے نہیں مصنفین اور قارئین ہمارا قیمتی سرمایہ ہیں کچھ عرصہ کے لئے جب کوئی غائب ہو جاتا ہے تو ہم جانتے ہوتے ہیں کہ وہ کاروبار حیات میں مصروف ہوگا لیکن اسے جیسے ہی وقت ملا وہ لوٹ کر حنا کی دنیا میں ضرور آئے گا اور الحمدللہ ایسا ہی ہوتا ہے آپ کی محبتوں کے ہم ہمیشہ ممنون رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk